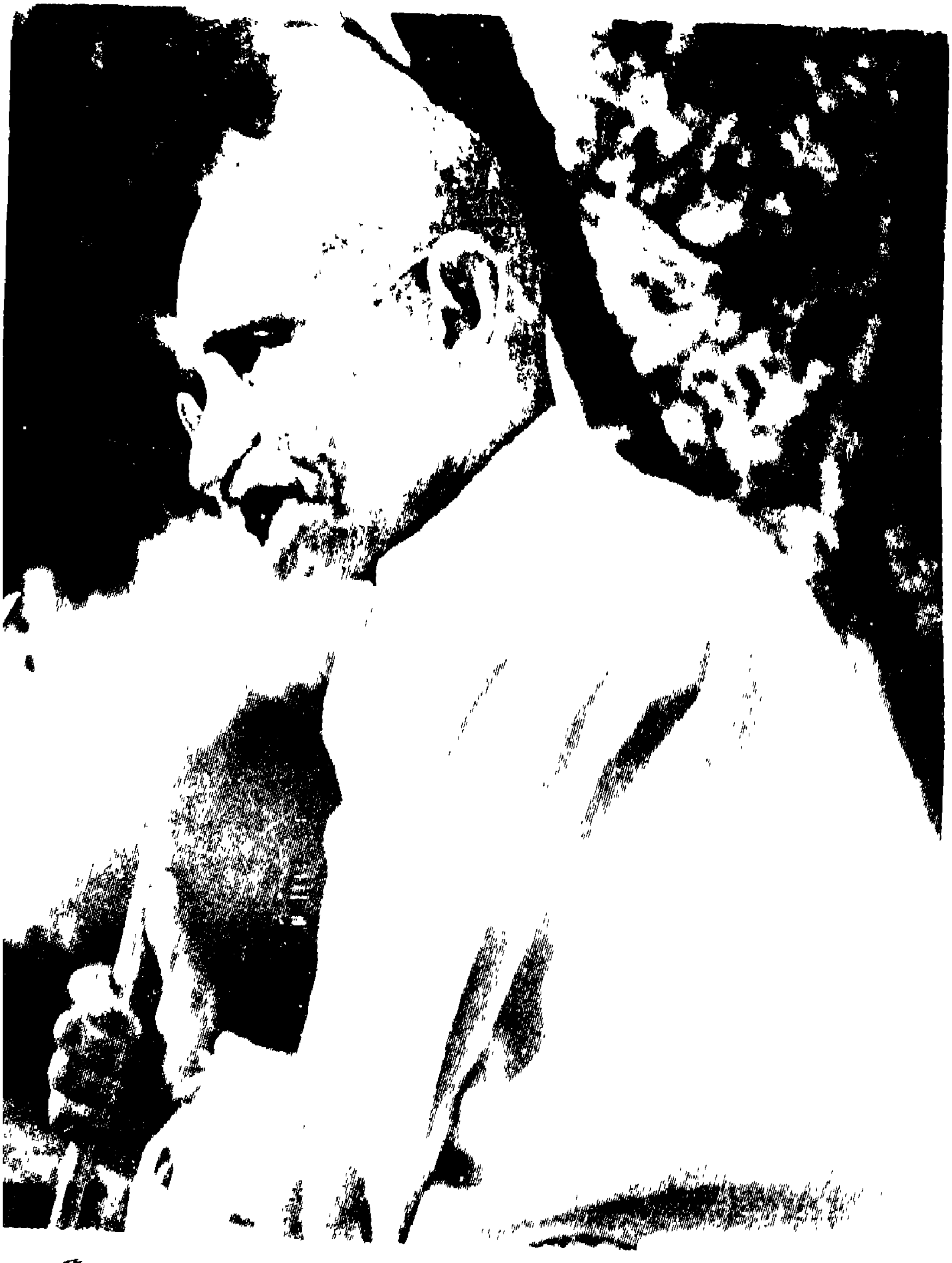
دارالطبع والنشر لانجمن

کراچی اسلامیہ

نثری اصل



درش بیا بابو ـ ۳۰ جنوری کو آپ کی برسی بہت اہتمام سے منائی گئی

پیامِ تعلیم

دہلی

ایڈیٹر

محمد حسین حسّان

قیمت سالانہ چار روپے - فی پرچہ پانچ آنے

جلد ۲۲ | فہرست مضامین - اپریل ۴۹ء سنہ ۶ | نمبر ۱

مطبوعہ :- جید برقی پریس دہلی

پرنٹر پبلشر :- محمد حسین حسّان

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

اف فوہ! کتنے دنوں کے بعد تم سے باتیں کرنے کا موقع ملا ہے۔ ستمبر کا پرچہ چھپ چکا تھا کہ دلی پر آفت آئی، اور دیکھتے دیکھتے مکتبہ جامعہ اور پیامِ تعلیم سب برباد ہو گیا۔ ہم نے آزادی کا سانس لیا ہی تھا بلکہ یوں کہو کہ ہم اس خوشی پر ہنسنے بھی نہ پائے تھے کہ ہم پر ایک طوفان ٹوٹا، ایسی مصیبت نازل ہوئی کہ خدا کی پناہ۔

خیر یہ طوفان اب نکل گیا ہے۔ آگ ٹھنڈی پڑ گئی ہے۔ مگر جو نقصان ہمیں اور دوسروں کو پہنچ چکا اس کی تلافی ہوتے ہوتے ہوگی۔ مکتبہ جامعہ کا اور پیامِ تعلیم کا بس پچیس برس کا بنا بنایا کام پھر بنتے بنتے کچھ دیر تو لے گا۔

جب ملک کی حالت ٹھیک ہوئی تو جامعہ نے مکتبے اور پیامِ تعلیم کا کام پھر سے شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ مکتبے کی تو اب لمیٹڈ کمپنی آج کل میں بننے والی ہے، اور کام بہت جلد شروع ہو جائے گا۔

پیامِ تعلیم کا ڈیکلریشن بھی کئی مہینے ہوئے منظور ہو چکا تھا مگر ہم چاہتے تھے کہ اس مرتبہ سے اخباری کاغذ پہ نہ چھاپیں، دیسی سفید کاغذ پہ شائع کریں۔ اسی لئے حکومت سے منظوری لینا ضروری تھی۔ منظوری تو جلدی حاصل ہو گئی، مگر کاغذ کے کوٹے کے لئے دفتر کا چکر لگانے میں اتنی دیر لگ گئی۔

ہم نے چھپے ہوئے خط کے ذریعے پیامِ تعلیم کے دوبارہ چھپنے کی خوشخبری پیامیوں کو سنائی تھی جن جن پیامیوں کے پاس یہ خط پہنچے انھیں اپنے پرانے ساتھی کے دوبارہ نکلنے کی جو خوشی ہوئی اُس سے ہماری بہت ہمت بندھی۔

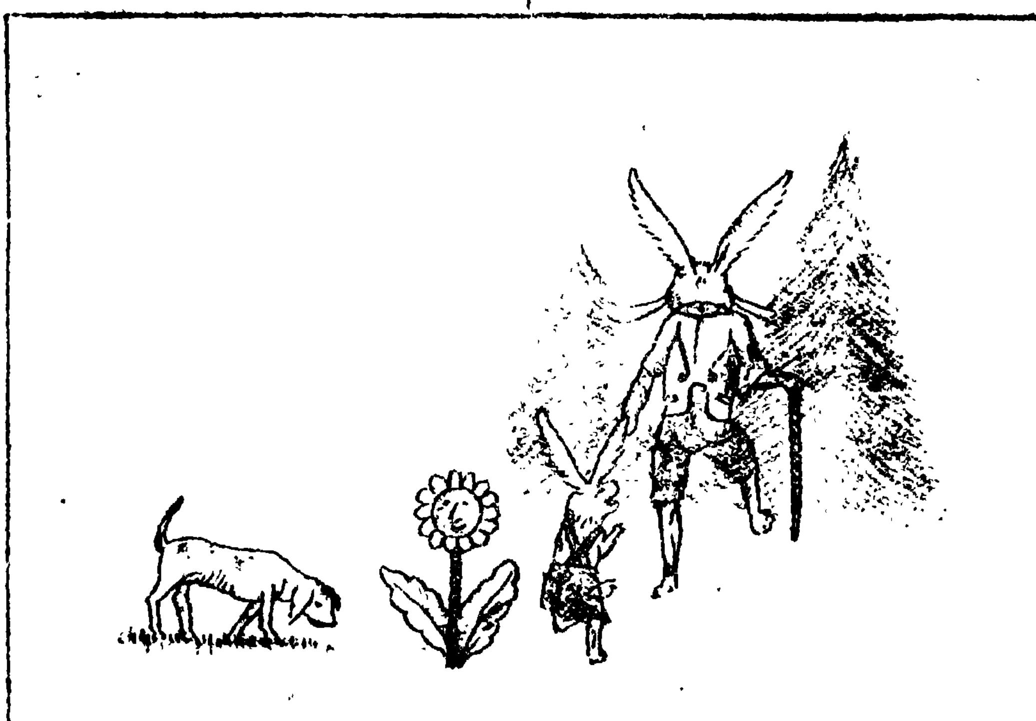
عالی جناب نواب صاحب ریاست محمد گڑھ کو جونہی ہمارا خط ملا، آپ نے ہمیں مبارکباد دی اور پندرہ روپے چندے کی مد میں مرحمت فرمائے۔

تمھیں شاید یاد ہو پچھلی دفعہ نواب صاحب نے پیامِ تعلیم کے سب سے اچھے لکھنے والے طالبِ علم کو ایک نقرئی تمغہ (درجہ دوم) مرحمت فرمانے کا اعلان کیا تھا۔ یہ تمغہ کلکتے کے ایک مضمون نگار سکندر مرزا کو دیا بھی گیا تھا۔

نواب صاحب کے پرائیوٹ سکریٹری جناب سید منظور علی صاحب نے ہمیں یہ خوشخبری سنائی ہے کہ نواب صاحب اس تمغے کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اب جو پیامی رسالے میں سال بھر کی مدت میں سب سے اچھا مضمون لکھیں گے انھیں یہ تمغہ دیا جائے گا، ہم نواب صاحب کی نوازش کا اپنی طرف سے اور پیامیوں

مُنّا خرگوش بال بال بچا

شام کو جب سورج ڈوب گیا تھا، خرگوش نے بچوں سے کہا: "دیکھو گھر سے باہر مت جانا - میں تمھاری اماں کے ساتھ



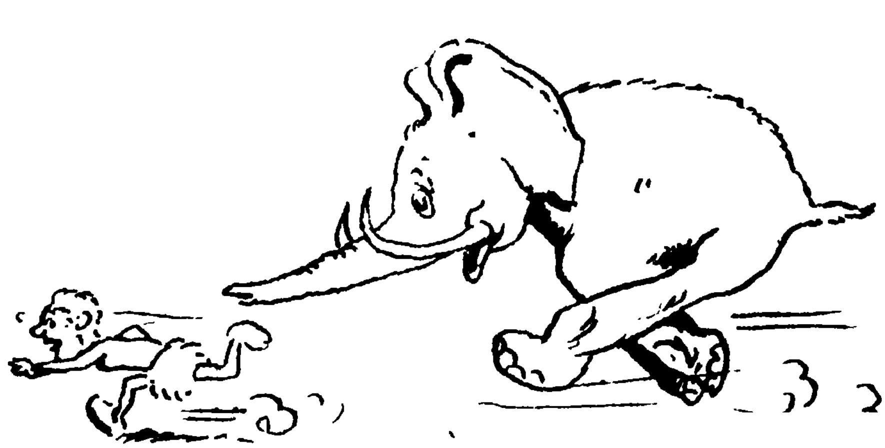
کھیتوں میں جا رہا ہوں - تمھارے لیے میٹھی میٹھی جڑیں اور پتے لے آؤں گا۔" لیکن مُنّے خرگوش کا گھر میں جی گھبرانے لگا- اُس نے کہا:- "میں ایک مرتبہ خود جا کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ میدانوں اور کھیتوں میں کیسا لگتا ہے" بہنوں بھائیوں

نے منع کیا، اور اُلّوؤں اور لومڑیوں [سے] ڈرایا تو وہ اکڑ کر کھڑا ہوا اور اُس [نے] مونچھوں پر تاؤ دے کر کہا: "آنے دو ان کو، میں بھی اُنھیں دکھا دوں گا -

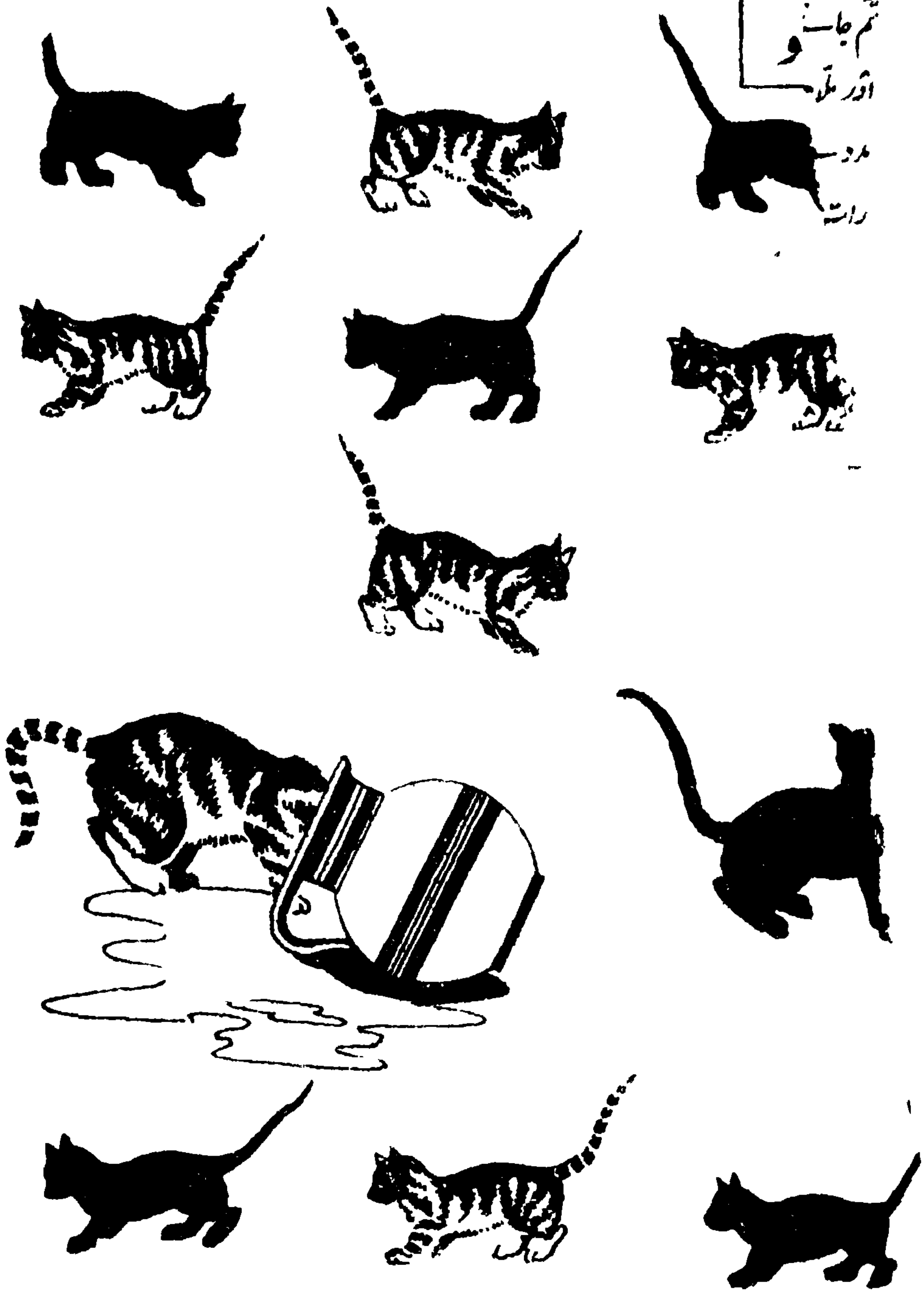
مُنّا خرگوش نکل کھڑا ہوا - میدان میں تیتیا گھاس بڑے مزے کی لگی، پھر وہ باڑ میں راستہ تلاش کر کے ترکاریوں کے کھیت میں پہنچا، یہاں تو دعوت کا پورا سامان تھا - شلجم، چقندر، سلاد،

دیں ، یا لگ
سب چیزیں تھوڑی
... - تب بھی اس کا پیٹ
یا کہ چلنا مشکل تھا - اب جو
باڑ کے پاس پہنچا تو وہ سوراخ
نہیں ملا جس میں سے وہ گیا تھا - اس
کے کانوں میں کتے کے غرانے کی آواز
آئی - اوپر دیکھا تو ایک اُلّو منڈلا
رہا تھا - ارے اللہ اب کیا ہوگا!
مُنّا خرگوش دبک کر بیٹھ گیا - بڑی
خیریت ہوئی کہ اُلّو نے اسے دیکھا نہیں
مُنّے خرگوش کا دل دھڑ دھڑ ہو رہا تھا
وہ دعا مانگ رہا تھا کہ کسی طرح گھر
پہنچ جائے - اتنے میں اسے اپنی ماں
کی بولی سنائی دی : "مُنّے، مُنّے ، کہاں
کہاں ہے !" مُنّے خرگوش نے جلدی
سے جواب دیا : "میں یہاں ہوں،
امّاں ، ترکاری کے کھیت میں -
ماں جلدی سے آئی ، اور مُنّے
خرگوش کو کھیت سے نکال لے گئی -
گھر پر مُنّا خرگوش بہت رویا،
اور اس نے کہا ، " امّاں ، اب
میں کبھی ایسی حرکت نہ کروں
گا "

(یہ کہانی جرمن کتاب "بچوں کی دنیا" سے لی گئی ہے)



ذرا ٹھہر تو سہی !!



یہ بلّیاں جب گھر سے نکلیں تو سات تھیں۔ ہوتے ہوتے کُل تین رہ گئیں باقی کیا ہوئیں۔ تُم اُن پر ایک کہانی لکھ کے بتاؤ کہ یہ سب بلّیاں کیا ہوئیں۔ جس کی کہانی سب سے اچھی ہوگی، پیام تعلیم میں چھاپ دی جائے گی۔

ستاروں کے جھمکے

ڈاکٹر سلامت اللہ ام۔اے
لکچرر استادوں کا مدرسہ

برسات کے بعد سردیوں میں آسمان کیسا صاف نظر آتا ہے۔ نہ بادل ہوتے ہیں۔ گرد و غبار۔ ان دنوں اندھیری رات میں آسمان کو دیکھو تو کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بے شمار تارے جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ گھنٹوں دیکھتے رہو، مگر جی نہیں بھرتا۔ تاروں کے گروہ عجیب عجیب شکلوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ تاروں کے یہ جھمکے کہیں چوکور ہیں، تو کہیں تکون۔ کہیں ایک سیدھی لکیر بناتے ہیں، تو کہیں ٹیڑھی اور چکر دار۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں۔ چلتے پھرتے ہیں تو ایک ساتھ اس طرح کہ جھمکے کی شکل نہیں بدلتی۔

ایسے ایک جھمکے کو تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ کھٹولے کا جھمکا۔ بعض لوگ اسے گھوڑا گاڑی یا ہل بھی کہتے ہیں۔ لیکن اس کا اصلی نام "دُب اکبر" ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں "بڑا بھالو"

اس کی ایک بڑی اچھی کہانی ہے۔ تمہارے دیس کی طرح یونان بھی ایک بہت پرانا دیس ہے۔ پرانے یونانیوں کا خیال ... میں ایک بڑی خوب صورت پر... نے کوئی ایسی گستاخی کی جس پر د... بہت غصہ آیا اور اس نے اس پ... بنا دیا۔ آسمان کے دیوتا کو بڑی کی... کر بہت ترس آیا۔ اور اس نے اس ک... میں تبدیل کر دیا۔ اس وقت سے یہ آ... چمک رہے ہیں۔ اسی لئے ان کا نا...

ستاروں کے اس جھمکے کی شکل بھالو... جلتی ہے۔ کھٹولے کے باہر کے تین تا... بھالو کی دم ہیں۔

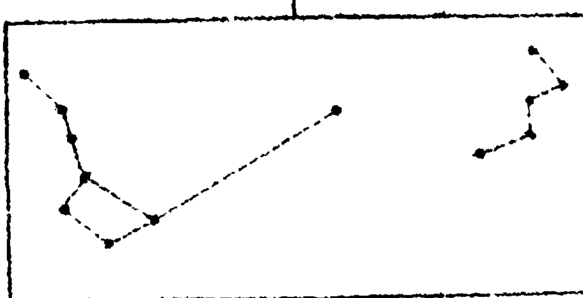
ہندوستان کے پرانے باسی آریا کہلاتے تھے۔ اُن لوگوں نے ان... نام "سپت رشی" یعنی سات بزرگ... ان کا خیال تھا کہ کسی زمانے میں یہ تا... تھے۔ انھوں نے خدا کی بہت پوجا کی... وہ آسمان پر چڑھ گئے اور تاروں کی شـ... چمکنے لگے۔

خیر یہ تو ہیں کہانیاں، ویسے یہ ہیں بڑے

تم جانتے ہو کہ ستاروں کے اس جھمکے سے مسافر اور ملاح بڑا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ وہ اس کی مدد سے قطب تارا ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ اور رات کے وقت ٹھیک سمت میں چلے جاتے ہیں۔

۲

آسمان میں اس قسم کے اور سینکڑوں جھمکے ہیں جن کی مدد سے مسافر اور کسان پرانے زمانے سے سمت اور وقت معلوم کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کو تم بھی پہچاننے کی کوشش کرو۔



اچھا تو دُبِّ اکبر ہی سے شروع کرو۔ اسے تم پہچانتے ہی ہو، اس کی مدد سے قطب تارا ڈھونڈھ لو۔ قطب تارے کے ایک طرف دُبِّ اکبر اور دوسری طرف پانچ چمکتے ہوئے تاروں کا ایک جھمکا ہے۔ اس کی شکل انگریزی کے حرف W جیسی ہے۔ اس کا نام ذات الکرسی ملکہ ہے۔ انگریزی زبان میں اسے کاسیوپیا کہتے ہیں۔

اس کی ایک بڑی دلچسپ کہانی ہے:-

بہت دن ہوئے یونان میں سفس نامی ایک راجا تھا، اُس کی رانی کا نام تھا کاسیوپیا ان کی ایک لڑکی تھی اینڈرومیڈا۔ وہ بڑی خوب صورت تھی اُسے غرور تھا کہ دنیا میں اس سے بڑھ

سمندر کے دیو۔

غصہ آیا اس کے پاس ایک تھا بانڈیا۔ نیپ چیون نے کہا:- اینڈرومیڈا کو اپنی خوب صورتی گھمنڈ ہے، جاؤ سفس کے راج کو برباد اور اینڈرومیڈا کا غرور مٹی میں ملا دو۔"

دیو نے کاسیوپیا کے راج میں کھل بلی مچادی۔ وہ جس کو پاتا مار ڈالتا اور کھا جاتا۔ چاروں طرف سے لوگ بھاگ بھاگ راجا کے پاس آنے لگے۔

راجا نے اپنے دربار کے نجومی کو پوچھا کہ کیا بات ہے۔ نجومی نے اپنی کـ میں دیکھ کر بتایا:- "سمندر کے دیوتا۔ یہ دیو بھیجا ہے۔ یہ آپ کے راج کو کر ڈالے گا۔"

راجا نے پوچھا:- "دیو سے بچنے کوئی تدبیر بتاؤ۔"

نجومی نے جواب دیا، "حضور صرف تدبیر ہے، اگر آپ شہزادی اینڈرو کو اس دیو کے حوالے کر دیں تو پھر

ر پہ گیا کہ دیو
نلہ کھا نہ لے گا اس
ں نہ جائے گا۔ سب لوگ
ں آئے اور کہا: "شہزادی کو
۔ حوالے کر دیجیے، نہیں تو ہم سب
ہ ہو جائیں گے۔"

کچھ دیر تو راجا اور رانی نے شہزادی
ڈ چھپائے رکھنے کی کوشش
کی لیکن جب دیکھا کہ کسی طرح
جان نہیں بچتی ہے تو اینڈرومیڈا
کو لوگوں کے سپرد کر دیا۔

ہ لوگ شہزادی کو ندی
ارے لے گئے اور اُسے
بھاری پتھر میں زنجیر
ندھ دیا۔ وہ سوچتے
ب دیو اینڈرومیڈا کو کھا کر واپس
ے گا۔

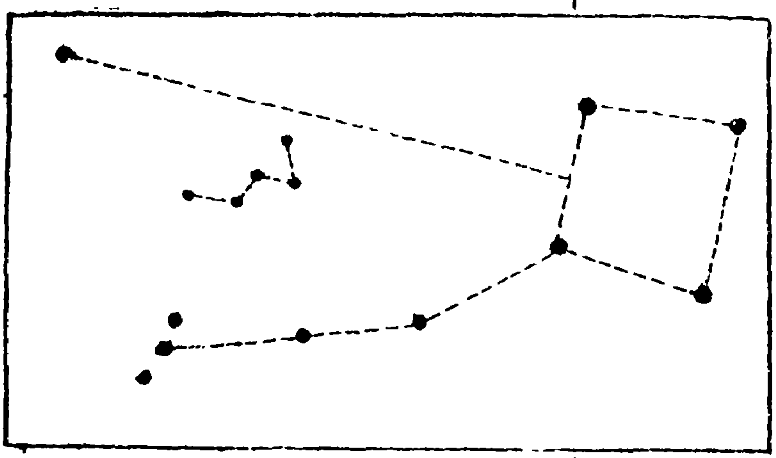
ب رات ہوئی تو دیو شور مچاتا ہوا آیا
۔میڈا اُسے دیکھ کر بہت ڈر گئی اور
۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

تنے میں وہاں ایک بہادر شخص آسمان سے
۔اُترا۔ اس کا نام تھا پرسیس اور وہ
ڑے پر سوار تھا اس کا نام تھا
...سس نے دیو کے ایک پتھر اٹھا مارا

کہ بس وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

شہزادی اینڈرومیڈا کو بڑی خوشی ہوئی
اور پرسیس کا بہت شکریہ ادا کیا۔

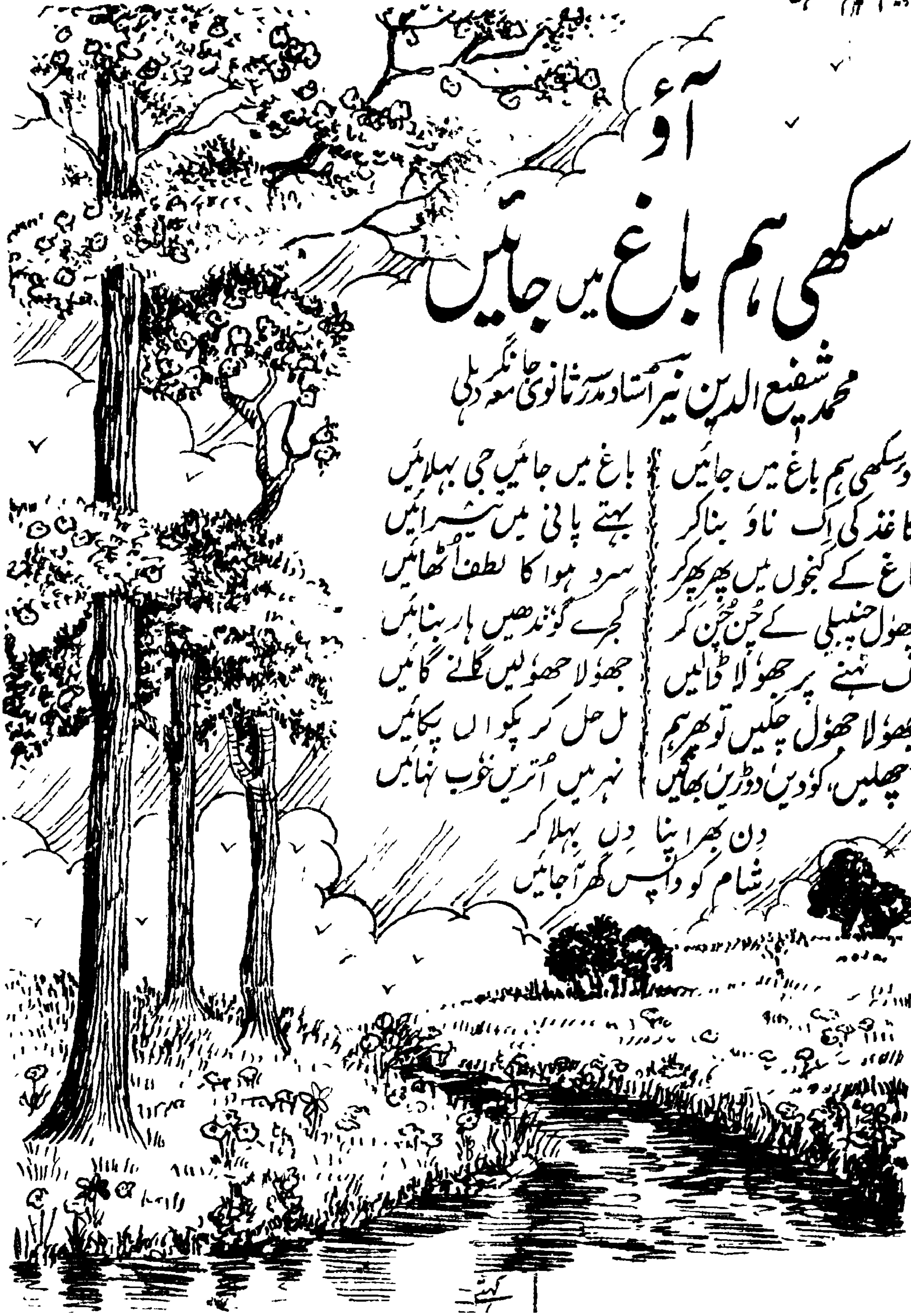
صبح کو لوگ دیکھنے آئے کہ شہزادی وہاں
ہے یا نہیں۔ اُنھیں بڑی حیرت ہوئی کہ شہزادی
زندہ ہے اور اُس کے پاس دیو مرا پڑا ہے۔
راجا اور رانی نے یہ خبر سُنی تو خوشی کے
مارے پھولے نہ سمائے۔ انھوں نے پرسیس



کا بڑا احسان مانا، اور شہزادی کی اس کے
ساتھ شادی کر دی۔

مرنے کے بعد ہائڈرا، سفس، کاسیوپیا،
اینڈرومیڈا، پرسیس اور پیگاسس سب کے
سب ستاروں میں تبدیل ہو گئے، آسمان
پر ان سب کے جھمکے موجود ہیں۔

ہائڈرا اور سفس شمالی آسمان میں ہیں
ان کا پہچاننا ذرا مشکل ہے۔ لیکن باقی جھمکوں کو
تو تم آسانی سے پہچان سکتے ہو۔



آؤ سکھی ہم باغ میں جائیں

محمد شفیع الدین نیر استاد مدرسہ ثانوی جامعہ نگر دہلی

آؤ سکھی ہم باغ میں جائیں
کاغذ کی اک ناؤ بناکر
باغ کے کنجوں میں پھر پھر کر
پھول چنبیلی کے چُن چُن کر
اک ٹہنے پر جھولا ڈالیں
جھولا جھول چکیں تو پھر ہم
اُچھلیں، کودیں دوڑیں بھاگیں

باغ میں جائیں جی بہلائیں
بہتے پانی میں تیرائیں
سرد ہوا کا لطف اُٹھائیں
گجرے گوندھیں ہار بنائیں
جھولا جھولیں گلنے گائیں
مل جل کر پکوان پکائیں
نہر میں اُتریں خوب نہائیں

دن بھر اپنا دل بہلا کر
شام کو واپس گھر آجائیں

سندباد دنیا کی چھت پر

پروفیسر محمد عبدالغفور، علی گڑھ

(۱)

لیجیے آج مہینوں کے سفر کے بعد سندباد لہاسا پہنچ گئے۔ میلوں دور سے لہاسا کا شہر چمکتا نظر آیا، اور اس کے ساتھ ایک شان دار محل۔ زمین سے کوئی ۱۲۰۰ فٹ اونچا۔ کتنا؟ اجی یہی آپ کے قطب مینار سے تگنا چوگنا۔ نیچے تو ۹۰۰ فٹ اونچا پشتہ اور اس کے بعد ۳۰۰ فٹ اونچا محل۔ شام کی دھوپ میں اس کی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں دہکتی ہوئی انگارا سی آنکھیں معلوم ہوتی تھیں۔ محل کا اوپر کا حصہ تو کندن کی طرح دمکتا تھا۔ نیچے سرخ رنگ کی اینٹیں لگی تھیں۔ ہم نے بہت سے محل دیکھے ہیں مگر یہ سب سے نرالا تھا۔ جی میں تو آیا کہ ایک دفعہ "جے تبت مہاراج" کا جیکارا لگائیں۔ مگر ہمارے ایک ساتھی بولے: "کیوں بھائی سندباد کیا کہیں کسی مذہبی گرو کا ایسا محل بھی دیکھا۔" ہم نے حیران ہو کر پوچھا "گورو کا محل؟" ہمارے دوست بولے "اور یہ سامنے کیا دیکھ رہے ہو، یہ لاما گورو کا محل ہی تو ہے۔"

ہمارا خیال تھا کہ ہندوستانی ہی مذہبی لوگوں کی بڑی آؤ بھگت اور عزت کرتے ہیں مگر یہاں

آ کر معلوم ہوا کہ اہل تبت ہم سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ ہم تو ان لوگوں کو تیج تہوار کے دن ہی مانتے ہیں مگر تبت والوں پر تو یہ چوبیس گھنٹے حاوی ہیں۔ اور حاوی بھی ایسے ویسے نہیں کہ کبھی دکشنا دے لی، یا کسی کے یہاں ختم پڑھ دیا۔ یہاں تو اگر ملک کی حکومت کرانا ہے تو ان سے کرائیے۔ کسی غیر ملکی طاقت سے عہدنامہ کرنا ہو تو ان سے امداد لیجیے۔ غرض اس ملک کا کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا سب انھی کے سہارے ہے۔ تبت کے لاما لوگوں سے ملنے کا شوق ہمیں پہلے سے تھا، اور اس ملک میں تو لاما سادھوؤں کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا۔ اتنا ضرور ہے کہ یہاں کے مذہبی پیشوا محض چٹورے اور مفت خور نہیں۔ ایک حد تک علم کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں ایک دفعہ ایک کتب خانہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کا نگراں ایک سادھو تھا اور کتب خانہ بھی ایک پرانی خانقاہ کی عمارت میں تھا۔ اہل تبت نے لاما لوگوں کے لیے خانقاہیں ایسی ایسی ...

اور یہیں عمر گزار دیں۔ اونچی چوٹیوں، شاداب جنگلوں، گاتی ہوئی آبشاروں پر جہاں کہیں بھی کوئی خوش نما جگہ دیکھ پائی وہیں ایک خانقاہ بنا دی۔ اس خانقاہ کے صحن میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دیوار کے ایک سرے سے دوسرے تک جھنڈیاں لگی ہوئی ہیں، اور اُن پر کچھ لکھا ہوا بھی ہے۔ ہمارے ساتھی بولے: "لیجیے دُعائیں اُڑ اُڑ کر آسمان کو جا رہی ہیں۔" ہم نے لپک کر اوپر کی جانب دیکھا۔ خیال تھا کہ شاید دعائیں دو پروں کے سہارے آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہوں گی۔ اس پر ہمارے دوست مسکرائے اور بولے "واہ صاحب آخر دھوکا کھا ہی گئے۔ یہ دعا کی چڑیاں تو آپ کے سامنے پھڑپھڑا رہی ہیں۔ ان جھنڈیوں پر دُعائیں لکھی ہیں۔ تبت والوں کا خیال ہے کہ جب یہ جھنڈیاں ہوا میں لہراتی ہیں تو دُعائیں اُڑ اُڑ کر آسمان کو جاتی ہیں۔"

آگے بڑھے تو سادھوؤں کا ایک گروہ نظر آیا۔ لمبے لمبے سُرخ رنگ کے چُغے پہنے ہوئے۔ ایک صاحب ہاتھ میں چکر لئے ہوئے تھے۔ اس پر دُعائیں لکھی تھیں۔ بار بار چکر دیتے تھے۔ ہم سمجھے کہ یہ سادھو بھی بڑے مزے ہیں۔ بچّوں کی طرح چکروں سے کھیلتے ہیں۔ سب ساتھی قہقہہ لگاتے ہوئے

[illegible]

اس جتنی دُعائیں اس پر لکھی ہیں ان کے سو دفعہ پڑھنے کا ثواب چکر دینے والے کو بیٹھے بٹھائے مل گیا۔" ہم نے دل میں کہا کہ یہ تو ہمارے یہاں کے مالا سے بھی اچھا رہا۔ یہ نسخہ اگر ہمارے یہاں کے کسی سیٹھ کے ہاتھ لگ گیا تو وہ ایسے چکر بنا کر مشین پر چڑھا دے گا اور اس طرح مفت میں ڈھیروں ثواب اکٹھا کرے گا۔ اب آگے بڑھے اور خانقاہ کے اندر داخل ہو گئے۔ خانقاہ کیا تھی یوں سمجھو اچھا خاصا کاؤں بسا ہوا تھا۔ دیواروں پر مینے کا کام اور کہیں کہیں بیل بوٹے جیسا سُرخ رنگ کیا ہوا۔ ایک طرف بڑا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ہوگا کوئی تین فٹ لانبا اور پندرہ فٹ چوڑا اس پر رنگا رنگ کی تصویریں بنی ہوئی تھیں بیچوں بیچ میں مہاتما بدھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے ارد گرد اُن کی زندگی کے دلچسپ واقعات تصویروں کے ذریعے دکھائے گئے تھے۔

تم تو سمجھتے ہوگے کہ یہ سادھو لوگ بہت خشک مزاج ہوتے ہوں گے جہاں کہیں کسی دُنیا دار کو اپنی طرف آتے دیکھا تو کاٹنے کو دوڑے۔ نہیں یہ بات نہیں۔ یہ لوگ مہمانوں کا استقبال بڑی مسرت اور خوشی سے کرتے ہیں۔ ان کی باتوں میں ایک عجیب و غریب نرمی، ملائمت اور بزرگی ہوتی ہے۔ اکثر لوگ

[illegible]

لطیفے

"بھئی میں تو بڑی مصیبت میں پڑ گیا۔"
"کیوں کیوں خیریت؟"
"میری عینک کھو گئی، اور جب تک آنکھوں پہ عینک نہ ہو اُسے تلاش کیسے کروں!"

دو آدمی لڑ رہے تھے۔
پہلا:۔ "اگر تو ڈوبنے لگا تو رسّی تک نہ پھینکوں گا۔"
دوسرا:۔ "اگر تو نے پھینکی تو میں اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔"

"ڈاکٹر صاحب مجھے بڑا افسوس ہے کہ ایسے خراب موسم میں میں نے آپ کو تکلیف دی۔"
"کوئی ہرج نہیں، قریب ہی ایک اور مریض کے ہاں جانا ہے، ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔"

چھوٹا لڑکا (اپنے ننھے دوست سے):۔ "ابا جی ہمارے گھر میں نیا بچّہ پیدا ہوا ہے۔"
ننھا دوست:۔ "ارے! سچ مچ! اچھا بتاؤ لڑکی ہے یا لڑکا۔"
چھوٹا لڑکا:۔ اب یہ کیا معلوم! انھوں نے ابھی اسے کپڑے وغیرہ پہنائے ہیں۔"

وکیل (مدّعی سے):۔ "اچھا وہی لفظ دہرائیے جو مدّعا علیہ نے آپ سے کہے تھے۔"
مدّعی:۔ "یہ میرے لئے مشکل ہے۔ ایسے الفاظ شریف آدمیوں کے سامنے نہیں دُہرا سکتا۔"
وکیل:۔ "اچھا تو جج صاحب کے کان میں کہہ دیجئے۔"

بچّہ:۔ "امّی امّی میں نے ایک آدمی کو دیکھا گھوڑا بنا رہا تھا۔"
ماں:۔ "سچ مچ؟"
بچّہ:۔ ہاں امّی۔ میں نے جس وقت اُسے دیکھا وہ پورا گھوڑا بنا چکا تھا۔ بس پیروں میں کیلیں جڑ رہا تھا۔

جج:۔ "تمھارے اوپر الزام یہ ہے کہ تم نے اپنی ساس کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔"
ملزم:۔ "ہاں حضور، یہ میں بے سوچے سمجھے کر بیٹھا۔"
جج:۔ "لیکن اس وقت کوئی راہ گیر اُدھر سے گذرتا ہوتا تو کتنا خطرناک حادثہ ہوتا۔"

چمپاوت کا آدم خور شیر

محمد معین مدرسہ ثانوی، جامعہ نگر، دہلی

(یہ قصہ (JIMCOLETT) کی کتاب MANEATER OF KUMAUN سے لیا گیا ہے۔ اصل قصہ کو مختصر کیا گیا ہے۔ مگر اس کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کا مزہ باقی رہے۔)

میں جولائی میں اپنے ایک دوست کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا جب مجھے پہلی مرتبہ چمپاوت کے آدم خور کی خبر ملی۔ اس کے پیچھے بہت اچھے اچھے شکاری لگائے جاچکے تھے۔ مگر یہ کسی کے داؤں پر نہ آیا۔ چار سال کے اندر وہ چونتیس آدمیوں کا خون کرچکا تھا۔

یہ تھی صورت حال جب نینی تال کا ڈپٹی کمشنر مجھ سے ملاقات کے لئے آیا اور مجھ سے وعدہ لیا کہ جلد سے جلد چمپاوت کے لئے روانہ ہوجاؤں گا۔ ایک ہفتہ بعد وہ پھر آیا اور یہ خبر سنائی کہ پچھلی رات کو کچھ لوگ یہ کہنے آئے تھے کہ پالی کے گانوں میں آدم خور نے ایک عورت کو مار ڈالا ہے۔

میں چھ آدمیوں کو لے کر روانہ ہوا

چار دن بعد ہم پالی پہنچے۔ گانوں میں قریب پچاس آدمی رہتے تھے۔ اور سب پر ایک عجیب خوف طاری تھا۔ سب اپنے گھروں کے دروازے بند کئے سہمے بیٹھے تھے۔ ہم لوگوں کو آتے دیکھ کر وہ باہر نکلے معلوم ہوتا تھا ہمارے آنے سے انھیں تسکین ہوگئی۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ پانچ دن سے گھروں کے باہر نہیں نکلے ہیں، کھانے کو کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ بھوکوں مرنے کی نوبت آرہی تھی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد میں اپنے آدمیوں کو ایک محفوظ کمرے میں چھوڑ کر سڑک کے کنارے شیر کی تاک میں بیٹھ گیا۔ گانوں والوں نے مجھے بتایا کہ پانچ دن سے شیر ہر رات کو سڑک پر ٹہلتا ہے۔ میں شکار کی گھات میں بہت سی راتیں جنگل میں گذار

چکا تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ میں آدم خور کے لئے بیٹھا۔

سڑک پر چاندنی پھیلی تھی، بس اس طرف جدھر جنگل تھا درختوں کے سایے نے اندھیرا کر دیا تھا۔ میں اسی طرف ایک جگہ بیٹھا تھا۔ ساری رات گزر گئی اور شیر نہ آیا۔ صبح ہونے کو تھی جب میں گھٹنوں پر سر رکھ کر سو گیا۔ اس وقت میں بالکل شیر کے رحم و کرم پر تھا۔ سورج نکلنے کے بعد میرے نوکر آئے تو انھوں نے مجھے غافل سوتا پایا۔

گاؤں والے جمع ہوئے اور انھیں معلوم ہوا کہ میں ساری رات باہر رہا ہوں تو انھیں بڑا تعجب ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے وہاں لے چلو جہاں شیر نے عورت کو مارا تھا۔ اس پر وہ راضی نہیں ہوئے۔ مگر ایک آدمی نے مجھے لے جا کر دور سے وہ جگہ دکھائی۔

یہ جگہ گاؤں سے مغرب کی طرف تھی، جہاں پہاڑ میں ایک خم سا تھا۔ گاؤں کی کچھ عورتیں اور بچے وہاں لکڑیاں چننے گئے تھے۔ ایک عورت درخت پر چڑھ گئی اور ڈالیاں کاٹ کر نیچے گرانے لگی۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی ضرورت بھر ڈالیاں اور پتے جمع ہو گئے ہیں تو وہ اترنے لگی۔ اسی وقت شیر نے، جو چھپا بیٹھا تھا، لپک کر اس کی ٹانگ پکڑ لی، اور اسے اپنی طرف کھینچا۔ عورت جس شاخ پر کھڑی تھی وہ پتلی اور کمزور تھی، اور کھینچنے سے ٹوٹ گئی۔ عورت گر پڑی۔ شیر اسے دو تین گز تک گھسیٹ کر لے گیا اور پھر مار ڈالا۔ دوسری عورتیں سب چیختی چلاتی گاؤں کی طرف بھاگیں اور مردوں سے یہ واقعہ بیان کیا۔ گاؤں والے پہلے تو سہمے کھڑے رہے، پھر کوئی پچاس آدمی شور مچاتے ادھر چلے جدھر شیر عورت کو مار کر لے گیا تھا۔ وہ اس درخت سے قریب تیس گز دور رہ گئے تھے جس پر سے شیر نے عورت کو کھینچ کر گرایا تھا تو انھیں شیر کی غراہٹ سنائی دی۔ تب ان کی ہمت نے جواب دے دیا اور وہ الٹے پاؤں واپس بھاگے۔

گاؤں پہنچ کر کچھ لوگوں کو خیال آیا کہ اس طرح بھاگنا ٹھیک نہیں۔ وہ سب کے سب پھر ساتھ چلے۔ جب وہ اسی جگہ پہنچے جہاں شیر تھا تو ایک آدمی نے جس کے پاس بندوق تھی ہوا میں فیر کیا۔ شیر وہاں سے ہٹ گیا۔ میں نے اس آدمی سے پوچھا کہ تم نے ہوا میں فیر کیوں کیا تھا، جھاڑیوں [illegible] نہ کیا تو اس

نے جواب دیا کہ مجھے ڈر تھا کہ شیر ہم پر حملہ کر دے گا۔

جب میں ناشتہ ختم کر چکا تھا تو گاؤں کا نمبردار میرے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ بہت اچھا ہوگا کہ اگر آپ یہاں کی فصل اپنے سامنے کٹوا دیں، گاؤں والے آپ کے بغیر باہر نکلتے ڈرتے ہیں۔ اس لئے میں دن بھر رائفل لئے کھڑا رہا اور گاؤں والے کھیت کاٹتے رہے۔ شام تک اُنھوں نے یہ کام ختم کر لیا۔

میری اِس جرأت نے لوگوں کے دلوں کو بہت ڈھارس دی، اور وہ اطمینان سے اِدھر اُدھر جانے لگے۔ میں نے کہا کہ مجھے ایک مرتبہ جنگل کا وہ حصّہ دکھا دو جہاں شیر زیادہ آیا جایا کرتا ہے۔ میں شیر کے پنجوں کے نشان دیکھنا چاہتا تھا، اس کا پتہ چلانے کے لئے کہ وہ بوڑھا ہے یا جوان، نر یا مادہ۔ میرے ساتھ چلنے پر کوئی راضی نہ ہوا۔ تب میں نے کہا کہ میں ایک پہاڑی بکرے کا شکار کرنا چاہتا ہوں، اگر کوئی ساتھ چلنا چاہتا ہو تو چلے۔ اس پر کچھ لوگ تیار ہو گئے اور میں اُن میں سے تین کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

پالی گاؤں ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا مغرب کی طرف سڑک کے پار پہاڑ کا پھیلاؤ تنگ گھاٹیوں اور ڈھلوان میں تقسیم ہو گیا تھا۔ یہ اونچی گھاس اور گھنے درختوں اور جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ہم انھی میں سے ایک کے نیچے اُترنے لگے۔ میں بار بار رُک کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتا تھا۔ جب ہم آدھے میل کے قریب جا چکے تھے تو میں ایک چیڑ کے درخت کی ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، اور پھر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اوپر پہاڑی میں مجھے کچھ حرکت سی محسوس ہوئی، اور غور کرنے سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ ایک پہاڑی بکرا ہے جو اپنے کان ہلا رہا ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر کے بتایا، مگر انھیں کوئی چیز نظر نہ آئی۔ بکرا کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھا، اور اس کے کان ہی دکھائی دے رہے تھے۔ نشانہ لگانے کے لئے مجھے لیٹنا بھی پڑا۔ مگر نشانہ ٹھیک لگا۔ اور تھوڑی دیر میں ہمیں کوئی چیز لڑھکتی ہوئی دکھائی دی۔ بندوق کی آواز سُن کر دو اور بکرے ہماری دائیں طرف گھاس سے نکل کر بھاگے، اور جب یہ سامنے آئے تو انھیں بھی میں نے گرا لیا۔ تینوں بکرے نیچے گھاٹی میں پاس پاس گرے۔ میرے لئے یہ بڑی کامیابی تھی، دیہاتیوں

کے لیے یہ ایک معجزہ تھا ۔ وہ یہ بالکل بھول گئے کہ جنگل میں ایک آدم خور شیر بھی رہتا ہے، اور گھاٹی میں اُتر کر تینوں بکرے اُٹھا لائے۔

واپسی کے وقت ہم ایک جھونپڑے کے سامنے سے گذرے جو گاؤں سے ذرا ہٹ کر سڑک کے قریب بنایا گیا تھا اس میں دو بہنیں رہتی تھیں۔ اب سے سال بھر پہلے دونوں بہنیں گھاس کاٹنے کے لئے گئی تھیں کہ ایک بارگی شیر نے بڑی بہن پر حملہ کیا، اور اُسے مُنہ میں دبا کر جنگل کی طرف چلا۔ چھوٹی بہن نے تھوڑی دُور تک شیر کا پیچھا کیا، گویا اپنی درانتی سے اس کو مارنا چاہتی ہے۔ تب شیر بڑی بہن کو چھوڑ کر غرّاتا ہوا اس کی طرف جھپٹا۔ پہلے وہ عورت چیخ چیخ کر شیر سے کہہ رہی تھی کہ میری بہن کو چھوڑ دے، مجھے مار ڈال، جب شیر اس پر جھپٹا تو وہ پلٹ کر گاؤں کی طرف بھاگی۔ گاؤں والوں نے اُسے شیر کا پیچھا کرتے اور شیر کو اس پر جھپٹتے دیکھا تھا۔ اس لئے جب وہ گاؤں پہنچی اور اس کے مُنہ سے عجیب عجیب آوازوں کے سوا کوئی بول ٹھیک نہ نکلا تو وہ سمجھے کہ عورت سہم گئی ہے، اور دوڑتے دوڑتے اس کی سانس پھولنے لگی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ صدمے سے گونگی ہو گئی ہے۔ میں جھونپڑے کے پاس سے گذرا اور اُس نے میری رائفل دیکھی تو وہ دوڑ کر آئی اور میرے پاؤں پر گر پڑی کیا بتاؤں اس کی عقیدت مندی نے مجھے کتنا شرمندہ کیا۔

عرفان ماموں

از :- اختر مشتاق

ہنستے ، اُچھلتے ، پھاندتے   ماموں کے ماموں آگئے
دیکھا جو سب کو سامنے   کچھ سوچ کے شرما گئے

دادی کی کنگھی جیب میں   امی کا پنسل ہاتھ میں
تاگے سے گردن میں بندھا   کپڑے کا کتا ساتھ میں

شوخی تو ان کی دیکھئے   بیٹھے ہیں چڑھ کے میز پر
اور اُس پہ یہ طرفہ ستم   دوات ہی پہ ہے نظر

"دالان" اور کیا "اک درہ"   یہ ہر جگہ موجود ہیں
ہر شے پہ ہے ان کی نظر   "وہ بیر وہ امرود ہیں"

منیا[۲] کہیں جو دیکھ لی   لکڑی اُٹھا لی ہاتھ میں
اب لاکھ وہ چھپتی پھرے   یہ ہیں اُسی کی گھات میں

لو اُن کو غصہ آگیا   تخریب کی اب ٹھن گئی
ناک اور دُم کھنچنے لگی   کتے کی جاں پر بن گئی

۱؎ میرا بھانجا جو کچھ ایسی پیاری زبان میں مجھے ماموں کہہ کر پکارتا ہے کہ میں بھی انتہائی محبت میں اُسے ماموں کہنے لگا۔
۲؎ گھر میں پلی ہوئی بلی کا نام

پالی گاؤں ایک پہاڑ ...

بچّوں کا میلا

از ممتاز احمد صدر بچوں کی برادری
تعلیمی مرکز باڑہ ہندو راؤ

پچھلے دنوں دسمبر کی آخری اور جنوری کی شروع کی تاریخوں میں۔ دلّی میں بچّوں کا بہت بڑا میلا ہوا تھا۔ بالکن جی باڑی بچّوں کی بہت پرانی انجمن ہے۔ یہ میلا اُسی کے اہتمام میں پردہ باغ میں کیا گیا تھا۔ جامعہ کو بھی اس میلے میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔

تمھیں شاید معلوم ہو کہ دلّی کی گڑبڑ کے بعد جامعہ کے ادارۂ تعلیم و ترقی نے دلّی میں پورے جوش سے اپنا تعلیمی کام شروع کر دیا تھا۔ اس نے شہر میں اپنے بہت سے مرکز کھول دیے تھے۔ یہ مرکز بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ باڑہ ہندو راؤ میں تو مرکز کے ساتھ ساتھ ایک ابتدائی مدرسہ بھی ہے۔ اس میں ہندو مسلمانوں کے ڈھائی سو لڑکے پڑھتے ہیں۔ میں بھی اسی مدرسے میں پڑھتا ہوں۔

ادارۂ تعلیم و ترقی نے بچّوں کی ایک انجمن بھی قائم کی ہے۔ سب مرکزوں میں اس کی شاخیں ہیں اور انھوں نے ہماری زندگی میں ایک خاص چہل پہل پیدا کر دی ہے۔ بچّوں کے میلے میں یہ سب شاخیں شریک ہوئیں۔ جامعہ میں اس زمانے میں سردیوں کی چھٹیاں تھیں۔ پھر بھی شاخوں نے کئی دن پہلے سے تیاریاں شروع کر دیں۔

آخر بڑی بے چینی اور انتظار کے بعد ۳۱ر دسمبر کی تاریخ آئی۔ اور ہم لوگ سامان سمیت پردہ باغ پہنچ گئے۔ ہمیں کچھ دیر ہو گئی تھی۔ خیال تھا کہ بہت سے بچّے اپنی دکانیں سجا چکے ہوں گے۔ مگر وہاں آ کے دیکھا تو میدان صاف تھا، شامیانے وغیرہ ضرور گڑے تھے۔ انھی میں سے چند شامیانوں میں ہمیں جگہ ملی اُن کے پیچھے قناتیں بھی لگی تھیں۔ پردہ باغ پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی تھی۔ صبح سے میلا شروع تھا۔ کام بہت تھا، وقت کم ہمارے ماسٹر عبدالجبار صاحب کہیں سے

وہ ہنڈولے سے آئے ، اور بہت سا کام رات ہی رات میں ختم کردیا - رات کو دیر سے سوئے ، پھر بھی تڑکے ہی اُٹھ گئے اور کام میں لگ گئے - آٹھ بجتے تک سارا کام ختم ہو گیا - ہماری دُکانوں کے علاوہ ابھی تک کوئی دُکان نہ لگی تھی ہماری دکانیں کل چودہ تھیں - ایک کتابوں کی دوسری پھلوں کی ، تیسری کھلونوں کی ، تین دکانوں میں چائے کا ہوٹل تھا - ساتویں مٹھائی کی تھی ، باقی دُکانوں میں "بچوں کا گھر" کے بچوں نے اپنے ہاتھ کے کام کی نمائش کی تھی - کچھ بچے کھلونے بنا رہے تھے - کچھ دریاں بن رہے تھے - ہماری دُکانوں کے پوسٹر میلے کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے ، اور اُن کی وجہ سے بہت بہار آرہی تھی -

دُکانوں کے علاوہ پھیری والے بھی تھے - ہمارے مدرسے (تعلیمی مرکز باڑہ ہندو راؤ) کے سات پھیری والے تھے اور طرح طرح کی چیزیں لئے پورے میلے کا چکر لگا رہے تھے - ہمارے ایک ساتھی کے سر پر ان کے قد کے برابر کاغذ کی ٹوپی تھی - ٹوپی میں پھندنا اور پھندنے میں غبارہ لگا تھا - یہ حضرت غبارہ بیچ رہے تھے ، ساتھ ہی کچھ آوازیں بھی لگاتے جاتے تھے - یہ آوازیں کسی اور جگہ

ٹھیک گیارہ بجے ہمارے [illegible] گورنر جنرل شری راج گوپال آچاریہ جی میلے کا افتتاح کرنے تشریف لائے اُن کے ساتھ بی جی کھیر وزیر اعظم بمبئی اور دوسرے رہنما بھی تھے - بچے پہلے سے شامیانے میں جمع ہو گئے تھے - پہلے قومی ترانہ گایا گیا - پھر ایک بچی نے راجاجی کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے - پھر راجاجی نے تقریر کی - اس تقریر میں اُنھوں نے بچوں سے بہت اچھی اچھی باتیں کیں - مثلاً اُنھوں نے فرمایا "بچوں کے لئے ہر محلّے میں چھوٹے چھوٹے باغ ہونے چاہئیں ، اور شہر میں اُن کے لئے ایک بڑا باغ ہونا چاہئے - جہاں وہ آزادی کے ساتھ کھیل کود سکیں - اس باغ میں بچوں کی دیکھ بھال کے لئے کچھ بڑے لوگ بھی ہوں گے - لیکن وہاں استادوں اور ماں باپ کو جانے کی قطعاً اجازت نہ ہونا چاہئے - وہ انھیں آزادی اور خوشی کے ساتھ کھیلنے نہ دیں گے ...."

راجا جی کی تقریر سُن کر ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ اب ہم بچوں کی خوشی کا بھی خیال رکھا جائے گا -

راجا جی نے میلے کے دروازے پر

ایک بچّوں کی رسّی کاٹ کر میلے کا افتتاح کیا۔ افتتاح سے پہلے ہمارے ساتھیوں نے دو ترانے بہت جوش سے گائے۔ دوسرے مدرسوں کے بچّوں نے بھی مختلف گانے گائے۔

راجاجی کے ساتھ بھیڑ بہت تھی فوٹو گرافر بار بار ان کی تصویریں لے رہے تھے ہمارے غبارے بیچنے والے ساتھی کی بھی کئی تصویریں لی گئیں۔

راجاجی نے پورا میلا دیکھا۔ جامعہ کی دکانیں بھی دیکھیں۔ کھیر صاحب (وزیرِ اعظم بمبئی) نے تو جامعہ کی دکانیں بہت دلچسپی سے دیکھیں۔ "بچّوں کا گھر" کی ایک دکان میں بیٹھ کر انھوں نے چرخا بھی چلایا۔

بچّوں کے جلسے میں ایک نشرگاہ بھی تھی یہاں بچے تقریریں کر رہے تھے۔ لطیفے سنا رہے تھے۔ نظمیں پڑھ رہے تھے۔ ہمارے ہاں سے بچّوں کی انجمن کے سکریٹری جینندر کمار نے اپنے مدرسے (تعلیمی مرکز باڑہ ہندو راؤ) کے بارے میں ایک تقریر کی۔ روشن لال نے لطیفے سنائے۔ غلام حیدر نے نظم پڑھی۔ شام تک یہ پروگرام چلتا رہا

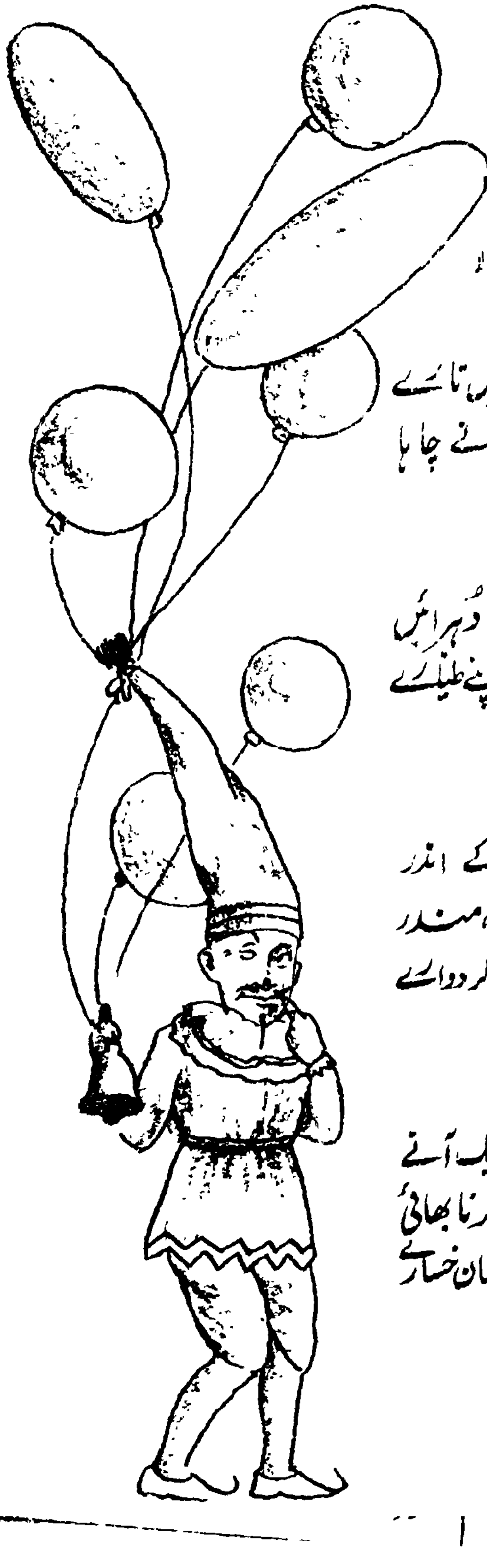
شام کو ہم نے اپنی دکانیں بند کیں، ہوٹل میں کھانا کھایا اور شامیانے کے نیچے رات گزاری۔ سردی بہت کافی تھی پھر بھی اس طرح سونے میں ہمیں جو مزا آیا ہے اور جو خوشی حاصل ہوئی ہے وہ لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

دوسرے دن ہم سب تڑکے سے اُٹھے ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوئے اور اپنی دکانیں سجائیں۔ ذرا دیر میں جنگل میں منگل ہو گیا۔ آج کے دن میں نے بھی بچّوں کی برادری کے بارے میں ایک تقریر کی۔ میرے بعد احاطہ کالے صاحب کے بچّوں کی تقریریں ہوئیں۔ شام تک تقریروں کا اور نظموں کا سلسلہ جاری رہا۔

آج کی رات بھی ہم نے پریڈ باغ میں گزاری، صبح کو یہاں سے روانگی تھی۔ اس لئے صبح کو اُٹھتے ہی دکانوں کا اور نمائش کا سامان ایک جگہ اکٹھا کیا۔ ٹھیلوں پر لدوایا اور خود تانگوں پر بیٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

اس میلے کی بدولت نئی نئی دوستیاں قائم ہوئیں۔ بچّوں کی اور دوسری انجمنوں کے حالات معلوم ہوئے اور ہمارے دلوں میں اپنی برادری کو آگے بڑھانے کی تازہ امنگیں اور نیا جوش پیدا ہوا۔ یہ بھی اندازہ ہوا کہ ہماری آزاد حکومت بھی ہماری ان دلچسپیوں کو اچھی نظر سے دیکھتی ہے اور ہماری ان سرگرمیوں کو آگے بڑھانا چاہتی ہے ۞

غبارے والا



بچوں کے میلے میں غبارے بیچتے وقت غبارے والا
یہ آواز لگا رہا تھا

جھلمل جھلمل مرے غبارے | جیسے رات کو چمکیں تارے
کیسا رنگ ہے ہا ہا ہا ہا | اُڑا وہ جیسا تم نے چاہا

لے لو پیارے پیارے
جھلمل جھلمل مرے غبارے

باتیں بسری یاد دلائیں | بھولے قصّوں کو دُہرائیں
اُڑتے تھے آزادی سے پہلے | دیس بدیس اپنے طیارے

لے لو پیارے پیارے
جھلمل جھلمل مرے غبارے

مرے غبارے سندر سندر | دنیا دیکھو اُن کے اندر
جنگل بستی اور سمندر | مسجد اور کلیسا مندر
ان میں سکھوں کے گردوارے

لے لو پیارے پیارے
جھلمل جھلمل مرے غبارے

میں تو آیا مال لٹانے | دو دو پیسے ایک ایک آنے
مجھے سکھایا جامعہ نے | جھوٹی بات نہ کرنا بھائی
جھوٹ میں ہیں نقصان خسارے

لے لو پیارے پیارے
جھلمل جھلمل مرے غبارے

پالی کا ذں ایک پہاڑ ...

کیمرے سے شکار

عبدالحلیم ندوی (بی اے جامعہ)

بندوق سے شکار تو ہر ایک کھیلتا ہے۔ کیا عجب جو تمھیں اپنے ابّا کے ساتھ یہ تماشا دیکھنے کو ملا ہو۔ یا تم نے خود بھی مشق کی ہو۔ لیکن کیمرے سے شکار شاید ہی کسی نے کھیلا ہو۔ آؤ آج تمھیں ایک ایسے آدمی کی کہانی سنائیں جو کیمرے سے شکار کھیلتا ہے۔ تیتر، فاختہ یا کبوتر کا نہیں، شیر، چیتے اور گینڈے کا۔

یہ ہمارے دوست ریڈکلف ہیں۔ اُن کے پاس بہت عمدہ رائفل تھی۔ دن رات وہ تھے اور ان کی رائفل۔ کبھی یہاں ٹھائیں سے کیا کبھی وہاں ٹھائیں سے کیا۔ جنگل جنگل مارے مارے پھرتے تھے۔ جہاں معلوم ہوا کوئی جانور ہے جھٹ پہنچے اور اپنی رائفل سے شکار کر لائے۔ آخر ایک دن اُکتا گئے اور سوچنے لگے یہ بھی کیا خراب بات ہے کہ محض تفریح کی خاطر بے چارے معصوم بھولے بھالے جانور کی جان لی جائے۔ یہ سوچنا تھا کہ اُنھوں نے شکار سے توبہ کی اور چپکے گھر میں بیٹھ رہے۔ مگر عادت تھی گھومنے پھرنے کی گھر میں نچلا کب بیٹھا جاتا تھا۔ آخر اُن کی بے چین طبیعت کو ایک ترکیب سوجھی اُنھوں نے سوچا کیوں نہ میں ایک کیمرہ لے لوں اور اس سے بجائے جان لینے کے جانوروں کی تصویریں لیا کروں۔ سچ مچ کی تصویریں، چلتی پھرتی تصویریں۔ بس پھر کیا تھا، جھٹ بازار جا، سب سے عمدہ کیمرہ خرید لائے اور جنگل میں جا پہنچے۔ چڑیوں، ہرنوں، خرگوشوں کی تصویریں کھینچنے لگے۔ بہت سی تصویریں ہو گئیں تو تصویریں چھاپنے والوں کو دکھائیں۔ اُنھوں نے بہت پسند کیں اور مُنہ مانگے داموں خرید لیں۔ پھر اُنھیں چھپوا کر خوب نفع کمایا۔

امریکہ میں سب جانوروں کی تصویریں کھینچ چکے تو شیروں، چیتوں اور گینڈوں کے شکار کی سوجھی پر بھائی یہ کام تھا خطرناک۔ جان کا ڈر تھا، مگر شوق ایسا تھا کہ رہا نہ گیا۔ آخر اُنھوں نے نہایت عمدہ قسم کے کئی کیمرے خریدے۔ جو دن، رات، اندھیرے، اُجالے سب میں تصویریں کھینچ لیتے ہیں اور اپنے ساتھ چند دوستوں کو لیا اور افریقہ کی طرف چل پڑے۔ پہلے کینیا پہنچے۔ وہاں سے نیروبی کا رُخ کیا۔ جہاں شیروں، چیتوں اور گینڈوں کی افراط تھی۔ ریل میں بیٹھے بیٹھے اتنے جنگلی جانور نظر آتے کہ بے اختیار جی للچا اُٹھتا۔ مگر وہ تو بھئی ریل تھی۔ یہ کیمرہ

سنبھلتے اور سوچتے رہ جاتے اور وہ ان میں سے نکل جاتی۔ ایک جگہ انھوں نے دو گینڈے دیکھے آپس میں لڑتے یا شاید کلیلیں کر رہے تھے۔ بس نہ پوچھو ان کی کیا حالت ہوئی۔ بے چارے ہاتھ ملتے رہ گئے۔

نیروبی پہنچتے ہی انھوں نے سب سے پہلے وہاں کے رہنے والوں میں سے چار آدمی راستہ بتانے کے لئے اپنے ساتھ لئے۔ اپنے دوست بلاٹ کو رائفل دی، اور خود اپنا کیمرہ اور ساز و سامان لے شکار کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔ جنگل میں گئے تو چاروں طرف جانور ہی جانور۔ یہ انھیں دیکھتے ہی یہ بیچارہ جا۔ بارہ سنگھے اور ہرن تو بے شمار۔ ریڈ کلیف کا جی چاہا کہ اُن کی تصویریں کھینچیں لیکن یہ اتنے چالاک کہ جہاں آہٹ پائی اور ہوا ہوگئے۔

ریڈ کلیف یہاں تصویریں لینے آئے تھے اس لئے ایک دو دن بعد گینڈوں کی تلاش میں نکلے۔ جنگل میں تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ سامنے تھوڑے فاصلے پر گینڈوں کا ایک جوڑا دکھائی دیا۔ بہت اچھا شگون تھا۔ ادھر ان گینڈوں نے بھی انھیں دیکھ لیا۔ پھر کیا تھا چنگھاڑتے چنگھاڑتے اُن کی طرف دوڑے۔ اور جس جگہ یہ سب کھڑے تھے وہیں پہنچ کر دونوں نے اس زور سے ٹکر ماری کہ کیا جھاڑی کیا درخت سب اکھڑ گئے ۔۔ تو کہیں ریڈ کلیف اور اُن کے ساتھی ادھر ادھر ہٹ گئے تھے۔ ورنہ اسی وقت سب کا خاتمہ یقینی تھا۔ ریڈ کلیف صاحب تو کیمرہ وغیرہ سمیٹ سماٹ سر پہ پاؤں رکھ کر جو بھاگے ہیں تو اپنے خیمے میں جا کر دم لیا۔ جان بچی لاکھوں پائے۔

مگر تھے بہت مستقل مزاج۔ دو چار دن کے بعد پھر وہی دھن۔ اور پھر وہی گینڈوں کی تصویر کھینچنے کا بھوت سر پہ سوار! ایک دن پھر کیمرہ لے نکل کھڑے ہوئے۔ بہت دیر تک جنگل میں اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔ صبح سے شام کر دی۔ جھٹ پٹے کے وقت تھک ہار کر لوٹنے والے تھے کہ دور، ایک پہاڑی پر، ایک بہت بڑا گرانڈیل گینڈا دکھائی دیا۔ یہ بہت خوش کہ شکل تو نظر آئی۔ مگر پچھلے واقعے کا خیال آتے ہی بدن میں کپکپی سی پیدا ہوگئی۔ قدم من من بھر کے۔ رکھتے کہیں ہیں، پڑتے کہیں ہیں۔ اتنی دیر میں گینڈے نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پہاڑی پر لیٹ گیا۔ ہوا خوب ٹھنڈی چل رہی تھی۔ لیٹتے ہی سو گیا۔ ریڈ کلیف کی جان میں جان آئی۔ اس سے اچھا موقع کب ہاتھ آسکتا تھا۔ یہ لوگ چپکے چپکے دبے پاؤں آگے بڑھے اور گینڈے سے ۵۲ گز کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ ریڈ کلیف نے کیمرہ ٹھیک کیا۔ سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو اپنے دوست سے کہا۔ تم رائفل بھر کے میرے پاس کھڑے ہو جاؤ، اور جونہی میں کہوں: "فائر" ٹھائیں سے گولی داغ دینا۔

اب ریڈ کلیف اپنے کیمرے کے پاس [illegible]

پر ہاتھ رکھ کر بڑی زور سے چلائے ۔ اُن کے
مُنہ سے جوں ہی آواز نکلی، گینڈا بڑبڑا کر اُچھل پڑا۔
اور جب اُس نے دیکھا کہ پاس ہی دو تین آدمی کھڑے
ہیں تو غصّے میں آگ بگولا ہو گیا ۔ نتھنے پُھلائے، چیختا
چنگھاڑتا تیر کی طرح اُن کی طرف جھپٹا ۔ ان لوگوں



کا خون خشک ہوا جا رہا تھا ۔ ریڈ کلیف نے سوچا
جان جیسے ۔ یار ہے آج تو تصویر کھینچ کے
رہیں گے ۔ گینڈا جب ریڈ کلیف سے بس
بارہ گز کے فاصلے پر آ گیا تو انھوں نے جھٹ کیمرے
کا بٹن دبا دیا اور زور سے چلائے : "فائر" اور
جھاڑیوں سے کلارک نے رائفل داغ دی ۔ گولی گینڈے

کے اگلے شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی ۔ گینڈا اس آواز
سے اتنا ڈرا ! اتنا ڈرا کہ اُلٹے پاؤں لوٹا اور جدھر
سے آیا تھا ، اُسی طرف چلا گیا۔
اب تُم خود اندازہ کرو شکاری کو اپنی اِس
کامیابی پر کتنی خوشی ہوتی ہوگی ، گویا ساری محنت

وصول ہو گئی ۔ فلم دیکھی تو انکشاف ہوا کہ آج تک
کسی فوٹوگرافر نے ایسی تصویر نہ کھینچی ہوگی ۔ معلوم ہوتا تھا جیسے گینڈا
پہاڑ کھانے کو دوڑ رہا ہے ۔ پر اب دوبارہ
اُنھیں گینڈے کی تصویر کھینچنے کی ہمت نہ ہوئی ۔

(باقی)

آج کا چین

ہمارے پڑوسی دیسوں میں چین کا ملک سب سے بڑا ہے۔ لوگ بہت پرانے زمانے سے پڑھے لکھے، تہذیب اور شائستہ ہوتے تھے۔ انھوں نے اب سے ہزاروں برس پہلے بہت سی ایجادیں کی ہیں مثلاً چھاپہ خانہ انھی کی ایجاد ہے۔ کاغذ بھی پہلے انھی نے بنایا چینی آرٹ یا مصوری تو تمام دنیا میں مشہور ہے۔ چائے کا رواج سب سے پہلے انھی کے ہاں شروع ہوا۔ ریشمی کپڑے کی تیاری اور ریشم کے کیڑے پالنے میں بھی انھی نے پہل کی۔ چینی کے برتن سب سے پہلے انھی نے بنائے۔ اور کہتے ہیں پتھر کا کوئلہ بھی پہلے پہل انھی نے استعمال کیا۔

شروع شروع میں چین میں بادشاہی حکومت تھی۔ بعض چینی بادشاہوں نے ساری دنیا میں شہرت حاصل کی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ بادشاہ کم زور پڑنے لگے تو اُن کے امیروں اور جاگیرداروں نے سر اُٹھایا یہ اپنے اپنے علاقوں اور جاگیروں کے مالک بن بیٹھے عام لوگوں کی بھلائی اور فائدے کا اُنھیں ذرا خیال نہ تھا رعایا دُکھ اُٹھاتی اور بے چین کرتے آپس میں بھی خوب لڑتے۔ اس طرح طرح آہستہ آہستہ یہ ملک بہت کم زور ہوگیا۔

یورپ کے ملکوں نے چین کی یہ کم زوری دیکھی تو اُسے زبردستی اپنی تجارت کی منڈی بنالیا اور اپنے نفع کی خاطر طرح طرح سے اُسے دباتے اور ذلیل کرتے رہے۔

آخر اب سے کوئی چالیس سال پہلے چینی لوگوں نے اپنے ملک کے نوابوں اور جاگیرداروں کے خلاف بغاوت کی اور مشہور چینی لیڈر سن یات سین کی رہنمائی میں ایک جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی، کومن تانگ اس کا نام رکھا امیر، غریب، مزدور، کسان سب اس بغاوت میں شریک تھے۔

اِدھر رُوس میں بہت دنوں سے بادشاہت کے خلاف رُوسی مزدوروں اور کسانوں میں بے چینی بڑھ رہی تھی۔ انھوں نے وہاں کے بادشاہ اور امیروں کے خلاف ایک تحریک چلائی تھی، کمیونسٹ تحریک اب سے کوئی ۳۲ سال (۱۹۱۷ء) پہلے اس نے بغاوت

یا انقلاب کی صورت اختیار کرلی روسیوں نے بادشاہت کو ختم کردیا اور اپنی کمیونسٹ حکومت قائم کرلی۔

روسی کمیونسٹوں کا اثر چین پر بھی پڑا۔ وہاں بھی کمیونسٹوں کی جماعتیں انجمنیں اور سبھائیں بننے لگیں، بعد میں سب جماعتیں چین کی جمہوری حکومت کومن تانگ میں شامل ہوگئیں۔ کومن تانگ نے عام لوگوں کی مدد سے امیروں اور جاگیرداروں سے ملک کو پاک کردیا۔

اس زمانے میں کومن تانگ اور کمیونسٹ لیڈروں میں اختلاف بھی ہوجاتا، کبھی کبھی تو یہ اختلاف دشمنی کی حد تک پہنچ جاتا۔ ایسی صورتیں مشہور چینی لیڈر سن یات سین کے مرنے کے بعد زیادہ پیدا ہوئیں، مگر اب سے کوئی انیس سال پہلے (۱۹۳۲ء) جب جاپان نے چین پر حملہ کیا تو اپنے دیس کو بچانے کے لئے کومن تانگ اور کمیونسٹوں میں سمجھوتا ہوگیا، اور دونوں مل کر دشمن کا مقابلہ کرنے لگے۔ جاپان نے اب سے کوئی نو سال پہلے (۱۹۴۱ء) امریکہ اور برطانیہ کے خلاف بھی لڑائی چھیڑ دی۔ چین کے لئے یہ اچھا ہوا اُسے اب امریکہ اور برطانیہ سے مدد بھی ملنے لگی۔ آخر جاپان ہار گیا، اور چین کو اس بلا سے نجات ملی۔

مگر اس طرف سے اطمینان ہونے کے بعد کومن تانگ اور کمیونسٹوں میں پھر ان بن ہوگئی۔ چینی عوام کی حالت تو بہت دنوں سے خراب تھی پھر جاپانیوں کے حملے اور آئے دن کے قحط اور سیلاب نے یہ سمجھو کہ ان کی کمر توڑ دی۔ ادھر چین کے دولت مند اور سرمایہ دار ان غریبوں کو لوٹنے اور اندھا دھند نفع کمانے میں لگ گئے۔ اپنے دیس کی بھلائی یا غریبوں سے ہمدردی کا ان کے دل میں ذرا احساس نہ تھا۔

کمیونسٹ کہتے تھے حکومت اس ڈھرے سے چلائی جائے کہ بنئے اور سرمایہ دار غریبوں کو نہ لوٹیں اور ان بے چاروں کو پنپنے اور ابھرنے کا موقع ملے۔ غرض ان دونوں میں کوئی سمجھوتا نہ ہوسکا اور آپس ہی میں ٹھن گئی۔ امریکہ والوں نے کومن تانگ کی خوب مدد کی۔ مگر یہ مدد کچھ کام نہ آئی کمیونسٹ برابر جیتتے رہے۔ اب تو یہ حالت ہے کہ کمیونسٹ فوجیں کومن تانگ کے دار السلطنت نانکنگ کی طرف بڑھ رہی ہیں امریکہ نے اپنی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اور کومن تانگ یا جمہوری حکومت میں افراتفری پھیل گئی ہے۔ یہی حال رہا تو کوئی عجب نہیں جو کمیونسٹ پورے چین پر قبضہ کرلیں اس طرح کم سے کم چینیوں کو آپس کے جھگڑوں سے تو ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی اور کیا عجب جو ان کی حالت بھی پہلے سے ا

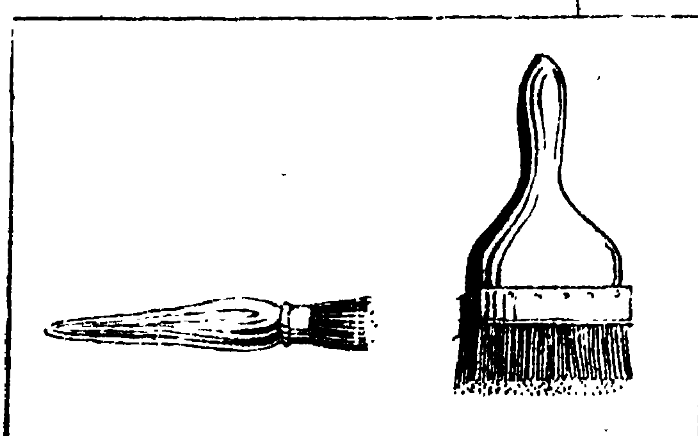
ابری کیسے بنائیں

محمد اکرام خاں استاد
(استادوں کا مدرسہ ۔ جامعہ نگر)

لیئی کی ابری :-

تم اپنی کتابوں کی جلدیں تو بندھواتے ہوگے ۔ بغیر اس کے کتابیں جلد خراب ہوجاتی ہیں ۔ جلدساز جلد کے دونوں طرف عموماً ابری ہی لگاتا ہے کیسی خوب صورت ہوتی ہے رنگ برنگی یہ ابری جلدساز بازار سے خریدتا ہے ۔ پر یہ ابری تم خود بھی بنا سکتے ہو اچھی سے اچھی خوب صورت سے خوب صورت

ابری بنانے کے مختلف طریقے ہیں آیئے پہلے آپ کو لیئی کی ابری بنانے کا طریقہ بتائیں یہی طریقہ سب سے پُرانا ہے ۔ پہلے پہل جلدسازوں نے کتابوں کے لئے یہی ابری بنائی ہوگی ۔ اس کا بنانا بہت سہل ہے ۔ طریقہ بھی بہت سادہ ۔ مگر ابریاں اس سے رنگ برنگ کی بن سکتی ہیں طریقہ وہی ایک مگر اپنی اپنی پسند اور اپنی اپنی نظر کے مطابق سینکڑوں ہزاروں وضع کی ابریاں بن سکتی ہیں ۔ اس سے بنانے والے کے مذاق اور اُس کی نگاہ کی ستھرائی کا پتہ چلتا ہے اور ہوتے ہوتے



مذاق کی تربیت بھی ہوجاتی ہے ۔

اس لیئی کی ابری کے لئے تھوڑا سا سامان درکار ہوتا ہے ۔ ایک تو لیئی کو کاغذ پہ لگانے کے لئے ایک چوڑا برش ۔ یہ کام اسفنج کے ایک ٹکڑے سے بھی لیا جاسکتا ہے ۔ نئے برش نہ خرید سکو تو کسی پُرانے کپڑے یا جوتوں کے برش سے بھی کام نکل سکتا ہے ۔

رنگ کے لئے ایک گول برش بھی ہونا چاہیئے
برش کے علاوہ ان چیزوں کی ضرورت ہے:-
(۱) پرانے اخبار (۲) کلپیں یا بورڈ پن (۳) ایسا کاغذ جو تری کو زیادہ جذب نہ کرے (یہ تقطیع اور سائز کا جمع رکھنا چاہیئے۔) پانی میں گھلنے والے رنگ، اکوا ریل گٹی (۴) لیئی (چاول، یا آلو کے نشاستے کی یا گیہوں کے میدے کی)۔

اب ہم سلسلے سے بتاتے ہیں کہ کام کے مختلف حصے کس کس طرح انجام پاتے ہیں۔

لیئی کی تیاری :-

پہلی بات تو یہ یاد رکھو کہ اچھی ابری بنانے والا اپنی لیئی آپ تیار کرتا ہے۔ دوسرے کی بنائی ہوئی لیئی سے کام نہیں چلتا، اور کوئی بات بھی ہو، یہ تو بہت ہی آسانی سے بن جاتی ہے۔ ایک لیٹر (کوئی ڈیڑھ پاؤ) پانی لو اور اُسے خوب جوش دے لو کہ کھد کھد کرنے لگے اتنے تمہارا پانی کھولے اتنے کسی برتن میں نشاستہ یا میدہ گھول کر خوب گاڑھی گاڑھی لگدی بناؤ دو کھانے کے چمچے بھر میدہ یا نشاستہ لوگے تو بہت پتلی لیئی بنے گی۔ چار لوگے تو درمیانی، چھ چمچے لوگے تو گاڑھی لیئی بن جائے گی یعنی ایک لیٹر (ڈیڑھ پاؤ) پانی کے لئے دو یا چار یا چھ چمچے۔ تینوں طرح کی لیئی کی ضرورت پڑتی ہے کبھی ایسی کبھی ویسی۔ کسی طریقے میں پتلی لیئی سے کام لیتے ہیں کسی میں درمیانی کسی میں گاڑھی لیئی سے ہاں تو یہ نشاستہ لے کر اُسے ٹھنڈے پانی میں خوب گھولو اتنا کہ گتھیاں نہ رہیں جب پانی پکنے لگے تو یہ گاڑھی گاڑھی نشاستے کی لگدی اس میں ڈال دو اور لکڑی کی ڈوئی سے خوب چلاؤ کہ گتھیاں نہ بن پائیں۔ تھوڑی سی دیر میں لیئی تیار ہو جائے گی۔ تیاری کا پتہ تمہیں اس سے چل جائے گا کہ اس کا رنگ چمکیلا، شیشے کا سا ہو جائے گا بس اُسے نکال کر اس برتن میں ڈال دو جس میں اسے استعمال کرنے کے لئے رکھنا چاہتے ہو۔ یہ بہت دنوں تک اچھی نہیں رہ سکتی سڑ جائے گی۔ اسے زیادہ دن رکھنا چاہتے ہو تو جس پانی میں لیئی بنائی ہے۔ اس میں ایک (چائے کا) چمچہ بھر پھٹکری ڈال دو۔ تمہاری لیئی پندرہ بیس دن تک نہیں بگڑے گی۔ پر اچھی ابری بنانے والے تو اکثر تازہ لیئی ہی بناتے ہیں۔ تازہ پتلی لیئی سے ابری پر بڑے اچھے اچھے نرم نمونے بنتے ہیں۔

رنگ بھرو





محترمہ سروجنی نائیڈو گورنر یوپی۔ آپ شروع مارچ میں
اس دنیا سے تشریف لے گئیں




Jamil



صبح کا منظر

یہ تصویر مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر کے ایک بچے نے بنائی ہے

پیام تعلیم

جامعہ نگر دہلی

ایڈیٹر

محمد حسین حسان

قیمت سالانہ للعہ ر - فی پرچہ ۵ ر

جلد ۲۲ | فہرست مضامین - مئی سنہ ۱۹۴۹ء | نمبر ۲

پرنٹر پبلشر :- محمد حسین حسان

مطبوعہ :- جید پریس دہلی

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

پیام تعلیم کا پہلا پرچہ نکل گیا۔ بڑوں نے بچوں نے بڑے شوق سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سب نے اس کے مضمونوں کی لکھائی چھپائی کی، تصویروں کی بڑی تعریفیں کیں۔ اس پرچے میں اور فسادات سے پہلے کے پرچے میں زمین و آسمان کا فرق بتایا۔

ہمارے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اپنے پیامیوں کو ہم بتانا چاہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ اُن کے پرچے کو اور زیادہ اچھا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خود اس پرچے کو دیکھ کر انہیں تھوڑا بہت اندازہ ہو جائے گا۔

ہمیں ایک بات کا افسوس بھی ہے۔ پیام تعلیم ابھی تک اپنے تمام پچھلے پیامیوں تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ ملک کی تقسیم کی وجہ سے یہ کچھ اس طرح تتر بتر ہو گئے ہیں کہ پتہ لگانا دشوار رہے۔ پیامی اس معاملے میں ہماری مدد کریں۔

پیامیوں سے ہماری ایک اور درخواست ہے۔ اپنے رسالے کو زیادہ سے زیادہ شاندار دیکھنا چاہتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ خریدار بنائیں اور جو عزیز خریداری پر آمادہ ہوں اُن سے رسالے کی قیمت منی آرڈر سے بھجوا دیں۔

ٹکٹوں کے شوقین پیامیوں کے لئے اس مہینے سے یہ سلسلہ پھر شروع کر دیا گیا ہے۔ حافظ نبی احمد صاحب ہمارے پرانے مضمون نگار ہیں۔ پیامیوں کو ٹکٹوں کے بارے میں کوئی بات پوچھنی ہو تو حافظ صاحب بڑی خوشی سے جواب دیں گے۔

ایک اور نیا سلسلہ "مٹی کا کام" ہے۔ بچوں کے لئے اُردو میں یہ سچ مچ نئی چیز ہے۔ ماسٹر عبدالحی صاحب اس کام میں ماہر ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم اُن کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرو اور انہیں اطلاع بھی دیتے رہو۔

آخر میں چند تصویریں ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ ہمیں کیا کھانا چاہئے۔ تم اِن میں رنگ بھی بھر سکتے ہو۔ چاہے پنسل استعمال کرو یا اپنی پسند کے رنگ۔

جیب میں کیا نکلا؟

پروفیسر محمد مجیب بی اے (آکسن)

اَمّو سے کہا گیا :۔ جیب خالی کرو۔ اس میں جو کچھ ہے نکال کر میز پر رکھ دو۔ اَمّو نے سارا مال نکال کر میز پر سجا دیا۔ اس میں کیا کیا تھا؟

ایک گٹکا
ایک شیشے کا ٹکڑا
چھ گولیاں
سات ٹکٹ
تھوڑی سی سُتلی
ایک بڑا سا چاقو
بس رومال نہیں تھا

(یہ کہانی ایک جرمن کتاب "ایس ایرفلی فرونڈ" سے لی گئی ہے)

جیسے ساتھی ویسے تم

پروفیسر محمد مجیب بی اے (آکسن)

فرید ایک مرتبہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ گھومنے کے لئے گیا۔ چلتے چلتے وہ ایک باغ کے پاس پہنچے۔ ایک بڑے آم کے درخت کی شاخیں باغ کی چہار دیواری کے باہر پھیلی ہوئی تھیں۔ آموں کی فصل تھی اور شاخیں پکے پھلوں سے لدی تھیں۔ لڑکوں نے آم گرانے کے لیے ڈھیلے مارنے شروع کئے۔ باغ کے مالک نے انھیں دیکھ لیا اور چپکے سے دروازہ کھول کر آپہنچا۔

اور لڑکے سب بھاگ گئے۔ فرید سب سے چھوٹا تھا۔ یہی پکڑا گیا۔ باغ والا اُسے پکڑ کر اندر لے گیا۔ فرید بھتیرا چلّایا: "ارے میں نے کچھ نہیں کیا۔ دوسرے لڑکے ڈھیلے پھینک رہے تھے"۔ باغ والے نے ایک نہ سُنی اور اس کی خوب مرمّت کی۔ وہ روتا ہوا گھر آیا اور باپ سے شکایت کی۔ مگر باپ نے کہا:- "باغ والے نے بالکل ٹھیک کیا۔ جیسے تمھارے ساتھی تھے ویسے ہی تم بھی سمجھے گئے۔ جو شریر لڑکوں کی صحبت میں رہتا ہے۔ اُسے بھی سب شریر سمجھتے ہیں"۔

(یہ کہانی ایک جرمن کتاب "ایس ایرفلی فرونڈ" سے لی گئی ہے)

پیامِ تعلیم کا نیا دور

(مولانا محمد شفیع الدین نیّر)

پیامِ تعلیم لے کے تعلیم کا پیام آرہا ہے پھر سے
اسی لئے ابرِ شادمانی ہر اک طرف چھا رہا ہے پھر سے

جو آج بچے ہیں کل بنیں گے، وہ دیس کی ناؤ کے کھویا
ہو ان کی تعلیم سب سے اچھی، یہ بات سمجھا رہا ہے پھر سے

محبت اور دوستی میں سب کا بھلا ہے "اس میں" نہیں ذرا شک
محبت اور دوستی کا نغمہ یہ روز و شب گا رہا ہے پھر سے

وطن کی منظور ہو بھلائی تو پاک ہو زندگی ہماری
ہو صدق¹ اور عدل² اپنا شیوہ یہ بات بتلا رہا ہے پھر سے

کہانیاں خوب، پیاری نظمیں، لطیفے دلچسپ داستانیں
سنا کے بچوں کے بچیوں کے دلوں کو بہلا رہا ہے پھر سے

ہے ملک آزاد، ہم ہیں آزاد - اب غلامی کے طور چھوڑیں
نظر ہو اونچی، ہو دل میں وسعت³ سبق یہ سکھلا رہا ہے پھر سے

وطن کو جو سر بلند کر دیں، وطن کی خدمت پہ دل ہو مائل
سنا کے نیّر کے راگ ایسے، دلوں کو گرما رہا ہے پھر سے

¹ سچائی ² انصاف ³ یعنی دل کھلا ہوا ہو۔

ستاروں کے جھمکے

مسلسل

ڈاکٹر سلامت اللہ ایم اے
لکچرر استادوں کا مدرسہ

قطب تارے اور کاسیو پیا کی سیدھ میں دیکھو چار تاروں کا ایک کھٹولا سا نظر آتا ہے۔ یہ پیگاسیس کا جھمکا ہے۔

پیگاسیس کے چوکور کو گیند کھیلنے کا بلا سمجھو۔ اب اس کا دستہ تلاش کرو۔ یہ دستہ اینڈرومیڈا کا جھمکا ہے۔

دستے کے سرے پر تین تارے ہیں یہ پرسیس کا جھمکا ہے۔

(۳)

سردیوں میں ستاروں کا ایک اور جھمکا آسانی سے دیکھ سکتے ہو۔ یہ جبار کا جھمکا ہے انگریزی میں اسے اورین کہتے ہیں۔

اگلے وقتوں کے لوگ جبار کو ایک ہوشیار شکاری سمجھتے تھے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ یونانیوں کی ایک دیوی تھی ڈیانا۔ اس کی چھ سہیلیاں تھیں جب رات کو ڈیانا سو جاتی تھی تو یہ سہیلیاں چاندنی کے اُجالے میں پہاڑوں پر ناچا گایا کرتی تھیں۔

جبار ہمیشہ پہاڑوں اور جنگلوں میں شکار کرتا پھرتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اس کی ان چھ سہیلیوں سے ملاقات ہو گئی۔

جبار کے ہاتھ میں ڈھال تلوار اور تیر کمان تھی۔ اسے دیکھ کر سہیلیاں ڈر گئیں۔ اور بھاگنے لگیں۔ جبار نے سوچا "یہ کیوں بھاگ رہی ہیں" اس نے ان کا پیچھا کیا۔

پکڑے جانے کے ڈر سے سہیلیاں اور تیزی سے بھاگیں، اور آخرکار کبوتر بن کر اُڑنے لگیں، اور آسمان پر پہنچ گئیں۔ وہاں اب بھی وہ چھ تاروں کی شکل میں موجود ہیں۔

جبار بھی ان کے پیچھے بھاگتا گیا اور آخر تاروں کا ایک جھمکا بن گیا۔

اس کا وفادار کتا بھی اس کے ساتھ گیا جو آسمان پر شعریٰ یا کتا تارا کی شکل میں چمک رہا ہے۔

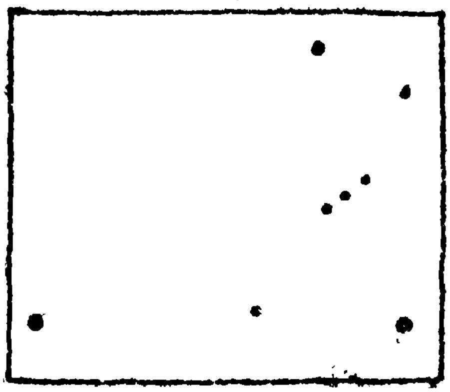
آسمان پر اس گچھے کو پہچاننا بہت آسان ہے۔ جو سب سے زیادہ چمکیلا ستارہ نظر آتا ہے وہی شعریٰ ہے۔ اسی کے قریب جبّار کا جھمکا ہے۔ چار تاروں کا ایک کھٹولا سا دکھائی دیتا ہے۔ اوپر کے دو تارے شکاری کے کندھے ہیں۔ اور نیچے کے دو تارے اس کے پیر ہیں۔ اس کھٹولے کے بیچ میں جو تین تارے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ شکاری کا کمربند ہیں۔

کمربند کے تین تاروں کی سیدھ میں نیچے کی طرف دیکھو تو بہت زیادہ چمکتا ہوا کتا تارا یعنی شعریٰ نظر آتا ہے۔

(۴۴)

اسی طرح تاروں کے اور بھی سینکڑوں جھمکے ہیں۔ انھیں تم اپنے استاد کی مدد سے معلوم کرنے کی کوشش کرو۔

اگر تم ہر روز تاروں کو دیکھتے ہو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ آسمان میں کوئی بھی تارا یا تاروں کا جھمکا ہمیشہ ایک ہی جگہ دکھائی نہیں دیتا۔ یوں تارے سورج کی طرح اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔ لیکن وہ ہمیں



چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

کیوں؟

ہماری زمین ہر وقت گھومتی رہتی ہے۔ اس لئے تارے ہمیں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ صرف قطب تارا ہی ایک ایسا ستارہ ہے جو ہمیں ہمیشہ ایک ہی جگہ دکھائی دیتا ہے۔

تارے کیا ہی عجیب و غریب چیز ہیں۔ ہمیں چراغ جیسے چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں لیکن اصل میں وہ بہت بڑے ہیں۔ بعض تو سورج سے بھی لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ پھر یہ ہمیں اتنے چھوٹے کیوں دکھائی دیتے ہیں؟

تارے ہم سے بہت دور ہیں۔ سورج سے بھی کروڑوں میل دور۔ اتنی دور کہ ہم ٹھیک اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ اس لئے وہ ہمیں اتنے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں۔

چمپاوت کا آدم خور شیر

محمد معین مدرسہ ثانوی، جامعہ نگر، دہلی

(پیام تعلیم اپریل صـ۱۹ سے سلسلہ ملاؤ)

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب شیر نے اس علاقے کو چھوڑ دیا ہے۔ میں نے پالی سے چمپاوت چلنے کا ارادہ کیا۔ یہ پالی کے مشرق میں پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ہم صبح تڑکے روانہ ہو گئے۔ دھونا گھاٹ کو پار کیا، اور چلتے چلتے کہیں شام کو چمپاوت پہنچے۔ اس علاقے کی سڑکیں بہت غیر محفوظ سمجھی جاتی تھیں اور لوگ صرف بڑی بڑی ٹولیاں بنا کر بازاروں کو جایا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ بھی لوگ شریک ہوتے گئے۔ اور ہم تیس آدمی چمپاوت پہنچے۔ ان میں سے بیس آدمیوں کی ایک ٹولی نے جو ایسے دو مہینے پہلے اِدھر سے گذر چکی تھی۔ یہ افسوس ناک واقعہ سنایا:-

"وہ مہینے پہلے ہم بیس آدمی چمپاوت کے بازار جا رہے تھے۔ کوئی دوپہر کا وقت ہوگا ہم لوگوں کو نیچے وادی میں کسی کے چیخنے کی آواز سُنائی دی۔ ہم سب سہم کر ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ فوراً ہی ایک شیر ہمارے سامنے ایک ننگی عورت کو اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے نکلا۔ بے چاری کے بال زمین پر لٹک رہے تھے۔ شیر اُسے گردن کے پیچھے سے پکڑے ہوئے تھا۔ وہ بُری طرح چیخ رہی تھی اور مدد کے لئے خُدا سے التجائیں کر رہی تھی۔ شیر ہم سے کل پچاس گز کے فاصلے پر بالکل نظر کے سامنے سے گذرا۔ جب فاصلے کی وجہ سے چیخوں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں تو ہم اپنے راستے پر روانہ ہو گئے۔"

میں نے ان لوگوں سے پوچھا:- "اور تم بیس آدمیوں سے کچھ بھی نہ بن پڑا؟"

انھوں نے جواب دیا:- "نہیں صاحب ہم سب سہمے ہوئے تھے۔ کچھ کرتے بھی

تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا! وہ عورت تو بچ ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے سارے جسم پر زخم تھے۔ وہ یقیناً اپنے ان زخموں کی وجہ سے ختم ہو جاتی۔

مجھے اس وقت معلوم ہوا کہ یہ عورت پاس ہی کے ایک گاؤں کی تھی جو چمپاوت سے لگا ہوا تھا۔

چمپاوت کے تحصیل دار نے اسی رات مجھ سے ملاقات کی۔ میں نے طے کیا کہ دوسرے دن میں ایک دوسرے بنگلے میں اٹھ جاؤں گا جس کے آس پاس کے علاقے میں شیر نے کئی آدمی مار دئے تھے۔

صبح سویرے میں تحصیل دار کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب میں ناشتہ کر رہا تھا۔ میرے پاس دو آدمی پہنچے، یہ خبر لے کر کہ دس میل دور ایک گاؤں میں ایک گائے ماری گئی ہے۔ تحصیل دار صاحب نے معذرت کی کہ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے اس لئے میں اکیلا ہی روانہ ہوا۔ میرے دو ساتھی اچھے چلنے والے تھے۔ اس لئے ہم تھوڑی ہی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔

وہاں پہنچے تو خبر غلط نکلی۔ گائے کو شیر نے نہیں ایک چیتے نے مارا تھا۔ میں نے خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور ان دو آدمیوں کو کچھ رقم دے کر واپس آ گیا۔ تحصیل دار صاحب ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ میں وہیں پاس کے ایک چشمے پر گیا۔ اس کے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا کہ شیر کئی دن سے وہاں پانی پینے آتا ہے۔ میں نے وہاں شیر کے پاؤں کے نشان غور سے دیکھے اور انھیں اچھی طرح جانچا۔ مجھے یہ اندازہ ہوا کہ یہ نشان اسی شیر کے پاؤں کے نہیں ہیں۔ جسے میں نے پہلے دیکھا تھا۔

دوسرے دن صبح میں پھر اس علاقے میں گھوما اور چشمے میں نہایا۔ واپس آ کر برآمدے میں کھڑا تحصیل دار سے باتیں کر رہا تھا کہ دور پہاڑی پر ایک آدمی نظر آیا یہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ کبھی دوڑ پڑتا اور کبھی تیز قدم چلنے لگتا۔ تحصیل دار صاحب سے یہ کہہ کر کہ میں ابھی واپس آیا فوراً اسی رخ کو چل پڑا۔ جب میں اس کے اتنے قریب پہنچ گیا کہ اس کی آواز سن سکوں تو وہ چلایا: "صاحب جلدی آؤ شیر نے ابھی ابھی ایک لڑکی کو مارا ہے"

میں نے جواب دیا: "وہیں ٹھہرو" پھر میں جلدی جلدی بنگلے کی طرف لوٹا۔ تحصیل دار صاحب کو واقعہ بتایا اور رائفل اور چند

کارتوس لے کر اس آدمی کی طرف چل کھڑا ہوا۔
یہ اطلاع دینے والا آدمی اُن چند لوگوں میں سے تھا جن کی زبان اور پاؤں ساتھ ساتھ نہ چلتے تھے۔ باتیں کرتا تو کھڑا ہو جاتا چلنے لگتا تو چپ ہو جاتا۔ اس لیے میں نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا حسبِ معمول گاؤں والے بہت ڈرے ہوئے اور پریشان تھے۔ سب نے ایک ساتھ بولنا شروع کیا۔ ایک آدمی نے اس عمل کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اُسے الگ لے جا کر پوچھا۔ اُس نے شاہ بلوط کے چند درختوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "کوئی بارہ آدمی یہاں لکڑیاں چُن رہے تھے۔ اچانک شیر نمودار ہوا اور سترہ اٹھارہ برس کی ایک لڑکی کو پکڑ کر لے گیا۔ باقی لوگ گاؤں کی طرف بھاگ آئے ایک آدمی کو میرے پاس دوڑایا گیا۔"

اس آدمی نے اُس درخت کی طرف اشارہ کیا جس کے نیچے شیر نے لڑکی کو پکڑا تھا۔ میں اس طرف گیا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ اتنی کھلی جگہ پر ایک شیر بارہ آدمیوں کی نظروں سے بچ کر کیسے آ سکتا ہے۔ جس جگہ لڑکی ماری گئی تھی وہاں خون کا ایک بڑا سا دھبّا تھا۔ اور وہاں سے خون کے نشان پہاڑی کے "کندھے" کی طرف جاتے تھے۔

شیر کے پیروں کے نشان بہت صاف نظر آتے تھے۔ جگہ جگہ خون کے دھبّے تھے جو لٹکے ہوئے سر اور گردن سے گرا تھا۔ دوسری طرف لڑکی کے پیروں کے نشان تھے۔ پہاڑی پر آدھ میل چڑھنے کے بعد لڑکی کی ساری ملی اور چوٹی کے پاس اس کی قمیص ملی۔ اس کے بعد نشان کانٹوں کی گھنی جھاڑیوں میں جاتے تھے۔ یہاں میں نے اس کے کالے بال جھاڑیوں میں اُلجھے دیکھے۔ اس کے آگے شیر ایک دوسرے قسم کی کانٹے دار جھاڑی میں سے گیا تھا۔ میں اس جگہ کا معائنہ کر رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سُنی۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک آدمی رائفل لئے ہوئے آ رہا تھا۔ تحصیل دار صاحب نے اُسے میرے ساتھ رہنے کی تاکید کی تھی۔ میں نے اُس سے جوتے اُتروا کر جھاڑی میں رکھوا دیئے اور اپنے پیچھے رہنے اور پیچھے کی طرف دیکھتے رہنے کی ہدایت کی۔ کوئی اور راستہ نہ ملا تو مجبوراً انھی کانٹوں والے راستے پر چل پڑا۔ اگرچہ اس سے مجھے تکلیف ہوئی

گیند کھو گئی

بچوں کے لیے ننھا منا ایک ایکٹ کا کھیل

منوہر: آہا جی ہمارے پاس گیند۔ بالکل نئی نئی۔ یہ دیکھو، آج ہی تو لائے ہیں ابا، کیسی اچھی ہے، آؤ کھیلیں۔

جمیل: (شوق سے دیکھتا ہے) بھئی سچ مچ یہ تو بڑی اچھی ہے۔ آؤ یہیں کھیلیں۔

منوہر: یہیں! سڑک کی پٹری پر!! یہاں اتنی جگہ کہاں ہے۔

جمیل: نہیں جی سنبھال سنبھال کے کھیلیں گے

منوہر: تو آؤ فٹ بال کھیلیں۔

جمیل (دونوں پر ہاتھ رکھتا ہے):۔ نا بھائی نا، میرے جوتے نئے ہیں۔ ان کی نوک خراب ہو جائے گی۔ ابا دیکھیں گے تو چلائیں گے۔ امی الگ خفا ہوں گی۔

منوہر: اچھا تو آؤ ایک دوسرے کی گیند کیچیں۔

جمیل: ہاں، بس یہ ٹھیک ہے۔ (گیند پھینکتا ہے۔)

منوہر: اچھا دیکھیں کتنی دیر تک ہم گیند کو زمین پر گرائے بغیر کھیلتے رہتے ہیں۔

جمیل: تو گنتے رہیں اور کوشش کریں کہ بیس تک پہنچ جائیں۔

منوہر: پر بھیا میں تو گن نہیں سکتا۔

جمیل: دس کے بعد تو بندہ بھی گول ہے۔

منوہر (پاس کھڑے ہوئے چند لڑکوں کی طرف اشارہ کرکے) شاید یہ جانتے ہوں!

جمیل: تو پوچھ ہی کیوں نہ لیں —— کیوں بھئی لڑکو تمھیں بیس تک گنتی آتی ہے؟ آتی ہے بس ٹھیک ہے۔ لے منوہر آ تم تیار ہو جاؤ (دونوں ایک دوسرے کی طرف گیند پھینکتے ہیں۔ کوئی تیرھویں بار زمیں پر گر پڑتی ہے اور اچھل کے پاس والے باغ میں چلی جاتی ہے)

منوہر: دیکھو تم گیند نہ کیچ پائے۔ تم ہی اسے ڈھونڈو۔

جمیل: ہاں ہاں، ابھی تو میرے خیال میں وہ اس باڑھ میں چلی گئی ہے۔ ابھی ڈھونڈھ کے لاتا ہوں (مہندی کی باڑھ میں گھس جاتا ہے۔)

منوہر (لڑکوں سے) :- دیکھو کیسی آسان گیند تھی جمیل میاں پھر بھی رہ گئے ۔ تم ہوتے تو ضرور کیچ لیتے ، کیوں ٹھیک ہے نا ؟

جمیل (اسٹیج سے باہر) :- بھئی گیند تو پنڈت رام کشن جی کے باغ میں چلی گئی ہے ۔ ابھی جا کے لاتا ہوں ۔

منوہر :- ارے ارے ! پھر تو بہت احتیاط کی ضرورت ہے ۔ میں کچھ مدد کروں ؟

جمیل :- نہیں نہیں شکریہ ۔ بس ابھی ابھی ڈھونڈھ کے لایا ۔ ہو نہ ہو لڑھک کر بیلے کے جھنڈ میں چلی گئی ہوگی

منوہر (لڑکوں سے) :- کہیں پنڈت جی نہ دیکھ پائیں ۔ نہیں تو بہت شور مچائیں گے ۔ انہیں اپنے باغ کا بہت خیال رہتا ہے ۔ چھٹی کا سارا وقت پھولوں کی دیکھ بھال میں لگاتے ہیں ۔ اور ہاں روزانہ چڑیوں کو دانہ بھی ڈالتے ہیں ۔

جمیل (اسٹیج سے باہر) :- منوہر منوہر بھاگو بھاگو جلدی سے بھاگو ، پنڈت جی میرا پیچھا کر رہے ہیں ۔

پنڈت جی :- شریر ! نالائق ! میرے پھولوں کو روند ڈالا ۔

جمیل (اسٹیج کی طرف بھاگ رہا ہے) : ارے جلدی سے بھاگو نہیں تو وہ پکڑ لیں گے ۔

(ٹھوکر کھاتا ہے اور زمین پر گر پڑتا ہے اتنے میں پنڈت جی پہنچ جاتے ہیں اور سہارا دے کر اُٹھاتے ہیں ۔)

پنڈت جی :- بچے کہیں چوٹ تو نہیں لگی ۔

جمیل (گھبرایا ہوا) :- جی نہیں ، جی نہیں ، ج ، ج جناب گھٹنے میں ذرا سی کھرونچ آگئی ہے ٹھیک ہو جائے گی ۔

پنڈت جی :- اچھا ، تو آپ میرے باغ میں کیا کر رہے تھے ؟

جمیل :- ج ، ج جناب ہماری گیند باغ میں آگئی تھی ۔

پنڈت جی :- گیند ! کہیں سڑک پر تو نہیں کھیل رہے تھے تم ؟

جمیل (سر نیچا کر کے) :- جناب ہم بہت احتیاط سے کھیل رہے تھے ۔

پنڈت جی :- کھیلنے میں اور پھر سڑک پر کھیلتے وقت احتیاط کیسے ممکن ہے ؟ فرض کرو تمہاری گیند سڑک پر آتی جاتی سواریوں کے بیچ میں جا پڑے اور تم اُسے لینے دوڑو !

جمیل :- اس بات کا دھیان نہیں آیا تھا جناب !

پنڈت جی :- تم اپنا کھیل کہیں زیادہ دلچسپی سے کھیل سکتے ہو ، اگر ٹھیک جگہ پر کھیلو ۔

جمیل:۔ ٹھیک جگہ کون سی ہو سکتی ہے
جناب!

پنڈت جی:۔ میرے خیال میں یہ بچے
تمھیں بتا سکتے ہیں۔ کیوں بچو! ــــــــ
ہاں ٹھیک ہے پارک یا میدان۔

منوہر:۔ اگر ہم پارک میں کھیلتے ہوتے تو
میری نئی نئی گیند یوں نہ کھوتی۔

جمیل:۔ کھیل میں بھی بہت مزا آتا، جگہ بھی
خوب کھلی کھلی ہوتی۔

پنڈت جی:۔ اور میاں جمیل کے گھٹنے میں
چوٹ بھی نہ لگتی۔ اگر وہ اس طرح پارک
میں گر پڑتے۔ اس پٹری کے مقابلے
میں وہاں کی گھاس کہیں زیادہ نرم
ہے۔

جمیل:۔ آیندہ ہم پارک ہی میں کھیلا
کریں گے

پنڈت جی:۔ شاباش! یہ بات ہے تو میں
تمھاری گیند تلاش کرنے کی کوشش
کرتا ہوں، آؤ میرے ساتھ آؤ۔

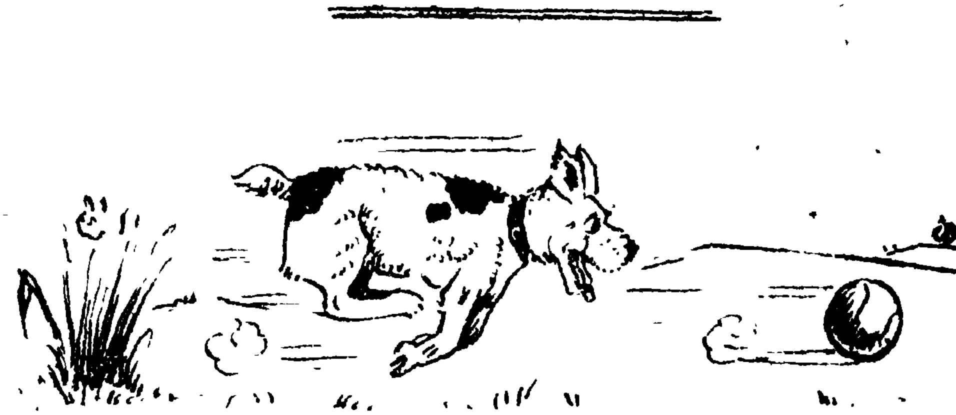
جمیل:۔ بہت بہت شکریہ۔ مجھے بڑا افسوس
ہے کہ میں نے آپ کے پھول روند
ڈالے۔ مگر اس باڑھ کے ٹھیک کرنے
میں میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔

پنڈت جی:۔ اچھی بات ہے مگر جانے سے
پہلے ان بچوں سے رخصت ہو لیں۔

منوہر:۔ جی اور کیا۔ اور میں بھی ان کا بہت
بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انھوں
نے ہمیں پارک والی بات بتائی ہے۔ اب
میں ہمیشہ وہیں کھیلوں گا (بچوں سے)
شاید ایک دن وہیں ہماری آپ کی
ملاقات ہو گی۔

جمیل (بچوں کی طرف منہ کر کے) بھائیو سلام
ہم سب غالباً بہت جلد ملیں گے۔

پنڈت جی۔ بچو! سلام!!



ہڈیوں کا گھر

محمد غوث انصاری، فرنگی محل

چار بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے مگر بی جمیلہ اور میاں کمال ابھی سے بھائی جان کا انتظار کر رہے تھے۔ بھائی جان نے آج انسانی ہڈیوں کے بارے میں نئی نئی اور دلچسپ باتیں بتانے کا وعدہ جو کیا تھا۔ بھائی جان نے یہ معمول سا کر لیا تھا کہ روز کے روز کوئی نہ کوئی نئی بات ضرور بتاتے۔ اُن کی ان باتوں سے کچھ دلچسپی مجھے بھی تھی۔ مگر ایسی بھی کیا بے صبری کہ ادھر چار بجے اور بھائی جان کا انتظار ہونے لگا کھیل کود سب بند۔ بس آہٹ پہ کان لگائے بیٹھے ہیں۔

خدا خدا کرکے کوئی ساڑھے چار بجے بھائی جان آئے۔ کتابیں میز پر رکھیں۔ منہ ہاتھ دھوئے چاء پی اور آرام کرسی پر لیٹ گئے۔ ہم تینوں اُن کے پاس نیچے فرش پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے کوئی بہت دلچسپ کہانی شروع ہونے والی ہے۔

اور ہاں بھائی جان کے ہاتھ میں ایک کھوپڑی بھی تو تھی جیسے کسی انسان کی ہو بھائی ہم تو سچ مچ اسے دیکھ کر ڈر گئے۔ مگر صاحب اپنی اپنی جگہ ہر ایک بہادر بنا رہا، نہیں تو بزدلی کا الزام لگا کر سب کو کمرے سے نکال نہ دیا جاتا۔

بھائی جان ہم لوگوں کی بے چینی دیکھ کر مسکرائے اور کہنے لگے:

"ہاں بھئی تو میں آج تمھیں کیا بتلانے والا تھا۔"

جمیلہ نے بے صبری سے جواب دیا۔

"ہڈیوں کے بارے میں بھائی جان"

بھائی جان:- ٹھیک بہت ٹھیک! اچھا تو سب سے پہلے ایک بات سنو انسان کا ڈھانچہ ہڈیوں کا بنا ہوا ایک گھر سا ہے۔ انسان کے جتنے بھی اعضا ہیں سب کے سب اسی گھر میں رہتے ہیں۔ جسم میں ہڈیاں نہ ہوتیں، گوشت ہی گوشت ہوتا تو انسان بھی بس ایک لوتھڑا سا ہوتا نہ چل پھر سکتا، نہ ہل ڈل سکتا نہ کوئی کام کر سکتا۔ بس ایک ہی جگہ پڑا رہتا۔ ہم جو بیٹھے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں یہ سب ہڈیوں کی کرامات سمجھو، یہ ہڈیاں بھی دو

قسم کی ہیں

جمیلہ: (تعجب سے) دو قسم کی!

بھائی جان: یوں تو ساری کی ساری ہڈیاں ایک ہی قسم کی ہیں پر ان کے کام جدا جدا ہیں۔ ایک تو ہلنے جلنے حرکت کرنے والی ہڈیاں۔ دوسرے ساکت و جامد ہڈیاں۔ ہلنے جلنے والی ہڈیاں وہ ہیں جن سے ہم کام کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ پاؤں اور انگلیاں۔ ہلنے جلنے والی ہڈیاں بھی دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ جو ہر طرف گھوم سکیں۔ جیسے ہاتھ۔ کلائی، گردن، کندھے اور دوسری جو ایک ہی طرف گھوم سکیں جیسے گھٹنے۔

کمال: اور ساکت ہڈیاں؟

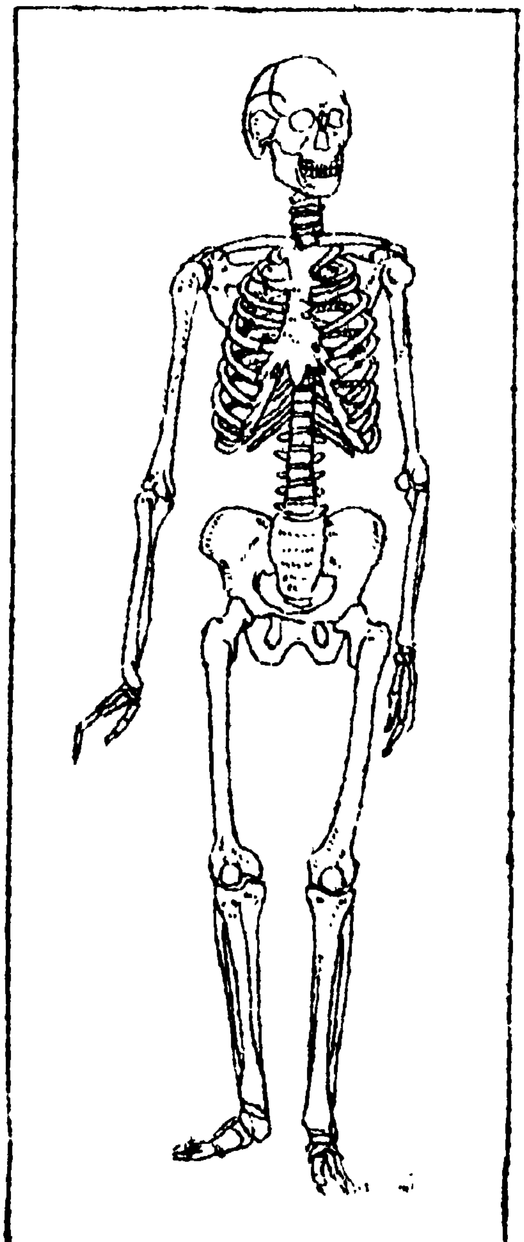
بھائی جان: جیسے سر کی ہڈیاں اور پسلیاں ہاں تو حرکت کرنے والی ہڈیاں ایک طرح کے ڈورے سے بندھی رہتی ہیں ان ڈوروں کو (LIGAMENTS) کہتے ہیں۔ ان ہلنے جلنے والی ہڈیوں کو ایک قسم کے تیل کی ضرورت پڑتی ہے۔

جمیلہ: تیل کی!!

بھائی جان: ہاں ہاں تیل کی۔ یوں سمجھو امی کے پاس جو سینے کی مشین ہے نا!

جمیلہ: جی۔

بھائی جان: جب کبھی وہ بھاری چلنے لگتی ہے تو اس میں تیل ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ پرزے چکنے ہو جائیں اور پھر خوب پھرتی سے اپنا کام شروع کر دیں۔



جمیلہ: جی ہاں۔

بھائی جان: تو اسی طرح ہڈیوں کو چلتا رکھنے کے لئے بھی تیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

جمیلہ: مگر بھائی جان مشین کی طرح ہمارے جسم میں سوراخ کہاں ہیں۔

کمال: (ہنسی روک کر) ہیں کیوں نہیں۔ منہ، ناک کے نتھنے، کان، اِن سوراخوں میں آسانی سے تیل ڈال سکتے ہیں۔ ابھی سے تیل ڈالنا شروع کردو نہیں تو ایک نہ ایک دن بیٹھے بیٹھے سب ہڈیاں کام کرنا چھوڑ دیں گی، اور تم ایک جگہ جم کر رہ جاوگی۔

جمیلہ: بھائی جان، کیا کمال بھیا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

بھائی جان: (ہنستے ہوئے) نہیں جی مشین اور انسان میں بہت فرق ہے۔ ہڈیوں کے لئے تیل خود بخود اندر ہی اندر نکلتا رہتا ہے یہ تیل ہڈیوں کے ہر ہر جوڑ سے نکلتا ہے۔

جمیلہ: پر یہ آتا کہاں سے ہے؟

بھائی جان: جو جو چکنی چیزیں ہم کھاتے ہیں اُنھی سے یہ بنتا ہے۔ مثلاً گھی، تیل مکھن وغیرہ۔

کمال: اچھا بھائی جان ایک بات تو بتائیے ہمارے جسم میں کل کتنی ہڈیاں ہوں گی؟

بھائی جان: دو سو سے کچھ زیادہ ہی سمجھو۔

جمیلہ: (تعجب سے) دو سو سے زیادہ! بھلا گنوائیے تو۔

بھائی جان: دیکھو جسم کے تین حصے ہیں۔ کھوپڑی اوپری دھڑ، اور نچلا دھڑ۔ کھوپڑی میں کل ۲۲ ہڈیاں ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے ایسی ملی ہوئی ہیں کہ دیکھنے میں ایک ہی ہڈی معلوم ہوتی ہے۔ ان میں ۸ تو سر کی ہڈیاں ہیں، اُن کے اندر ہمارا بھیجا (دماغ) بہت حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔ باقی ۱۴ ہڈیاں چہرے، ناک، کان اور جبڑوں کی ہیں۔

کمال: ذرا ٹھہرئے ٹھہرئے بھائی جان میں انھیں گن تو لوں۔

بھائی جان: (ذرا دیر رُک کر) کمر سے اوپر کا حصہ اوپری دھڑ کہلاتا ہے، اس میں ۱۱۹ ہڈیاں ہیں۔

کمال: کون کون سی؟

بھائی جان: گنو ریڑھ کی ۳۳ ہڈیاں۔

جمیلہ: ارے یہ تو ہمیں ایک ہی ہڈی معلوم ہوتی ہے۔

بھائی جان: یہ چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ایک دوسری سے جڑی ہوئی ہیں۔ اس لئے ان پر ایک ہی ہڈی کا گمان ہوتا ہے۔ تم ذرا آگے جھک کر انھیں ہاتھ سے گننا شروع کرو۔ آسانی سے ساری کی ساری گن لوگی۔ اس ریڑھ کی ہڈی میں حرام مغز رہتا ہے۔

(باقی)

ابری کیسے بنائیں

محمد اکرام خاں اُستاد
استادوں کا مدرسہ، جامعہ نگر دہلی

(سلسلے کے لئے دیکھئے پیام تعلیم اپریل صفحہ ۳۰ - ۳۱)

ہاں، یہ بات خیال میں رکھنا چاہئے کہ یہ بہت دیر تک نہ پکتی رہے۔ ورنہ وہ پھر کاغذ پر سوکھ کر چھٹتی ہے۔ بہت احتیاط کرو لئی پکنے کے بعد چھان بھی لو تاکہ گٹھلیاں نکل جائیں اور یہ نفیس ہو جائے۔ ایک نکتہ اور بتا دیں۔ لئی پک جائے تو اس کے اوپر آہستہ سے تھوڑا سا پانی ڈال کر چلا دو۔ اس طرح اس پر چھڑا نہیں بنتا اور ابری کے لئے لئی اچھی رہتی ہے۔ اچھا لئی تو بن گئی۔ اُسے ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں۔ اور اب اپنا رنگ تیار کریں۔

۲- رنگ کی تیاری

رنگ کا کام ہر اس چیز سے نکل سکتا ہے جو پانی میں گھل جائے۔ روشنائی ہو، کسی رنگ کی ! اکوارل اور ٹمپرا کے رنگ ہوں مصوروں کے رنگ کی ٹکیاں ہوں رنگین پنسلوں کی کترن کا سفوف ہو۔ پڑیا کے رنگ ہوں۔ یہ سب کام آ سکتے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ پانی میں گھول لو۔ ایسا کہ رنگ سب گھل جائے تلچھٹ باقی نہ رہے۔ مگر رنگ ہوں گہرے

چھوٹے چھوٹے سکورے۔ چینی کی پیالیاں ٹین کی پیالیاں یا ڈبیوں کے ڈھکنے۔ غرض ایسے ہی چھوٹے چھوٹے برتن لے کر ان میں رنگوں کو الگ الگ گھول کر تیار کر لو پہلے اگر ایک ہی رنگ تیار کرو تو اچھا ہے اس لئے کہ پہلے ایک رنگ کی ابری بنانا اچھا ہے بعد کو کئی رنگ کی بنا لینا۔

۳- کاغذ کی تیاری

شروع شروع میں ایسے کاغذ لے سکتے ہو جو ایک طرف لکھے ہوئے ہوں۔ ذرا رنگ کی پرانی کاپیوں کے ورق کام میں آ سکتے ہیں۔ چھوٹے کاغذ پر ابری بنانا ہو تو بے لائن کی کاپیوں کے ورق جن پر ایک طرف

لکھا ہوا ہو کام میں آسکتے ہیں ۔ ہاں کاغذ ایسا ہو کہ تری کو خوب جذب کرتا ہو ۔ اچھا چکنا کاغذ ہو تو ابری اچھی بنتی ہے ۔

اب مدرسوں میں کہیں کہیں ہاتھ سے کاغذ بھی بنانے لگے ہیں ۔ ہمارے مدرسے میں لڑکے خود بڑا اچھا کاغذ بناتے ہیں ۔ اس پر ابری بہت اچھی بنتی ہے ۔ رنگ خوب رنگ لاتا ہے ۔ ابری یہ نہیں کہ سفید کاغذ ہی پر بنتی ہو ۔ رنگین کاغذ پر بھی بڑے اچھے اچھے اثر پیدا ہوتے ہیں ۔ جس کام کے لئے ابری بنانا ہو اس کے خیال سے چھوٹا بڑا کاغذ لینا چاہئے ۔ کسی چھوٹی سی کتاب کا سرورق بنانا ہے تو اچھا موٹا، مضبوط کاغذ لینا چاہئے ۔ گتے کے کسی ڈبے پر چڑھانا ہو تو اس سے باریک کاغذ درکار ہوگا ۔

اچھا جب تم نے ابری کے لئے کاغذ چن لیا تو کسی میز یا چوکی پر ایک پرانا اخبار بچھا دو ۔ اس پر اپنا کاغذ پھیلا دو ۔ ایک طرف لکھا ہوا ہے تو جس طرف سادہ ہے اس رخ کو اوپر رکھو اور کونوں پر کلپیں یا بورڈ پن لگا دو تاکہ کاغذ پر جم جائے ۔ اگر کاغذ موٹا نہ ہو تو اسے نیچے کے رخ سے ذرا کسی گیلے کپڑے سے نم کر دو تو بہتر ہے ۔ اب اصل ابری بنانے کا کام شروع ہوتا ہے ۔

لیئی لگانا اور رنگنا

اب ذرا آیئے، چوڑے برش سے، اسفنج یا کسی پرانے کپڑے کے برش سے کاغذ پر لیئی لگائیں ۔ سب جگہ برابر تیزی سے سارے کاغذ پر لیئی لگاؤ ۔ ایک دفعہ دائیں سے بائیں ۔ ایک دفعہ اوپر سے نیچے ۔ کہیں کوئی جگہ خالی نہ رہ جائے ۔ ساری سطح برابر ایک سی ہو ۔

اب رنگ والے برش سے اس ساری سطح پر ایک ساہاتھ رنگ کا پھیر دو ۔ مگر برش کو بہت دبا کر نہ چلانا نہیں تو لیئی لپٹ جائے گی ۔ اچھا تو اگر نیلا رنگ تیار کیا تھا تو اس لیئی لگے ہوئے کاغذ کا رنگ سب ایک سا نیلا ہو جائے گا ۔ اب اس پر اپنی انگلی سے اوپر نیچے آدھ آدھ انچ کے فاصلے پر لکیر بنا دو ۔

یہ پسند نہ آئے تو اس پر برش سے پھر رنگ پھیر دو اور جب صاف رنگین سطح ہو جائے تو پھر انگلی سے اس پر دوسرا عمدہ نمونہ بناؤ ذرا لہریے دار ۔ اسی طرح انگلی سے کئی نمونے بنائے جا سکتے ہیں ۔

غرض اگر ایک نمونہ پسند نہ آئے تو اسے بگاڑ کر دوسرا نمونہ بنا سکتے ہو ۔ یہ البتہ یاد رہے کہ اگر بار بار رنگ سے نمونہ بگاڑ دگے تو کاغذ کا رنگ تیز ہو جائے گا ۔

ہندباد دنیا کی چھت پر

۲

پروفیسر محمد عبدالغفور، علی گڑھ

ان تماشائیوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اگلی دُنیا میں جو جو عذاب گنہ گاروں کو دیے جاتے ہیں وہ سب ایک ایک کر کے ان تماشوں کے ذریعے دِکھائے جاتے ہیں۔ ہم نے خُدا خُدا کر کے رات کاٹی اور صبح کو واپسی ہوئی۔

خانقاہ سے باہر نکلے ہی تھے کہ یاتریوں کا ایک گروہ آتا ہوا نظر آیا۔ یہ لوگ تبّت کے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ ناک نقشہ بھی مختلف تھا۔ پتہ چلا کہ بے چارے ہزار میل سے زیادہ کا سفر طے کر کے سیدھے منگولیا سے چلے آرہے ہیں۔ ایک ہاتھ میں دعا کا چکر، دوسرے میں ایک بگل۔ چکّر ہلاتے، بگل بجاتے پہاڑوں اور وادیوں کو طے کرتے ہوئے چلے آتے ہیں۔

ابھی ابھی دریائے برہمپتر کو پار کیا ہے۔ برہمپتر کو کیا کہیے، طوفان مچاتا جھاگ اُٹھاتا گذرتا ہے۔ اُسے پار کرنا آسان کام نہیں۔ یہاں بھی یاک صاحب کام آتے ہیں۔ تم سمجھے ہوگے کہ یاک کی دُم پکڑ کر دریا میں ڈھکیل دیا اور برہمپتر پار کر لیا۔ نہیں یہ بات نہیں، یہاں زندہ یاک نہیں بلکہ مُردہ سے کام لیا جاتا ہے۔ پہلے درختوں کی شاخیں باندھ کر کشتی کا ڈھانچہ بنا لیا جاتا ہے۔ اور اس کے گرد یاک کی کھال لپیٹ کر سی لیا جاتا ہے لیجئے، اچھی خاصی کشتی تیار ہوگئی۔ کشتی کے لئے چپّو بھی دوشاخے بنے ہوتے ہیں، اور اُن کی شاخوں پر چمڑا چڑھا ہوتا ہے۔

واپسی پر ہمارے ساتھی بولے "آؤ تمھیں ایک گاؤں کی سیر کرائیں۔ اِس گاؤں میں ہمارے ایک پُرانے ساتھی رہتے ہیں۔ تمھارے ہندوستان کی طرف اکثر تجارت کے لئے جاتے ہیں۔ یہ لیجئے اُن کا کارخانہ آگیا۔" یہاں کئی ایک یاک بندھے تھے۔ دوسری طرف لمبے لمبے بالوں والی پہاڑی بکریاں۔ ہمارے دوست بولے "لیجئے یہ ہیں ہمارے سوداگر

دوست کے مال گاڑی کے ڈبے۔ اِنھی پر وہ اکثر اُون وغیرہ لاد کر ہندوستان لے جاتے ہیں۔" ہم نے مذاق میں کہا "یہ بیچارے کہیں راستے میں بوجھ کے مارے لچک نہ جائیں۔" ہمارے دوست بولے: "واہ اِنھیں ایسا ویسا نہ سمجھ لینا۔ پہاڑی لوگ اور پہاڑی جانور بوجھ اُٹھانے میں بڑے جیالے ہوتے ہیں۔" ابھی ہم یہ بات کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں گھر سے ایک نوکر باہر نکلا اور ہمارے ساتھی کو دیکھ کر گھٹنے کے بل جھک گیا۔ اپنا دایاں ہاتھ دائیں کلّے پر رکھ کر بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ کی کہنی کے نیچے رکھا اور پڑ پڑ زبان کو مُنھ سے نکال کر چلانے لگا۔ ہم نے ہنسی کو بڑی مشکل سے روکا۔ مگر معلوم ہوا کہ آداب بجا لا رہے ہیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ بھی سلام کا ایک طریقہ ہے۔ اتنے میں ہم لوگ گھر کے اندر بلائے گئے۔ صاحب خانہ ایک چھوٹی سی میز پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ہمیں بھی چائے کی ایک پیالی پیش کی گئی۔ اُس میں بڑی زوروں کی لپٹ آ رہی تھی۔ چائے کیا تھی اچھا خاصا جوشاندہ جس میں مکھن اور نمک ملا تھا۔ گھر کی ملکہ بھی ایک طرف باورچی خانے میں کام کر رہی تھیں۔ باورچی خانہ تھا تو گندہ مگر برتن بڑے شان دار تھے۔ بڑے بڑے تانبے کے برتن صاف شفاف چمکتے ہوئے۔ انھیں مٹی سے مستقل طور پر چولھے پر جما دیا جاتا ہے۔ یوں سمجھو کہ تبت والوں کے یہاں چولھا چوبیس گھنٹوں چڑھا رہتا ہے۔ ان پر بڑی خوب صورت چڑیاں، مچھلیاں اور گلاب کے پھول بنے ہوتے ہیں۔ ایسے برتن خاندانوں میں نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں۔ دوسری طرف چائے کے برتن رکھے تھے۔ چین تو تم جانتے ہو خوب صورت چیز بنانے کے لئے ایک دُنیا میں مشہور ہے۔ یہاں بھی چینی کی ایک اتنی بڑی چائے دانی پڑی تھی کہ پورا گھر چائے پی لے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ باقی بچ رہے۔

تبت کے لوگ بھی اپنے حاکموں کا انتخاب کرتے رہتے ہیں۔ تمھارے خیال میں تو اُن کے ہاں ووٹوں کے بکس ہوتے ہوں گے اور ان کی گنتی پر فیصلہ ہوتا ہوگا۔ ووٹ تو نہیں ہاں حاکم کا اِنتخاب صلاح مشورے کے بعد کیا جاتا ہے، اور مزہ یہ ہے کہ انتخاب کسی نوجوان کا نہیں بلکہ دودھ پیتے بچّے کا کیا جاتا ہے اور دودھ پیتا بھی ایسا جو کچھ عرصہ پہلے پیدا ہوا ہو۔ تم بھی حیران ہوگے کہ ایسا کون سا طریقہ ہے جس سے

اِتنے بچے حاکم کو اتنی چھوٹی عمر میں چُنا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ تبّت کے حکمران چند ایک مذہبی پیشوا ہیں جن کو زندہ بُدھ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے سب سے بڑا گرو دلائی لاما کا درجہ دلائی لاما ہے۔ کئی ایک چھوٹے چھوٹے اور بھی ہیں۔ تبت والوں کا خیال ہے کہ ان میں مہاتما بُدھ کی روح حلول کرآئی ہے۔ عقیدت کی انتہا یہ ہے کہ بُدھ کے ان اوتاروں کی طرف عام لوگ آنکھ اُٹھا کر دیکھنا بھی گستاخی سمجھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہمیں بھی ایک لاما کے درشن ہوگئے۔ ہم اپنے ساتھی کے ساتھ جب اس خانقاہ سے لوٹ رہے تھے تو دیکھا کہ ایک لاما پورا لاؤ لشکر لئے راستے میں پڑاؤ کر رہے ہیں۔ مرکز میں خاص اُن کے لئے ایک بڑا خیمہ لگا تھا۔ ہم پہنچے تو زمین پر لاما یوں بیٹھے تھے جیسے مہاتما بُدھ کی مورتی ہو۔

ـــــ اُن کے ملنے والے جب کبھی بھی جائیں گے اُن کو ایسا ہی بیٹھا پائیں گے۔ اُن کے سر پر کچھ اس قسم کی ٹوپی تھی جس قسم کی یورپ کے لوگ پہنتے ہیں۔ اس کی چوٹی پر ایک تکونی سی کلغی بنی ہوئی تھی۔ تبت میں بہت اونچے درجے کے لوگ ایسی ہی ٹوپی پہنتے ہیں۔ ہاتھ میں مالا تھی اور سامنے میز پر ہر عبادت کے دیگر سامان اسی مقدس سازو سامان کے درمیان ایک ولایتی کلاک ٹِک ٹِک کر رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ لاما صاحب اگرچہ مذہبی پیشوا ہیں مگر دُنیا کی نئی ایجادوں سے اپنے کچھ ناآشنا نہیں۔ مجھے تو خیال تھا کہ کہیں اُن کے ڈھیلے ڈھالے لبادے کے نیچے کلائی پر گھڑی نہ بندھی ہو۔ لیکن وہ مورتی کی طرح جوں کے توں بیٹھے رہے۔ پتہ کیا چلتا اور ہمارے ساتھی تو بے چارے آنکھوں پر ہاتھ رکھے تھے۔ بہت ادب سے کبھی کبھی نگاہیں اُٹھاتے تھے گویا لاما صاحب سورج دیوتا ہیں جن کی دمک سے آنکھیں چندھیا جائیں گی اور سچ تو یہ ہے کہ اُن کے طور طریقوں میں ایک مذہبی تقدس پایا جاتا ہے۔ اور پایا کیوں نہ جائے یہ لوگ تو سچ مُچ کے پیدائشی گرو ہیں دوسرے مُلکوں میں تو گرو کا مرتبہ آخر عمر میں جاکے ملتا ہے مگر یہ پیدا ہی گورو ہوتے ہیں جب کسی لاما کی وفات ہوتی ہے تو اُن کے ماننے والے اُن کے جانشین کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ مُردہ لاما کی روح کسی ایسے بچّے میں آگئی ہے جو پرانے لاما کی موت کے قریب پیدا ہوا ہو۔ اب مُلک بھر میں ایسے بچّوں کی تلاش کی جاتی ہے۔ ان لوگوں کے پاس پچھلے لاما کی مالا اور اُس جیسی دوسری مالائیں اور دوسرا سامان ہوتا ہے۔ یہ سامان مِلا جُلا کر

بچّے کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ بچّے نے اِن چیزوں میں سے کہیں لاما کی مالا پر ہاتھ رکھ دیا یا اُسے چھو لیا تو صاحب اِدھر اُس نے ہاتھ لگایا اُدھر لوگوں نے واہ واہ کرتے اُسے سر پر اٹھا لیا اور خانقاہ کو لے چلے اب یہ عمر بھر کے لئے لاما بن گئے۔ اپنے علاقے کے مذہبی پیشوا بھی ہوں گے اور حاکم بھی۔

اب لہاسا کے باہر کی خوب سیر ہو گئی۔ جی چاہا کہ چلو ذرا بازار کی سیر بھی کر آئیں بازار کیا ہے اچھا خاصا مختلف قوموں کا چڑیا گھر ہے۔ ایک منگولیا کا بیوپاری چلا آرہا ہے۔ اس کی چیزیں یورپ کے بنے ہوئے کھلونے اور گھٹیا قسم کے نقلی زیور ہیں۔ ارے بھئی بچنا بچنا کچھ سور جو شہر کی گندی نالیوں میں غسل فرما رہے تھے کیچڑ میں لت پت، بے چارے کی چیزوں پر سے پھاند گئے۔ نہ پھاندتے تو کیا کرتے، کتوں کا ریلا جو پیچھے سے آرہا تھا لہاسا شہر میں کوئی صفائی کی کمیٹی تو ہے نہیں اس لئے اس شہر کی صفائی کا پورا ذمّہ کتوں اور سؤروں نے لے لیا ہے۔ جہاں دیکھو کیچڑ کھنگالتے پھرتے ہیں۔ اتنے میں ہم سرائے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہاں لداخیوں کا ایک قبیلہ اترا ہوا تھا۔ ہم نے فوراً اُن سے ملاقات کی۔ ان میں سے ایک لداخی شملے میں رہ چکا تھا اور ہندوستان کو جانتا تھا۔ اس سے باتوں باتوں میں اتنی دوستی ہو گئی کہ گویا برسوں کی ملاقات تھی۔ ہم نے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟" بولے: "اب وطن کو واپسی ہو رہی ہے؟" ہم نے پوچھا "وطن کہاں ہے" تو بولا "عین کشمیر کی سرحد پر دریائے سندھ کے کنارے"۔ یہ سن کر ہمیں بھی ایک بھولا بسرا خواب یاد آگیا۔ یہ چراغ تلے کیسا اندھیرا۔ سندباد دنیا بھر میں گھوم آئے۔ لیکن ابھی تک کشمیر کی سیر نہ کی دھن میں زیرِ لب یہ مصرعہ گنگنانے لگے ؎

"اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے"

اگلے ہی روز ہم نے ان ساتھیوں کے ہمراہ کشمیر کا رُخ کیا۔

خط لکھتے وقت چند باتوں کا خیال رکھو

(۱) پہلی اپریل سے کارڈ تین پیسے کا ہو گیا ہے۔ دو پیسے کے کارڈ پر ایک پیسے کا ٹکٹ لگتا ہے نہ لگاؤ گے تو یا تو بیرنگ ہو جائے گا یا ڈیڈ لیٹر آفس بھیج دیا جائے گا ہم تک نہ پہنچے گا۔ اسی طرح لفافے کی قیمت اب ۲ ہو گئی ہے اس پر دو پیسے کا ٹکٹ لگتا ہے (۲) اگر کوئی پوچھنے کی بات ہو تو جوابی کارڈ بھیجا کرو۔ فوراً جواب ملے گا۔ منیجر

ٹکٹ جمع کرنے کا مشغلہ

حافظ نبی احمد (بی اے جامعہ)

ہر لڑکے کو کسی نہ کسی چیز کا شوق ہوتا ہے۔ کسی کو فوٹو گرافی کا تو کسی کو تتلیاں پکڑنے کا۔ کوئی پھول پتی اکٹھی کرتا ہے تو کوئی سکّے۔ ڈاک کے ٹکٹ اکٹھے کرنا بھی اسی قسم کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ آئیے آج ہم آپ کو ٹکٹوں کے متعلق کچھ بتائیں۔ ڈاک کا سب سے پہلا ٹکٹ سنہ ۱۸۴۰ء میں انگلینڈ میں چلا تھا۔ اس کے بعد پھر دوسرے دیسوں میں چلے۔ اور اب تو دُنیا کے تمام دیسوں میں ٹکٹ چلتے ہیں۔ یہ ٹکٹ رنگ برنگے ہوتے ہیں۔ ان کے ڈیزائن بھی جُدا جُدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے دل کو لُبھاتے ہیں۔ کسی ٹکٹ پر اس دیس کی سینری ہوتی ہے تو کسی پر کوئی جانور یا پرندہ۔ کسی پر اُس دیس کی کوئی مشہور عمارت کی تصویر ہوتی ہے تو کسی پر اُس دیس کا جھنڈا۔ عام طور پر ٹکٹوں پر اُس ملک کے بادشاہ یا صدر کی تصویر ہوتی ہے۔ ٹکٹ جمع کرنے کو انگریزی میں STAMP COLLECTING یا PHILATELY کہتے ہیں اور ٹکٹ جمع کرنے والے کو STAMP COLLECTOR یا PHILATELIST کہتے ہیں۔ ٹکٹ جمع کرنے کے تعلیمی فائدے بھی ہیں اور مالی بھی۔ ٹکٹوں سے کسی ملک کی جغرافیائی، معاشرتی، سیاسی اور تاریخی واقعات کا علم ہو سکتا ہے۔ دُنیا کا سب سے قیمتی ٹکٹ برٹش گائینا کا ایک سینٹ والا ہے۔ یہ ٹکٹ سنہ ۱۸۵۶ء میں چلا تھا۔ اس وقت دُنیا میں اس کا صرف ایک نمونہ ہے۔ یہ ٹکٹ سات ہزار تین سو چالیس پاؤنڈ یعنی تقریباً ایک لاکھ روپے میں بکا ہے! کیوں ہے نا اچنبھے کی بات؟ ایک لاکھ روپے میں ایک ٹکٹ! اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ٹکٹوں سے مالی فائدہ بھی بہت ہے۔

جو ٹکٹ آج نایاب اور قیمتی ہیں وہ ایک زمانے میں عام تھے اور معمولی قیمت پر بکتے تھے لیکن آج وہی معمولی اور سستے ٹکٹ ہزاروں میں فروخت ہوتے ہیں۔ ٹکٹ جمع کرنے والے چونکہ روز بروز بڑھتے جاتے ہیں اس لئے پرانے ٹکٹوں کی مانگ بھی روزانہ بڑھتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے ٹکٹ زیادہ قیمت پر بکتے ہیں کیونکہ "ایک انار اور سو بیمار" والا مضمون ہے۔ قیمت صرف پرانے ٹکٹوں کی ہی نہیں بڑھتی ہے بلکہ نئے ٹکٹ بھی جو کسی خاص واقعے کی یادگار میں چلتے ہیں بہت جلد قیمتی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے ٹکٹ بہت تھوڑے عرصے کے لئے چلتے ہیں۔ ہندوستان ہی کے ٹکٹوں کو لے لیجئے۔ نئی دہلی بننے کی یادگار میں جو ٹکٹ چلے تھے وہ اب کمیاب ہوتے جا رہے ہیں اور آج کئی گنی قیمت پر ملتے ہیں۔ عام طور پر جو ملک جتنا چھوٹا ہوگا اس کے ٹکٹ اتنے ہی قیمتی ہوں گے۔ چنانچہ ہندوستان کے ٹکٹوں کے مقابلے میں بھوپال، جے پور وغیرہ ریاستوں کے ٹکٹ زیادہ قیمتی ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ یہ صرف چھوٹی سی جگہ میں چلتے ہیں

آئیے اب آپ کو یہ بتائیں کہ ٹکٹ کس طرح جمع کئے جائیں اور ان کو کس طرح حفاظت سے رکھا جائے۔ ٹکٹ کئی طریقوں سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ سب سے آسان اور سستا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے کسی رشتے دار سے جو سرکاری یا تجارتی دفتروں میں کام کرتے ہیں درخواست کریں کہ وہ اپنے دفتر سے آپ کے لئے ٹکٹ لا دیا کریں۔ کیونکہ ہر دفتر میں بہت کافی ڈاک آتی ہے۔ اس لئے دفتروں میں آسانی سے بہت کافی ٹکٹ مل سکتے ہیں جتنا بڑا دفتر ہوگا اتنے ہی زیادہ قسم کے ٹکٹ مل سکیں گے اس کے علاوہ تمام بڑے بڑے شہروں میں ٹکٹ بکتے ہیں ان دوکانوں پر پانچ پانچ سو یا ایک ایک ہزار ٹکٹوں کے سستے پیکٹ بھی ہوتے ہیں۔ آپ ان کو خرید لیں۔ اس طرح آپ کے پاس تھوڑی قیمت میں بہت سے ملکوں کے مختلف ٹکٹ ہو جائیں گے۔ اب آپ ان کو ایک اچھے البم میں ترتیب سے لگا لیجئے۔

(باقی)

کیمرے سے شکار

عبدالحلیم ندوی (بی اے جامعہ)

(پیام تعلیم اپریل صہ ۲۷ سے سلسلہ ملاؤ)



جنگلی جانوروں میں کلیف سب کی تصویریں لے چکے تھے اب انھوں نے سوچا کہ جنگل کے بادشاہ کی تصویر رہ گئی ہے۔ چلو یہ کام بھی کر ہی ڈالیں۔ مگر شیر دن کو نکلتے نہیں۔ اور رات میں تصویر لینے کے لئے سرچ لائٹ یا بہت تیز بیٹری اور رات کے کیمرے کی ضرورت تھی۔ یہ چیزیں موجود تو تھیں پر انھیں تیار کرنے میں دو دن لگ گئے۔ سب کچھ تیار ہو گیا تو ایک رات شیر دلی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ پوری رات بیت گئی پر شیر نظر نہ آیا۔ دوسری اور تیسری رات بھی بس جنگل کو کھنگالتے گزری۔ خدا خدا کر کے چوتھی رات کو ایک شیر نظر آیا۔ اپنی ماند سے نکل رہا تھا۔ انھوں نے جھٹ پٹ کیمرہ لگایا بیٹری ٹھیک کی۔ جوں ہی شیر کیمرے کے سامنے آیا انھوں نے بیٹری جلانا چاہی مگر وہ فیل!

شیر ہاتھ سے نکل گیا۔ ہاتھ ملتے رہ گئے۔
اب تو ایسی ہی صورت پیش آئی، کبھی
بیٹری فیل تو کبھی کیمرہ کام نہ کرے۔ اب
تو یہ تماشا آ گئے اور تہیّہ
کرلیا کہ یا تو ان دونوں
کو ٹھکانے لگا کر رہیں گے
یا یہ کام ہی چھوڑ دیں
گے۔ دو دن اسی کام میں
لگ گئے۔ جب پورا
اطمینان ہو گیا تو پھر نکلے
شکار کو۔

یہ لوگ کرتے یہ
تھے کہ جنگل میں کسی مناسب
جگہ خندق میں بیٹھ جاتے
کہ جب شیر ادھر سے
گذرے گا تو تصویر لے
لیں گے۔ مگر جنگل کا
بادشاہ یوں تھوڑا ہی
قابو میں آنے والا تھا،
اسے دور سے معلوم ہو جاتا تھا کہ یہاں کچھ
خطرہ ضرور ہے، بس وہ راستہ کاٹ کر نکل
جاتا۔ یہ لوگ اپنی خندقوں سے نکلتے اس لیے
ڈرتے کہ کہیں اندر سے پچھاڑ کھایا۔ کئی بار



انھوں نے شیر کو اپنی مچان سے نکلتے دیکھا
سامنے آیا تو خوش ہو کر تصویر کھینچ لی، مگر
صبح کو فلم دیکھتے ہیں تو بادشاہ سلامت تو نہیں
ان کے ادنیٰ غلام لکڑ بگھے صاحب ہیں۔ بادشاہ
سلامت اتنی آسانی سے قابو میں کیسے آ جاتے
بڑی مشکل تھی۔ رات اتنی اندھیری کہ ہاتھ کو
ہاتھ سجھائی نہ دے۔ شیر کیا پہچان ملتا تھا

پلوں ہی بیت گئے مگر تھے دھن کے پکے ہمت نہ ہاری لگے رہے اپنے کام میں۔

ایک رات شیر کی تلاش میں چپکے چپکے دبے پاؤں چلے جا رہے تھے۔ اچانک سامنے ایک جھاڑی میں کھڑبڑاہٹ ہوئی اب جو آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو ایک موٹی تازی شیرنی سینہ تانے آنکھیں ان کی طرف جمائے بڑے اطمینان سے کھڑی ہے پہلے تو یہ بہت ڈرے مگر شیر کے بارے میں ایک بات مشہور ہے جب تک اسے



چھیڑا نہ جائے حملہ نہیں کرتا۔ بس یہ سوچ کر ریڈکلیف نے بھی اپنی آنکھیں شیرنی پر جما دیں اور جلدی سے اپنا کیمرہ لگا، بیٹری کی روشنی میں اس کی تصویر دم بھر میں کھینچ لی۔ ادھر تصویر کھنچی ہی شیرنی یہ جا وہ جا دم بھر میں غائب ہو گئی جیسے بس تصویر کھنچوانے ہی تشریف لائی تھیں۔

صبح کو فلم جو دیکھتے ہیں تو اُن کے خوشی کے پھولے نہ سمائے۔ تصویر بہت صاف اور اچھی آئی تھی کہ اس سے پہلے ایسی جیتی جاگتی تصویر کسی نے نہ کھینچی ہوگی۔

ریڈکلیف جس مقصد سے افریقہ کے ان جنگلوں میں آئے تھے وہ تو پورا ہو چکا تھا۔ لیکن یہاں اور بھی بہت سے جانور تھے اُن کی تصویریں لینا بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ انھوں نے سوچا لاؤ چلتے چلاتے

ان کی تصویریں بھی کیوں نہ لے لی جائیں۔ وہ اسی خیال سے دوسرے دن پھر جنگل گئے اور ہرنوں اور بارہ سنگھوں وغیرہ کی تصویریں کھینچیں جو بہت عمدہ آئیں۔

ایک دن خیمے سے نکل تھوڑی ہی دور جنگل میں گئے تھے کہ دو بارہ سنگھے آپس میں لڑتے نظر آئے ہر ایک جیسے دوسرے کو مار ڈالنے پر تلا ہو، دونوں لڑ رہے تھے، کہاں پر ہٹتا کوئی نہیں۔ یہ منظر بہت دلچسپ تھا، انھوں نے جھٹ ان کی تصویر لے لی۔



ایک بار ایک چشمے پر بیٹھے تھے کہ زرافوں کا ایک غول آیا۔ ان میں سے ایک نے اپنی لمبی ٹانگیں پھیلا دیں اور گردن لٹکا کر پانی پینے لگا۔ زرافے کا یہ انداز انھیں بہت بھایا۔ انھوں نے اس کی بھی ایک تصویر لے لی۔

(ایک انگریزی مضمون سے استفادہ)

لطیفے

افسر: "تمھارا نام کیا ہے؟"

چینی: (بہت فخر سے) اس نیز (S. NEEZ)

افسر نے بہت گھور کے اس کی طرف دیکھا "کیا یہ چینی نام ہے؟"

"جی نہیں امریکن۔"

"چینی نام بتاؤ۔"

"آ چھوں۔"

"کیا تم میری دامادی میں آنا چاہتے ہو؟"

"جی، جی دامادی وامادی میں تو نہیں پر میں آپ کی لڑکی سے شادی ضرور کرنا چاہتا ہوں۔"

مریض: "اجی حکیم صاحب نبض پر ہاتھ رکھنے سے کیا فائدہ درد میری کلائی میں نہیں سر میں ہے۔ پورے سر میں۔"

مِٹّی کا کام

(کلے ماڈلنگ)

مٹّی، وہی مٹّی جسے تم ہر وقت پیروں تلے روندتے ہو بڑے کام کی چیز ہے - اِس سے ایسی ایسی چیزیں بنتی ہیں کہ دیکھو تو دنگ رہ جاؤ۔ اب سے نہ جانے کتنے ہزار برس پہلے ہمارے بڑوں نے اپنے اِستعمال کے لئے مٹّی کے برتن بنانے شروع کئے تھے - پہلے تو یہ کچے ہی ہوتے تھے، پھر ان کو پکانے بھی لگے - تانبے، کانسے پیتل کے برتنوں کا رواج تو بہت بعد میں ہوا ہے -

ہمارے دیس میں تو یہ کام ایک خاص قوم نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، وہی جسے تم کمہار کہتے ہو - کمہار اپنے معمولی سے چاک کے ذریعے اور اپنی انگلیوں کے زور سے کیسے کیسے کمال دکھاتا ہے - بھاول پور کی صراحیاں، نظام آباد (ضلع اعظم گڑھ) کی پرچ پیالیاں - لکھنؤ کے کھلونے اور پھل اور دوسری جگہوں کی بنی ہوئی چیزیں تم نے دیکھی ہوں گی

ماسٹر عبدالحیؒ استاد، استادوں کا مدرسہ

کیسی نازک، سجل اور خوب صورت ہوتی ہیں اور اب تو اس کام نے اتنی ترقی کی ہے کہ باقاعدہ کارخانے بن گئے ہیں مشینوں سے کام ہوتا ہے طرح طرح کے رنگ اور روغن کر کے چیزیں تیار کی جاتی ہیں -

یہ کام بہت دلچسپ ہے اور بہت آسان کچھ ایسا خرچ بھی نہیں تم اپنی فرصت کے وقت مشغلے کے طور پر کر سکتے ہو، گھر پر بھی اور مدرسے میں بھی، اور تمھیں مہارت ہو جائے تو نفع بھی خوب کما سکتے ہو - اب تو اس کام کو مدرسوں میں بھی رواج دیا جا رہا ہے -

میں بھی اس وقت وہی طریقے بتاؤں گا جن سے ہر گھر، گاؤں یا مدرسے میں بنا کسی خرچ کے کام چل سکے - جوہڑ (کچا تالاب) تو ہر دیہات، ہر قصبے، شہروں خصوصاً چھوٹے شہروں کے آس پاس ہوتے ہیں، اُن میں برسات کا پانی جمع ہو جاتا ہے - اتنے یہ پانی

خشک ہوا تے اس کی مٹی سڑ جاتی ہے اور کچھ کالی کالی سی ہوجاتی ہے۔ بس اس مٹی کو منگا لو اور یا تو کوئی چھوٹا سا گڑھا کھود کر اس میں رکھ دو یا کہیں یوں ہی رکھ دو۔ اس پر وقتاً فوقتاً پانی ڈالتے رہو۔ خشک آٹے کو تمھاری امی پانی ڈال کر گوندھتی ہیں تو کیسا لیس دار ہوجاتا ہے مٹی میں بھی کوٹنے اور پانی ڈالتے رہنے سے لیس اور چکنا ہٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ جتنی زیادہ دِنوں کی ہوگی اتنی ہی اچھی ہوگی۔

مٹی تیار ہوگئی! اب کام شروع کر دو کام کے تین ڈھنگ ہیں:۔

۱۔ ہاتھ کی چٹکی سے۔

۲۔ کوائل (بتیاں سی بنا کر)

۳۔ چاک سے۔

کمہار عموماً چاک ہی استعمال کرتے ہیں۔

چٹکی سے کام بہت آسان ہے۔ پہلے اس کو سیکھ لو۔ بس تھوڑی سی مٹی ہاتھ میں لی چٹکیوں کے ذریعے اسے پیالے جیسا بنایا اور ہر طرف سے اس کو چٹکی سے بڑھانا شروع کیا۔ بڑھتے بڑھتے اس کی شکل ایک گولے کی سی بن جائے اور اندر سے خالی رہے۔ دو تین دفعہ مشق کر دو تو یہ گولا آسانی سے بن جائے گا۔ اور بھئی تمھیں گولا بنانا آگیا تو سب چیزوں کے بنانے میں تمھیں سہولت رہے گی



(پیالے جیسا بنا لیا)



گھونسلے کی سی شکل بن گئی

لکھنؤ کے پھل کیسے نازک اور ہلکے ہوتے ہیں۔ بس اسی طرح بنائے جاتے ہیں۔ پہلے گولا تیار کر کے۔ یہ سب پھل ٹھوس بنائے جائیں تو کتنے وزنی ہوجائیں پھر ان میں نزاکت اور ہلکا پن بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔

(باقی پھر)

کیا کھاؤ، کیا پیو؟

(۱)



(۱)

امّی کہتی ہیں ؛ گوشت کھاؤ

(۲)



(۲)

اپنے
موتی کی طرح،

(۳)



(۳)

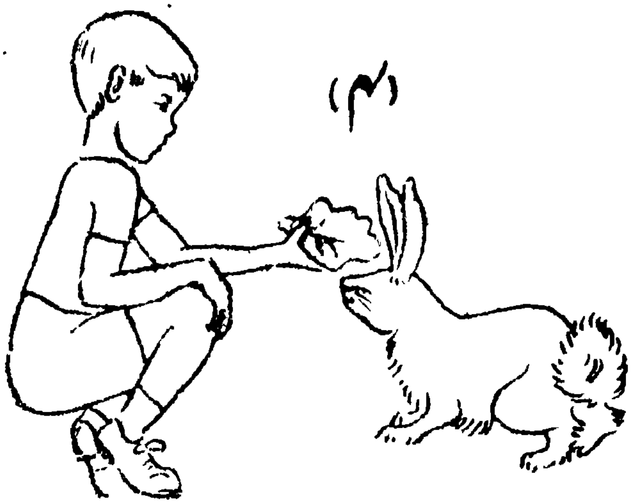
پھل کھاؤ ، سلاد کھاؤ

(۴)

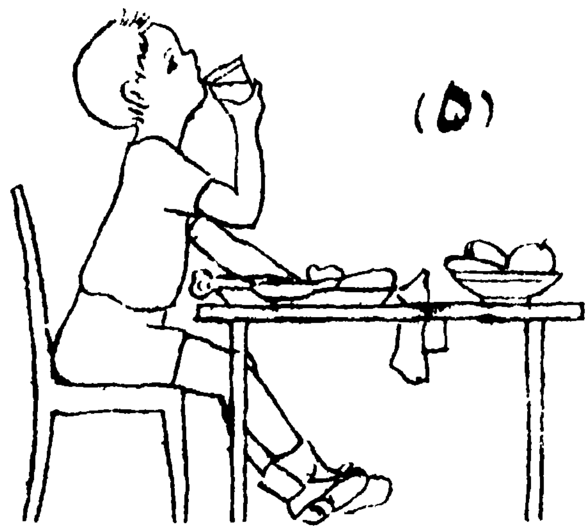
جیسے

خرگوش کھاتا ہے

(۴)



(۵)



(۵)

خوب

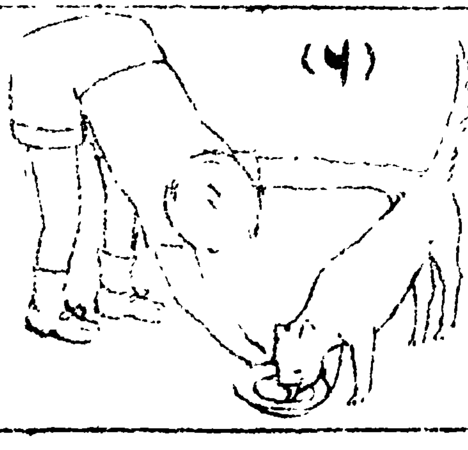
غٹاغٹ دُودھ پیو

(۶)

جیسے

اپنی منّو پیتی ہے

(۶)





ایک رنگ کی آری (مضمون اندر پڑھو)



کشمیر کا ایک دلفریب منظر

تانو کیا ھے







مور

مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر کے ایک بچے کی
بنائی ہوئی ایک تصویر

پیام تعلیم

جامعہ نگر دہلی

ایڈیٹر
محمد حسین حسّان

قیمت سالانہ للعہ - فی پرچہ ۵ر

جلد ۲۲ | فہرست مضامین جون ۱۹۴۹ء | نمبر ۳

پرنٹر پبلشر :- محمد حسین حسّان
مطبوعہ :- جدید پریس دہلی

بچّوں سے باتیں

محمد شفیع الدین نیر

دو المناک سانحے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

یہ خبر افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی کہ پیام تعلیم کے ایڈیٹر جناب حسین حسان صاحب کی اہلیہ محترمہ کا انتقال مئی کی آخری تاریخوں میں ہوگیا۔ مرحومہ عرصے سے علیل تھیں، مگر اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ وہ اتنی جلد دنیا سے رخصت ہوجائیں گی۔ مرحومہ میں بہت سی خوبیاں تھیں جو اُن کے ساتھ ختم ہوگئیں۔ آپ نے تین چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں۔ خدا انھیں پروان چڑھائے۔ مرحومہ کی مغفرت کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ مجھے یقین ہے کہ پیام تعلیم کے تمام پڑھنے والے جناب حسین حسان صاحب کے اس غم میں شریک ہوں گے۔ اس لئے میں اُن کی طرف سے جناب حسین صاحب کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار اور ان کی خدمت میں ہدیہ تعزیت پیش کرتا ہوں۔

ایک دوسرا سانحہ یہ پیش آیا کہ ہماری جامعہ کے آرٹسٹ جناب مسعود اختر صاحب کی چار برس کی بچی نجمہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔ اس کی جدائی سے ہم سب سوگوار ہیں۔ یہ بچی اپنی والدہ کے ساتھ جارہی تھی کہ سڑک پر ایک ریڑھی کی چھپیٹ میں آگئی۔ ہسپتال میں پتہ لگا کہ ایک آنت پر ضرب آئی۔ آپریشن ہوا۔ اسی دوران میں نمونیے کا شدید حملہ ہوگیا۔ جس سے جانبر نہ ہوسکی کیسی پیاری بچی تھی! مگر خدا کی مرضی ہوکر رہتی ہے۔ ہم سب مسعود صاحب کے اِس غم میں دل سے شریک ہیں، اور خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ اس بچّی کی روح کو سکون اور اس کے سب چاہنے والوں کو صبر عطا فرمائے۔

پیام تعلیم کی اشاعت میں تاخیر

ہنگاموں کے بعد خدا خدا کرکے حالات کچھ سدھرے اور رسالہ پیام تعلیم دوبارہ جاری ہوا۔ اس کے نکلتے ہی اس کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ بچوں نے حسب معمول سر آنکھوں پر لیا۔ کارکنان کا ارادہ تھا کہ باوجود موجودہ دشواریوں کے جلد سے جلد پیام تعلیم کو اُس معیار پر لایا جائے جو آزاد ہندوستان کے شایانِ شان ہو۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ٹھیک فرمایا ہے کہ "اپنے ارادوں کو پورا نہ ہونے کی وجہ سے میں نے خُدا کو پہچانا"۔ آدمی تدبیر کرتا ہے۔ قدرت ہنستی ہے۔ اچانک بریلی سے تار آیا کہ حسین صاحب کو وہاں فوراً پہنچنا چاہیے۔ وہ گھبرا کر چلے گئے۔ اپنی شریک زندگی کو بسترِ مرگ پر پایا۔ وہ اس پریشانی میں مبتلا رہے اور رسالہ وقت پر نہ نکل سکا۔ اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد حسین صاحب واپس تشریف لائے ہیں۔ اس دوران میں چونکہ بہت سے شکایتی خطوط آئے ہیں اس لئے یہ چند سطریں لکھنی ضرور ہوئیں۔ خُدا نے چاہا تو آئندہ پیام تعلیم وقت پر شائع ہوگا۔

جناب حسین صاحب کی غیر موجودگی میں یہ پرچہ میں نے مرتب کیا ہے۔ اور بہت جلدی میں مرتب کیا ہے۔ یہ اتنی جلدی مرتب نہ ہو سکتا اگر بعض بزرگوں اور دوستوں کی امداد شامل حال نہ ہوتی۔ میں اپنے محترم جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب کا ممنون ہوں کہ باوجود بے حد مصروف ہونے کے انھوں نے چند مفید کہانیاں غیر زبان سے ترجمہ کرکے مرحمت فرمائیں۔

جناب ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب، جناب ماسٹر عبدالحی صاحب، جناب محمد اکرام صاحب، جناب عبدالحلیم صاحب ندوی، جناب محمد شفیق انصاری صاحب ———— نے اپنے اپنے موضوع پر بڑے مفید مضمون لکھے ہیں۔ اُمید ہے کہ بچے ان سے بہت کچھ سیکھیں گے۔ ہمارے نئے مضمون نگاروں میں محمد معین صاحب ہیں جنھوں نے اسی سال جامعہ میٹرک کا امتحان دیا ہے اور دوسری عزیزہ ذکیہ انصاری ہیں جن کا مضمون "ہمارا بھشتی" امید ہے کہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ اس کے علاوہ جناب اخگر مشتاق صاحب کی نظم بھی بڑی پیاری ہے۔

پیام تعلیم کا یہ پرچہ اتنا کامیاب نہ ہوتا اگر یہ دوسرے مضمون نگار بروقت میری اعانت نہ فرماتے۔ پھر بھی اپنی ناتجربہ کاری کو دیکھتے ہوئے مجھے اندیشہ ہے کہ اس میں کچھ خامیاں ضرور رہ گئی ہوں گی۔ اُمید ہے کہ پیام تعلیم کے پڑھنے والے انھیں نظر انداز کردیں گے۔ اگلا پرچہ جناب حسین حسان صاحب ہی مرتب فرمائیں گے اور خُدا نے چاہا تو یہ پرچہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے گا ٭

خُدا کی تعریف

محمد شفیع الدین نیر جامعہ نگر دہلی

خُدا ہی نے ہم سب کو پیدا کیا
خُدا ہی نے ہم سب کو سب کچھ دیا
اسی نے بنائے زمین آسماں
اُسی نے بنائے یہ سارے جہاں
اُسی نے بنایا ہمیں آدمی
اُسی نے خوشی دی، اُسی نے غمی
ہمیں عقل دی، ہم کو بخشا دماغ
دیا علم کا ہم کو روشن چراغ
اُسی نے دیے ہم کو ماں باپ بھی
اُسی نے دیے بہن بھائی سبھی
یہ ہے پیار کا اُن کے ہم پر اثر
کہ پیارا ہے دل سے ہمیں اپنا گھر
خُدا ہی نے کی ہم کو روزی عطا
اُسی سے مِلا ہم کو جو کچھ مِلا

کنجوس اور اس کا بندر

جناب پروفیسر محمد مجیب (بی اے آکسن)

ایک کنجوس آدمی نے جو بہت امیر تھا اور کبھی خیرات میں کچھ دیتا نہیں تھا۔ اپنی دلچسپی کے لئے ایک بندر پالا تھا۔ اتفاق سے ایک دن جب یہ کنجوس آدمی باہر گیا ہوا تھا، بندر اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں اشرفیوں اور روپیوں کی تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے اشرفیاں اور روپے مٹھیوں میں بھر کر کھڑکی کے باہر پھینکنا شروع کردئے۔ لوگوں نے دھن برستے دیکھا تو دوڑ دوڑ کر آئے اور اپنی جیبیں بھرنے لگے۔ جب تھیلیاں خالی ہوچکی تھیں تب وہ کنجوس لوٹا، اور یہ دیکھ کر کہ اس کی دولت لٹ رہی ہے۔ اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

اس نے زور سے چلّا کر کہا، "ارے کیا کررہا ہے، تو بدشکل منحوس، بے وقوف جانور!" اور بندر کو مکا دکھا کر دھمکانے لگا۔ ایک پڑوسی نے جو پاس ہی کھڑا تھا اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

"ارے بھئی، آپے سے باہر نہ ہو جاؤ۔ بے شک اس جانور کی طرح روپیہ کھڑکی کے باہر پھینکنا بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی عقل مندی

نہیں کہ آدمی روپے کو صندوق میں بند رکھے اور اُس سے نہ خود فائدہ اُٹھائے نہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے؛

(درسی کتاب درجہ سوم، بازل، سوستان)

ہوا اور ہوائی جہاز

ہوا اپنی بادلوں سے گھری ہوئی راجدھانی میں آرام سے بیٹھی تھی، اور اپنے لبادے کو ہر طرف سے سمیٹ کر اوڑھ لیا تھا۔ ایکبارگی اُس کے کان میں ایسی زوں زوں کی آواز آئی جو اُس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ اور اُس کے بعد ہی اُس نے دیکھا کہ ایک عجیب سا پرند جس کے اندر آدمی بیٹھے ہیں اُڑتا ہوا چلا آرہا ہے۔

ہوا نے کہا: "ہوں، ہوں، آدمی، یہاں تک پہنچ گئے!" پرند اور قریب آیا تو اُس نے دیکھا کہ ایک چیز جو برابر تیزی کے ساتھ گھومتی رہتی ہے پرند کو آگے کی طرف لے جاتی ہے، اور اسی سے "زوں، زوں" کی آواز نکلتی ہے۔ تھوڑی دیر تک ہوا ہوائی جہاز کو دیکھتی رہی۔ پھر وہ جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

"اچھا، اچھا، اب آدمی بھی چاہتے ہیں کہ اُڑا کریں۔ میں اِن کو اس کا مزا چکھاؤں گی۔ میں فضا کی مالک ہوں۔ آسمان کے بادل میری تابعداری کرتے ہیں۔ سمندر کی موجیں میرے اشاروں پر چلتی ہیں۔ پتیاں اور کلیاں، ریت اور مٹی، آگ اور پانی سب کو میں اُسی طرف لے جاتی ہوں جدھر میرا جی چاہتا ہے، اور یہ آدمی جن میں

اتنی طاقت نہیں ہے کہ زمین پر قدم جما کر کھڑے رہ سکیں اب چاہتے ہیں کہ میری مدد کے بغیر اُڑنے لگیں !"

ہوا نے اپنے لبادے کو پھیلا دیا ۔ فضا میں ایک طوفانی کیفیت برپا ہوگئی ۔ جنگل کے درخت کانپنے لگے ، اُن کی شاخیں تڑ تڑ ٹوٹنے لگیں ۔ کوئی کوئی جڑ سے اُکھڑ گیا ۔ سمندر میں ہیجان پیدا ہوا ۔ جہاز موجوں کے تھپیڑے کھانے لگے ؛ بادبانی کشتیاں بے بس ہو کر اُلٹ گئیں ، جہاں کہیں آگ جل رہی تھی اس کے شعلے آسمان کی طرف لپکنے لگے ۔

اب ہوا اپنی پوری طاقت کے ساتھ ہوائی جہاز کی طرف بڑھی ۔ وہ چاہتی تھی کہ اُسے اِدھر اُدھر پھینکے ، گیند کی طرح اُچھالے ، ٹکڑے ٹکڑے کر دے ۔ اُس نے پنکھے کو ، ہوائی جہاز کے بازوؤں کو توڑے ، آدمیوں کو اُس میں سے اُڑا لے جانے کی کوشش کی ، مگر اس کی ایک نہ چلی ۔ جہاز آہستہ آہستہ اُتر رہا تھا ، اور اسی طرح اُترتا رہا ۔ ہوا کو گمان بھی نہ تھا کہ اس کا اس طرح مقابلہ کیا جائے گا ۔ اُس نے دانت کٹکٹا کر پھر زور لگایا ۔ ہوائی جہاز بہت نیچے اُتر آیا تھا ۔ بس زمین تک پہنچنے میں ذرا ہی دیر تھی ۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہوا آدمیوں سے ہار جائے ۔ اُس نے طیش میں آکر جہاز کے بائیں بازو پر حملہ کیا ، اور آخر میں اُسے توڑ ہی دیا ۔ آدمیوں کی چیخ پکار اور بازو کے ٹوٹنے کی آواز آئی ۔ جہاز زمین پر ڈھیر ہو گیا ، لیکن آدمیوں کے زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی ، وہ اُس کے اندر سے نکل آئے اور کل پرزوں کے

ڈھیر کو دیکھنے لگے۔ آخر میں اُنھوں نے کہا:
"یہ جہاز کم زور تھا، اب ہم اِس سے اچھا اَور زیادہ مضبوط جہاز بنائیں گے ہمارا مقابلہ جاری رہے گا، جب تک ہم طوفانی طاقتوں پر قابو نہ پالیں"

(فریدرش کلاؤزر دِر تھ، سوستانی بچّوں کا اخبار، جلد ۲۹)

بدمعاش

ایک مرتبہ ایک مُرغا اَور ایک مُرغی باغ میں چُگنے کے لئے گئے۔ جب دونوں کا پیٹ خوب بھر گیا تو مرغی نے کہا:
"اب تو میرا جی چاہتا ہے کہ گاڑی پر بیٹھ کر کہیں دُور سیر کرنے کو جاؤں"
اس پر مُرغے نے کہا:-
"اچھا ٹھہرو، میں ابھی ایک گاڑی بناتا ہُوں"
اُس نے بڑی ترکیب سے چھلکوں اَور پتیوں اَور سوکھی ٹہنیوں کی ایک گاڑی بنائی جب وہ تیار ہوگئی تو مُرغی بہت سنبھل کر اس میں بیٹھی، اَور مُرغے سے کہا کہ تم اِس میں گھوڑے کی جگہ جُت جاؤ، اَور اسے گھسیٹو۔ یہ بدتمیزی کی بات تھی، اِس پر مُرغے کو غُصّہ آگیا۔
"کیا؟ میں اس کا مُرغا، گھوڑا بن کر گاڑی گھسیٹوں؟ تُمھارا دماغ بھی ٹھیک ہے؟ استغفراللہ۔ میں کوچوان بنوں گا، گھوڑا نہیں بنوں گا"

ایک پڑوسی کی موٹی تازی بطخ جو مُرغے کی باتیں سُن رہی تھی اُن پر ہنسنے اور اُن کا مذاق اُڑانے لگی۔ مگر مُرغا تھا بُرا چلتا ہوا وہ اُس کے پاس گیا، اور کچھ ایسی پٹی پڑھائی کہ وہ گاڑی کھینچنے پر رضا مند ہوگئی۔ مُرغا کوچوان کی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اور تینوں مزے میں دُنیا کی سیر کرنے کو چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں اُنھیں ایک سوئی ملی، اور تھوڑی دور پر ایک پن۔ دونوں نے بہت خوشامد کی کہ ہمیں بھی ساتھ لیتے چلو۔

مُرغی نے کہا :۔

" انھیں بھی بٹھالو، یہ کچھ زیادہ بوجھل تو ہیں نہیں "

اب تین کے پانچ ہوگئے۔ چلتے چلتے شام ہوگئی تھی، جب وہ ایک سرائے کے سامنے پہنچے بھٹیارا بڑا نک چڑھا تھا، اور انھیں ٹھہرانے پر کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ مگر جب اُسے اُمید دلائی گئی کہ اُسے انڈے ملا کریں گے تو وہ تیار ہوگیا۔ بطخ نے کہا کہ میں کھلی ہوا میں کتوں کے پاس رہوں گی، باقی سب کو بھٹیارے نے باورچی خانے کے پاس ایک کوٹھری میں بند کردیا۔

صبح تڑکے مُرغے نے مُرغی کو جگایا۔ دونوں نے ناشتہ کیا۔ مُرغے نے سوئی کو بھٹیارے کے جھاڑن میں لگا دیا۔ پن کو اس کی کرسی کے میلے گدے میں نوک اوپر کی طرف کرکے گاڑ دیا۔ پھر دونوں نے بطخ کو ساتھ لیا اور چلتے بنے

اُن کے جاتے ہی باورچن ناشتہ پکانے کے لیے چولھا جلانے آئی۔ معلوم نہیں کیا بات تھی کہ اُس دن چولھا جلتا ہی نہیں تھا۔ باورچن کی مدد کے لئے بھٹیارا آیا، اور بڑی مشکل

سے چولہا جلا۔ بھٹیارے نے جھاڑن میں ہاتھ پونچھے تو اس کے سوئی اتنی زور سے چُبھ گئی کہ خون بہنے لگا۔ وہ پریشان ہوکر کُرسی پہ بیٹھا تو پِن اس کے گڑ گئی اور وہ چلّاکر کھڑا ہوگیا۔

باورچن نے اُس سے کہا کہ رات جو مسافر ٹھہرے تھے وہ صُبح کہیں نظر نہیں آئے۔ اس پر بھٹیارے کو یقین ہوگیا کہ یہ حرکت اُسی مُرغے کی ہوگی۔ اُس نے دِل ہی دل میں قسم کھائی کہ اب عمر بھر ایسے بدمعاشوں کو اپنے یہاں نہ ٹھہراؤں گا۔

(رہائنس بشیھولڈ:۔ سوستان کی کہانیاں)

ہمّت نہ ہارو

انسان کو چاہیئے نہ ہمت ہارے میدانِ طلب میں ہاتھ بڑھ کر مارے
جو علم و ہنر میں لے گئے ہیں بازی ہر کام میں اُنھیں کے وارے نیارے

جھوٹ کا انجام

کاٹھ کی ہنڈیا چڑھی کب بار بار کھو دیا جھوٹے نے اپنا اعتبار
بات جھوٹی جو زباں پر لائے گا سچ بھی اس کا جھوٹ سمجھا جائے گا

مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم

چمپاوت کا آدم خور شیر

محمد معین مدرسہ ثانوی جامعہ نگر دہلی

(پیام تعلیم مئی ۱۹۶۴ء صد ۲۴ سے سلسلہ ملاؤ)

ان جھاڑیوں میں سے نکلنے کے بعد نشانات بائیں جانب مڑ گئے تھے اور پھر ایک بہت تنگ اور ڈھلوان پہاڑی چشمے میں سے ہو کر گذرتے تھے۔ میں نے اُن کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ میرا ساتھی بہت ڈر رہا تھا۔ کئی بار اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر چپکے سے کہا کہ وہ شیر کی آواز سُن رہا ہے خوف سے بھری ہوئی آواز میں۔ پہاڑی کو آدھا طے کرنے کے بعد ہم ایک بہت بڑی چٹان کی چوٹی کے پاس آئے جو کوئی ۳۰۰ فٹ اونچی تھی۔

میرا ساتھی وہ سارے جتن کر چکا تھا جو وہ شیر کے شکار کے لئے کر سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اس سے چٹان پر چڑھ جانے کو کہا اور وہ خوشی خوشی چڑھ گیا۔

میں نے پھر چشمے کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ یہ پہاڑی کا چکر لگانے کے بعد سیدھا نیچے جاتا تھا اور بائیں طرف ایک وادی سے مل جاتا تھا۔ ملنے کی جگہ ایک چھوٹا سا تالاب سا بن گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے دکھائی دئے۔ شیر لڑکی کو سیدھا اسی جگہ لے آیا تھا، اور میرے پہنچنے پر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پنجوں کے گہرے نشانوں کے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ تالاب کے بالکل کنارے پر ایک چیز کو دیکھ کر میں چونک پڑا۔ یہ اس لڑکی کی ٹانگ تھی جو نیچے سے کاٹ لی گئی تھی اور اس میں سے گرم خون بہہ رہا تھا۔ میں اسے دیکھنے میں محو ہو گیا۔ یہ خیال نہ رہا کہ اس وقت خود بڑے خطرے میں ہوں۔ اچانک مجھے اس کا احساس ہوا اور جلدی سے اپنی دو انگلیاں رائفل کے گھوڑے پر رکھ لیں۔ سر اُٹھایا تو سامنے کی چٹان سے گرتی ہوئی مٹی دکھائی دی۔ بس یوں سمجھو کہ میں فوراً سنبھل گیا

اور اس طرح بال بال بچا۔ شیر نے یا تو اچھلنے سے اپنے آپ کو روکا تھا یا اس کے واپس ہونے میں یہ مٹی گری تھی۔ کنارا بہت ڈھلواں تھا، اس پر رینگ کر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ صرف ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ دوڑ دوں۔

میں پیچھے دوڑا اور دوڑتے دوڑتے اس تالاب کو چھلانگ مار کر پار کر گیا پھر اچھل کر میں نے کنارے کے اوپر ایک جھاڑی پکڑ لی اور اس کی مدد سے چڑھ گیا۔

یہاں چڑھ کر میں نے زمین کا معائنہ شروع کیا۔ جھکے ہوئے پودوں نے مجھے بتایا کہ شیر ابھی ابھی وہاں سے گذرا ہے۔ ذرا اور آگے ایک چٹان باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ یہاں معلوم ہوا کہ شیر جب مجھے دیکھنے آیا تھا تو اس نے اپنا شکار کہاں چھوڑا تھا۔

نشان گہرائی میں ایک چٹانوں کے جنگل کی طرف جاتے تھے۔ وہاں جانا خطرناک بھی تھا اور مشکل بھی۔ ذرا سا بھی قدم بہک جاتا تو ہاتھ پاؤں ٹوٹنے کا امکان تھا۔ ایسی صورت میں بس آہستہ آہستہ آگے بڑھ سکتا تھا۔ اور شیر میری دشواریوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے کھانے میں مشغول ہو جاتا تھا۔

کئی مرتبہ راستے میں میں نے دیکھا کہ وہ رکا تھا۔ اور جہاں وہ رکتا تھا خون کے نشان زیادہ گہرے ہو جاتے تھے۔

شیر نے اس مرتبہ چار سو چھتیسواں انسان مارا تھا۔ وہ اس کا عادی ہو چکا تھا کہ پیچھا کرنے والوں کی وجہ سے کھانے پر سے ہٹ جائے مگر اس مرتبہ اس کا تعاقب [illegible] کیا جا رہا تھا۔ اور وہ اس کو محسوس کر کے غرا رہا تھا۔

اس وقت شیر کے غصے کی غراہٹ کا اندازہ وہی شخص کر سکتا تھا جو میری جگہ موجود ہوتا۔ چاروں طرف چٹانیں، درمیان میں گھنی جھاڑیاں، اور ہر قدم پر یہ خطرہ کہ کہیں گہرے غار میں سر کے بل گر نہ پڑوں۔

میں پڑھنے والے سے یہ امید نہیں کر سکتا کہ وہ میرے احساسات کو محسوس کر رہا ہوگا۔ غراہٹ کی آواز اور حملے کا خوف مجھے ڈراتا بھی تھا اور اس سے میری امید بھی بندھتی تھی۔

اگر وہ غصے میں آکر مجھ پر حملہ کر دیتا تو صرف یہی نہیں کہ جس ارادے سے میں آیا تھا وہ پورا ہو جاتا بلکہ ان تمام تکلیفوں کا جو اس کی وجہ سے ہوئی تھیں بدلا لینے کا موقع مل جاتا۔ اس کا غرانا ایک اشارہ تھا جب اس نے یہ دیکھا کہ یہ چیز مجھے اس کے قریب آنے

میں مدد دے رہی ہے تو میں نے اسے منع کر دیا۔

میں اس مچان پر تقریباً چار گھنٹے سے لگا ہوا تھا کہ میں نے جھاڑیوں کے اندر کچھ اور کچھ حرکت دیکھی مگر مجھے شیر کا نشان بھی نظر نہ آیا۔ مجھے دوسری پہاڑی پر ایک بھالو نظر آیا اور اس نے مجھے متنبہ کر دیا کہ یہ وقت میرے واپس ہونے کا ہے۔

میں نے لوٹتے میں لڑکی کی ٹانگ ایک رستے میں گاڑ دی کہ تلاش کے وقت مل سکے میرا ساتھی اب تک چٹان پر کھڑا تھا مجھے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ غراہٹ سن کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ شیر نے ایک اور شکار کر لیا اور وہ اس سوچ میں تھا کہ اکیلا کیسے واپس جائے۔

جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں میرے ساتھی نے جوتے اتارے تھے تو میں سگرٹ پینے بیٹھ گیا، اور دوسرے دن کے لئے اسکیم سوچنے لگا۔ شیر یقیناً آج رات کو کھانا ختم کر دے گا اور دوسرے دن چٹانوں میں ملے گا۔ میں چٹانوں کے درمیان ایک چھوٹے سے نیم دائرے کے جنوبی حصے میں بیٹھا تھا ایک دریا مغرب سے داخل ہو کر اس نیم دائرے کے بالکل بیچ میں سے ہو کر گذرتا تھا مشرق کی طرف وہ چٹانوں سے ٹکراتا تھا، اور شمال کی طرف مڑ کر ایک تنگ گھاٹی بناتا ہوا نیم دائرے میں سے نکل جاتا تھا۔ سامنے کوئی دو ہزار فٹ اونچی پہاڑی چھوٹی چھوٹی گھاس اور چیڑ کے درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اور مشرق کی طرف والی پہاڑی بہت زیادہ ڈھلوان تھی۔

اگر میں بہت سے آدمی جمع کرتا کہ تمام لمبائی چوٹی کے چشمے سے لے کر ڈھلوان پہاڑی تک آدمیوں سے بھر جائے تو شیر کے لئے صرف ایک راستہ رہ جاتا تھا اور وہ یہ کہ تنگ گھاٹی میں سے گذر جائے۔

کام بہت مشکل تھا کیوں کہ وہ ڈھلوان پہاڑی جس پر میں نے شیر کو چھوڑا تھا جھاڑیوں سے ڈھکی تھی اور آدھا میل چوڑی اور آدھا میل لمبی تھی پھر بھی ہانکا کرنے والے میری ہدایتوں پر عمل کرتے تو میرے لئے نشانہ لگانے کا اچھا موقع ہوتا۔

(باقی اگلے پرچے میں)

عِرفان ماموں کی عینک

اخگر مُشتاق

عینک مری لگا کے "میاں جان" دیکھئے | ہاں صحن دیکھئے، کبھی دالان دیکھئے
گھر پر نگاہ ڈالئے، میدان دیکھئے | اور اس کے بعد اپنا یہ "عرفان" دیکھئے

کمروں، برآمدوں پہ وہ سُرخی سی چھائی ہو | امّی نے جیسے گھر پہ بھی مہندی لگائی ہے
عینک نے وہ بہار کی دُنیا دکھائی ہو | قصبے میں جیسے زرد کی آندھی سی آئی ہے

کھانا بھی لال لال ہے، پانی بھی لال لال | تصویر میں وہ راجہ کی رانی بھی لال لال
دادی بھی لال لال ہیں، نانی بھی لال لال | ماموں بھی لال لال، مُمانی بھی لال لال

"بیّی" بھی لال لال ہے، "بجیا" بھی لال لال | خالہ "قمر" اور آپا "ثُریا" بھی لال لال
کھانا پکانے والی کی "بٹیا" بھی لال لال | حد تو یہ ہے کہ ہوگئی "مُنیا" بھی لال لال

کیا فرش، میز، ریڈیو، الماریاں، گھڑی | بستر، مسہری، کُرسیاں اور تخت کی دری
عینک کے دم سے آگئی اِن میں وہ دلکشی | جِس چیز کو بھی دیکھئے، ہے لال رنگ کی

عینک مری لگا کے میاں جان دیکھئے

لہ گھر میں پلی ہوئی بلّی کا نام

۲۔ سورج کے گرد زمین کا چکر

ڈاکٹر سلامت اللہ ایم اے
(لیکچرر استادوں کا مدرسہ)

(مسلسل)

بہت دنوں کی بات ہے جب دنیا کے بسنے والے ہماری تمہاری طرح نہیں رہتے سہتے تھے نہ تو وہ کھیتی باڑی کرنا جانتے تھے اور نہ کپڑے بُننا۔ اُن کا کام مویشی چرانا تھا اور اُن کی زندگی کا سہارا دودھ اور گوشت تھا۔

وہ گھاس کے میدان کے قریب رہتے تھے۔ جب گھاس ایک جگہ ختم ہو جاتی، تو دوسری جگہ چلے جاتے، اور کچھ دنوں کے لئے وہاں آباد ہو جاتے، غرض وہ گھاس کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتے رہتے تھے کھلے میدان میں رہنے سہنے سے انھیں ستارے دیکھنے کا شوق ہو گیا تھا۔ ان کی مدد سے وہ وقت اور سمت کا پتہ لگا لیتے تھے۔

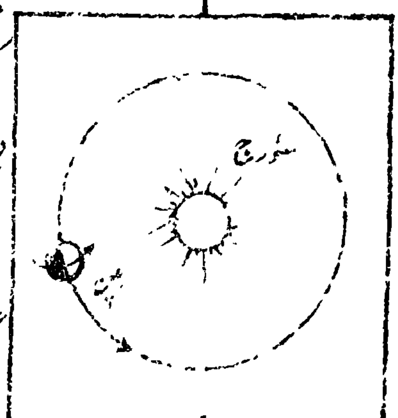
ستارے دیکھتے دیکھتے اُنھیں یہ بات معلوم ہوئی کہ سورج ڈوبنے کے وقت ہمیشہ وہی تارے پچھم میں نہیں دکھائی دیتے۔ کسی مہینے میں ٹھیک سورج چھپنے کے بعد جو تارے سورج کے پاس دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے مہینے میں وہ وہاں نظر نہیں آتے۔ بلکہ وہ کچھ دن بعد صبح کے وقت سورج نکلنے سے ذرا پہلے پورب میں دکھائی دیتے ہیں دھیرے دھیرے اُنھیں معلوم ہو گیا کہ ہر مہینے میں سورج کے پاس کون کون سے تارے ہوتے ہیں۔

گلّہ بانوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج آسمان کے گرد گھوم رہا ہے، اور اس سفر میں وہ مختلف تاروں کے پاس سے ہو کر گذرتا ہے۔ دوسرے، جو تارے ایک سال کسی مہینے میں سورج ڈوبنے کے وقت اس کے پاس نظر آتے ہیں وہی تارے دوسرے سال اسی مہینے میں وہاں دکھائی دیتے ہیں

اگر تمھیں تارے دیکھنے کی عادت ہو جائے تو تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گے۔

کچھ تعجب نہیں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ سورج زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہے۔ کیونکہ وہ ہر روز یہ دیکھتے تھے کہ سورج مختلف [illegible] کے پاس سے ہوکر گذرتا ہے۔ زمین ایک جگہ ٹھہری ہوئی معلوم ہوتی تھی اور سورج گھومتا ہوا اس طرح کہ وہ زمین کے چاروں طرف ایک سال میں پورا چکر لگا لیتا ہے۔

تم جانتے ہو کہ لوگوں کو یہ بات بہت مدت بعد معلوم ہوئی تھی کہ زمین اپنی کیلی پر ایک دن میں پورا چکر لگا لیتی ہے یہ جاننے کے بعد بھی لوگ بہت دنوں تک سمجھتے رہے کہ سورج زمین کے چاروں طرف ہر سال ایک چکر لگاتا ہے۔



اب ہم جانتے ہیں کہ زمین سورج کے چاروں طرف گھوم رہی ہے، اور اس کا راستہ گول ہے۔ دائرے کی طرح دائرے کے بیچوں بیچ سورج ہے اور وہ ہر طرف گرمی اور روشنی پھیلاتا ہے۔

تو پھر زمین کی رفتار کیا ہے؟ پہلی چال لٹو کی طرح ہے جیسے لٹو اپنی کیلی پر گھومتا ہے اسی طرح زمین اپنی کیلی پر گھومتی ہے اور ایک دن رات میں پورا چکر کر لیتی ہے۔ دوسری چال سورج کے چاروں طرف زمین کی گردش ہے۔ لٹو کو میز پر گھماؤ اور اس کی کیلی میں تاگا ڈال کر کھینچو تو لٹو گھومنے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے گا۔ اور ایک دائرہ بنائے گا۔

(باقی آئندہ)

ہڈیوں کا گھر

محمد غوث انصاری۔ فرنگی محل

(۲)

کمال:۔ حرام مغز

بھائی جان:۔ اسے پھر کبھی بتائیں گے۔۔۔ ہاں تو ۳۴ ریڑھ کی ہڈیاں ہوئیں۔ ۲۴ پسلیاں ہیں۔ دونوں طرف بارہ بارہ یہ اس طرح ہوتی ہیں کہ ہمارا سینہ ایک پنجرہ سا بن کر رہ گیا ہے۔ پھیپھڑے اور دل وغیرہ اسی پنجرے میں تو ہیں۔ دو ہڈیاں شانوں کی ہیں جو دائیں اور بائیں پیچھے کی طرف ہوتی ہیں۔ اسی طرح دو ہڈیاں بازو کی ہیں انھی سے جڑی ہوئی دو ہڈیاں ہاتھوں کی ہیں۔ کہنی سے کلائی تک۔ پھر کلائی کی ہڈیاں ہر کلائی میں آٹھ آٹھ ہڈیاں ہیں۔ ایک دوسری سے پیوست ان سے ملی ہوئی پانچ پانچ

ریڑھ کی ہڈی



ہڈیاں ہتیلی کی، ہتیلی کے بعد انگلیوں کی ہڈیاں۔

جمیلہ:۔ جی ہاں پندرہ انگلیوں کی ہڈیاں۔

بھائی جان:۔ جی نہیں چودہ۔ انگوٹھے میں تو دو ہی ہڈیاں ہوتی ہیں۔ ہاں انگلیوں میں تین تین ہڈیاں ہوتی ہیں اس طرح چودہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کی اور چودہ دوسرے ہاتھ کی۔

کمال:۔ تو گویا یہ سب ۱۱۹ ہڈیاں ہوئیں؟

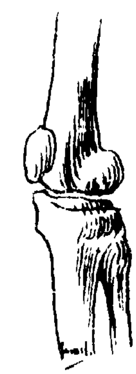
بھائی جان:۔ اور بھی نچلے دھڑ میں کل ۶۲ ہڈیاں ہیں۔

کمال:۔ کون کون سی؟

بھائی جان:۔ دو تو کمر کی ہڈیاں دو رانوں کی۔ یہ دونوں پاؤں کے شروع میں ہوتی ہیں۔

ایک ایک ہڈی دونوں طرف کے گھٹنوں کی۔

جمیلہ: یہی نا جو گھٹنوں کی چپنیاں کہلاتی ہیں۔



چپنی کی ہڈیاں

بھائی جان:۔ ہاں اُن کے بعد ہی ہاتھوں کی طرح سے پاؤں میں بھی ایک طرف دو ہڈیاں ہوتی ہیں۔ یہ ٹخنے کی ہڈیاں کہلاتی ہیں۔ ٹخنوں کی ہڈیوں سے ملے ہوئے گٹے ہیں۔ یہ گٹے پاؤں میں سات ہوتے ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔

کمال:۔ اور پیروں میں ؟

بھائی جان:۔ پیروں میں بھی پانچ پانچ ہڈیاں تو پیروں کی لمبائی میں ہوتی ہیں چودہ چودہ ہڈیاں پیروں کی انگلیوں کی۔

کمال:۔ تو گویا پیروں اور ہاتھوں کی ہڈیاں تعداد میں بالکل برابر ہیں۔

بھائی جان:۔ ہاں ۶۲ ہڈیاں ہاتھوں اور ۶۲ پیروں میں۔

جمیلہ:۔ (گن کر) تو سارے جسم میں ۲۰۳ ہڈیاں ہوئیں۔

بھائی جان:۔ بالکل ٹھیک۔ تو یہ ہے ہمارا ہڈیوں کا گھر۔ اچھا اب کھیلو۔ باقی پھر کبھی۔

(زیرِ ترتیب کتاب عجائباتِ جسم کا ایک باب)

اُردو مدارس بمبئی کے ہیڈ ماسٹروں سے

بمبئی کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے اردو اسکولوں کے لئے پیامِ تعلیم سرکاری طور پر خرید اگیا ہے۔ رسالہ برابر بھیجا جا رہا ہے۔ اِن اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان ازراہِ کرم پرچہ پہنچنے کی رسید لکھ دیں تاکہ اس تصدیق کے ذریعے ہم اپنا بل محکمۂ تعلیم سے وصول کر سکیں۔

"منیجر"

پِدّے شاہ

محمد شفیع الدین نیّر، جامعہ نگر، دہلی

بہت دِنوں کی بات ہے۔ ایک بار جنگل کے تمام پرندے ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور اُنھوں نے بہت بڑا جلسہ کیا۔ اِس جلسے میں یہ اپنے میں سے کسی ایک کو بادشاہ چُننا چاہتے تھے بہت دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ آخر یہ طے پایا کہ جو پرندہ سب سے اُونچا اُڑے، وہی بادشاہ بنے۔

اِن پرندوں میں عُقاب بہت مضبوط اور بڑا تھا۔ اُس نے سوچا۔ اس مُقابلے میں، میں ضرور کامیاب ہوں گا۔ وہ چھوٹے چھوٹے پرندوں میں پر پھڑ پھڑاتا اِدھر اُدھر پھرنے لگا اور بولا:-

"اپنا بادشاہ مجھے کیوں نہیں بنالیتے ہو تم جانتے ہو کہ میں سب سے اونچا اُڑتا ہوں" پرندوں میں ایک ننھا سا پرندہ بھی تھا۔ یہ تھا پِدّا۔ پِدّے کو عقاب کی یہ شیخی اچھی نہ لگی۔ وہ بولا۔ "یہ سچ ہے کہ تم مضبوط بھی ہو اور بڑے بھی۔ پھر بھی یہ ضروری نہیں کہ تم سب سے اونچے اُڑ سکو"

غرض چھوٹے، منجھولے اور بڑے ہر قسم کے پرندے اُڑنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اُنھوں نے یہ طے کیا کہ میاں اُلّو یہ دَوڑ شروع کرائیں۔

سب تیار ہوگئے تو اُلّو نے چلّا کر کہا:- "ہُو ہُو"

اُلّو کا ہُو ہُو کرنا تھا کہ تمام پرندے اُڑے اور بات کی بات میں ہوا پر تیرنے لگے۔ ہر پرندہ اونچا، خوب اونچا اُڑ رہا تھا۔ سب پرندوں کی کوشش یہی تھی کہ اتنے اونچے اُڑیں کہ آسمان کا تارا بن جائیں۔

مگر کب تک؟ کچھ دیر کے بعد ایک ایک کرکے سب کے سب تھکنے اور دوڑ سے الگ ہونے لگے۔ ہاں ایک عُقاب تھا جو اُسی تیزی سے اُڑ رہا تھا۔

عقاب نے دیکھا کہ ساتھی ہمت ہار بیٹھے تو چلّا کر بولا، "میں نہ کہتا تھا کہ میں ہوا کا اور اُن تمام پرندوں کا جو ہوا میں اُڑتے ہیں۔ بادشاہ ہوں"۔ مگر ننھا مُنّا پِدّا اُس کی چھاتی کے نیچے اُس کے پروں میں چھپا بیٹھا

تھا۔ عقاب کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ جب وہ ذرا بلند ہوا تو پدا سب کی آنکھ بچا کر پروں کے نیچے سے نکلا۔ اور اس سے ذرا اوپر پہنچ کر کہنے لگا:

"نہیں جناب نہیں! پرندوں کا بادشاہ میں ہوں۔ دیکھو میں سب سے اونچا اُڑا ہوں۔"

پرندوں کو مغرور عقاب کی اس ہار سے بڑی خوشی ہوئی۔ اُس نے بہت شیخی بگھاری تھی۔ انھوں نے پدے کو اپنا بادشاہ بنا لیا، اور اب یہ پدے صاحب پدے شاہ کہلانے لگے۔

عقاب کو اس بات پر بہت طیش آیا۔ اُس نے اس ننھے پرندے کی آدھی دُم توڑ ڈالی۔ اُسے اپنے پنجے میں پکڑا اور زمین پر دے مارا۔ مگر خدا کا کرنا کہ پدے شاہ کے زیادہ چوٹ نہیں آئی۔

بہار کا موسم تھا۔ پرندے اپنے اپنے گھونسلے بنا رہے تھے۔ جنگلوں میں ہر طرف اُن کی چہکار گونج رہی تھی۔ ایک بڑے درخت پر پرندوں کا بادشاہ اور اُس کی ملکہ رہتے تھے۔ اُن کے گھونسلے میں یوں تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ بس ایک گھونسلا تھا جیسے اور گھونسلے ہوتے ہیں۔ لیکن پرندوں کی نظر میں یہ گھونسلا شاہی محل سے کم نہ تھا۔ اس گھونسلے میں تین بچے یعنی شہزادے تھے۔ یہ شہزادے بہت اِترایا کرتے تھے۔ انھیں ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ ہمارا باپ پرندوں کا بادشاہ ہے۔ ایک دن ایک بھیڑیا اور ایک ریچھ اس درخت کے آس پاس پھر رہے تھے۔ اچانک ریچھ کی نظر گھونسلے پر پڑی۔ اُس نے بھیڑئے سے پوچھا:

"چچا یہ گھونسلا کس کا ہے؟"

بھیڑئے نے کہا "چُپ میاں یہ گھونسلا نہیں۔ پرندوں کے بادشاہ میاں پدے کا محل ہے۔"

ریچھ بولا "یہ محل تو عجیب ہے۔ میں تو اسے دیکھنے کے لئے اوپر جاتا ہوں۔"

بھیڑئے نے کہا "ہیں، ہیں! کہیں ایسا نہ کرنا۔ پہلے بادشاہ یا ملکہ سے پوچھ تو لو نہیں تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔"

ریچھ نے کہا "واہ چچا۔ پوچھنے کی بھی ایک ہی کہی۔" یہ کہہ کر چلنے لگا تو بھیڑئے نے اس کا راستہ روک لیا۔ اور اُسے اوپر جانے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی۔ ریچھ نے بھیڑئے کی ایک نہ سُنی۔ اُسے دھکا دے کر

ایک طرف دھکیل دیا۔ اور جھٹ پٹ درخت پر چڑھ گیا۔ گھونسلے میں تینوں بچوں کو دیکھ کر ریچھ نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا "ارے یہ شہزادے ہیں! یہ تو معمولی پرندے ہیں!"

یہ سن کر شہزادے بہت خفا ہوئے۔ انھوں نے کہا "ہاں ہاں! ہم شہزادے ہیں۔ تمھیں اپنی اس گستاخی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔"

یہ سن کر تو ریچھ ہنس پڑا، اور خوب ہنسا اور کہنے لگا، کیا تم سمجھتے ہو کہ تم جیسے کمزور پرندے میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں؟ یہ کہہ کر وہ اپنے بھٹ کو واپس آگیا۔

تھوڑی دیر میں بادشاہ سلامت بھی تشریف لے آئے۔ شہزادوں نے رو رو کر سارا محل سر پر اٹھا لیا بہت چیخے بہت چلّائے۔ ریچھ نے اُن کے ساتھ جو گستاخی کی تھی اُس کا قصّہ سنایا بولے ہم اس وقت تک کھانا نہیں کھائیں گے جب تک کہ آپ اس بدذات ریچھ کو سزا نہ دے دیں۔

بادشاہ سلامت میاں پدّے شاہ کو بھی ریچھ کی یہ باتیں سُن کر تاؤ آگیا۔ نہ اسی وقت ریچھ کے بھٹ پر پہنچے اور ڈانٹ کر بولے:۔

"ارے بڈھے ذرا باہر تو نکل۔"

ریچھ باہر آیا تو بادشاہ سلامت نے خفا ہو کر کہا "ابھی میرے محل پر جا۔ میرے بچّوں سے اپنی گستاخی کی معافی مانگ۔ اور وعدہ کر کہ تجھ سے پھر کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔"

ریچھ نے کچھ جواب نہ دیا۔ بس ایک قہقہہ لگایا اور اپنے بھٹ میں گھس گیا۔

اب تو پدّے شاہ مارے غصّے کے آپے سے باہر ہوگئے۔ چلّا چلّا کر بولے: "میں ابھی جا کر بہت بڑا دربار کرتا ہوں۔ اور تمام پرندوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ تمام درندوں سے جنگ کریں۔"

یہ سُن کر ریچھ غرّا کر بولا "تمھاری خوشی ہے تو یہ بھی کر دیکھو۔ ایسا ہو تو ہمیں بھی لڑائی کے لئے تیار پاؤگے۔"

پدّے شاہ نے تمام پرندوں کو اپنے محل میں بلاکر دربار کیا۔ اور سب کے سامنے ریچھ کی گستاخی کا حال کہہ سنایا۔ پرندوں کو بھی اس پر بہت غصّہ آیا اور سب نے ایک زبان ہو کر کہا "ہم ریچھ سے لڑیں گے۔ ہم جنگل کے تمام درندوں سے لڑیں گے۔"

پرندوں کے اس فیصلے کی خبر آن کی آن میں سارے جنگل میں پھیل گئی۔ اور تمام درندے شیر، ببر شیر، ہاتھی، بھیڑیا، تیندوا، چیتا

گیدڑ، اور لومڑی وغیرہ ریچھ کے بھٹ کے پاس جمع ہوگئے۔ وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ پرندوں سے کس طرح جنگ کی جائے۔

بیٹرے شاہ کو بھی یہ بات معلوم ہوئی۔ وہ درخت کے ایک بڑے پتے کے پیچھے چھپ کر اُن کی باتیں سُننے لگے۔ جلنے میں کسی کی رائے کچھ تھی۔ کسی کی کچھ۔ کوئی بات طے ہی نہ ہوتی تھی۔ آخر ریچھ اُٹھ کر بولا "بھائیو! ہم میں لومڑی بہت عقل مند ہے۔ اسی کو لڑائی کا نقشہ بنانا چاہیے۔"

لومڑی یہ سُن کر پھول گئی۔ بولی: "اچھا اچھا۔ میں ہی اس جنگ میں رہنمائی کروں گی۔ لڑائی ہو رہی ہو تو تم سب میری پیچھے والی دُم کو دیکھتے رہنا۔ میں جھنڈے کی طرح اسے ہوا میں بلند رکھوں گی۔ اس سے معلوم ہوتا رہے گا کہ ہم جیت رہے ہیں۔ اگر تم میری دم کو نیچا دیکھو تو جتنا بھی جلد ممکن ہو اپنے اپنے گھروں کو بھاگ جانا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ہار رہے ہیں۔ اور اب لڑائی جاری رکھنا فضول ہے۔"

دونوں طرف لڑائی کی تیاری ہوگئی۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ڈٹ گئیں۔ شیر دھاڑے ریچھ غرّائے، بھیڑیے بھونکنے اور بندر خوخو کرنے لگے۔ یہ اتنا چیخے اتنا چیخے کہ آسمان سر پر اُٹھا لیا۔

اُدھر پرندے بھی کب کسی سے کم تھے ایسی چیں چیں، ایسی قیں قیں، ایسی بھن بھن اور ایسی چیخ پکار تھی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس سے پہلے کسی نے ایسا شور بھلا کاہے کو سُنا تھا!

لڑائی ہو رہی تھی کہ میاں بیٹرے شاہ شہد کی مکھی کے پاس آئے اور لومڑی نے ہار جیت کی جو نشانیاں اپنے ساتھیوں کو بتائی تھیں وہ شہد کی مکھی کو بتا دیں۔

شہد کی مکھی نے کہا۔ "اچھا۔ یہ بات ہے۔ اس کا توڑ تو بہت آسان ہے۔ وہ اُسی وقت اُڑی اور لومڑی کی دُم پر جا کر بیٹھ گئی اور خوب زور سے ڈنک مارا۔

لومڑی مارے درد کے چیخ گئی۔ پھر بھی اُس نے ہمت سے کام لیا اور اپنی دُم کو اُونچا اُٹھائے رکھا۔

شہد کی مکھی نے پھر ڈنک مارا اس دُکھ سے لومڑی پھر چیخی۔ مگر اس بار بھی ہمت سے کام لے کر اپنی دُم اونچی ہی رکھی۔

شہد کی مکھی بھی بلا کی طرح اس کی دُم کو چمٹ گئی۔ اس نے پھر تیسری بار ڈنک مارا

اب تو لومڑی اس دکھ کو نہ سہہ سکی۔ بڑے زور سے چیخی۔ اور لڑائی کے میدان سے دُم دبا کر بھاگی۔ درندوں نے جوں ہی لومڑی کی دُم جھکی ہوئی دیکھی سمجھے کہ ہم ہار گئے اور سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح اس لڑائی میں فتح کا سہرا پرندوں کے سر رہا

اب بادشاہ سلامت بڑے شاہ پھر ریچھ کے بھٹ پر گئے۔ اور چلّائے بڑھے! او بڑھے۔ باہر نکل۔ ابھی میرے محل پر جا اور میرے بچوں سے اپنی گستاخی کی معافی مانگ۔

ریچھ چپ چاپ اپنے بھٹ سے نکلا۔ بڑے شاہ کے محل پر پہنچا۔ اپنی گستاخی کی معافی چاہی اور بولا:۔

"بچو تم سچ مچ شہزادے ہو"

بچوں کی کوششیں

ہمارا بھشتی

ذکیہ انصاری
جامعہ ملیہ، جامعہ نگر
دہلی

ہمارا بھشتی بہت ہنس مکھ ہے اور کھلنڈرا
کی۔ مشک لے کر بھی سیدھے رستے نہیں چلتا
کہیں اس کو رُلایا، کہیں اس کو ہنسایا، کبھی
بھری مشک لئے لئے دوڑنے میں مقابلہ کر رہا
ہے۔ غرض دن بھر ایسی ہی حرکتیں کیا کرتا ہے
کہ جو بھی دیکھے بے ساختہ ہنس دے۔ کھانے
کپڑے کا بھی بے حد شوق ہے۔ گرمیوں میں
ململ کا کرتا اُس پر چکن کڑھی ہوئی اور سفید
دھوتی۔ سردیوں میں رنگ برنگی پگڑی اور
پھول والی واسکٹ، ایسے ایسے کپڑے پہن
کر جب وہ پانی بھرتا ہے تو خیال ہوتا ہے
پاگل تو نہیں ہے۔ اپنی ساری تنخواہ کپڑے
اور کھانے پر خرچ کر دیتا ہے!!

ایک دفعہ اس کو عینک کا شوق ہوا
شاید وہ اُسے شوق کی چیز سمجھتا تھا۔ ہاں
تو ایک دن ہمارے ابا جان غسل خانے
میں ہاتھ مُنہ دھو رہے تھے۔ کھلنڈرے
بھشتی صاحب آئے پانی لے کر، اور جب
جانے لگے تو میز پر سے عینک بھی ساتھ
لیتے گئے۔ اب جب ابا جان غسل خانے سے
آئے تو عینک ندارد۔ اِدھر ڈھونڈھا اُدھر
دیکھا مگر عینک ہوتی تب ملتی۔ ہم بھائی
بہنوں پر بھی ڈانٹ پڑی۔ مگر جب ہمارے
پاس تھی ہی نہیں تو ملتی کہاں سے۔ غرض
بڑی پریشانی ہوئی۔ مجھے ایک دم خیال آیا
کہ کہیں خدا نخواستہ کھلنڈرے صاحب
تو نہیں لے کر چلتے بنے۔ یہ خیال اس بنا پر
ہوا کہ ایک دن ہم نے اس کو اپنے یار دوستوں
سے کہتے سُنا تھا کہ مجھے عینک بڑی اچھی
لگتی ہے۔ اب کے دلّی جاؤں گا تو عینک
لوں گا۔ اتنے میں کھلنڈرے بھشتی صاحب
پانی کی دوسری مشک لے کر آئے اور جب
جانے لگے تو ابا جان نے فرمایا "میاں تم
بھول کر اپنی عینک سمجھ کر میز پر سے میری
عینک تو نہیں لے گئے ہو" بیچارا
بہت سٹ پٹایا۔ بولا "نہیں صاحب میں

نے تو نہیں چھوڑی۔ پھر آبا جان نے کہا "اگر لے گئے ہو تو واپس کر دو، کوئی بات نہیں۔ ہے ایسی بھول چوک تو ہو ہی جاتی ہے۔ وہ تمہارے کام نہ آئے گی۔ اور میرے لئے تو وہ میری آنکھ ہے۔ دے دو گے تو دعا دوں گا، اور نہیں دوگے تو کوئی بات نہیں۔ مگر تمہارے کام تو وہ آنے کی نہیں" بے چارا چُپ رہا اور چلا گیا مگر ہم لوگوں کو اس کے چہرے سے معلوم ہو گیا کہ اُس نے ضرور یہ غلطی کی ہے۔ اور وہ اپنی اس حرکت پر شرمندہ بھی ہے۔ ہم کچھ نہیں بولے۔ مگر ہم کو یقین ہو گیا کہ عینک واپس مل جائے گی۔ ہمارا یہ خیال صحیح نکلا۔ دوسرے دن وہ عینک میز پر آ کر رکھ گئی۔ آبا جان نے اس کی اس ہمت پر داد دی اور اس کے شوق کی بنا پر ایک اچھی سی دھوپ کی عینک اُسے خرید دی۔ اس عینک کو حاصل کر کے وہ بہت خوش ہوا۔

یہ تھی ہمارے بہشتی کی نرالی چوری۔

تین کنجوس

عزیزم محمد حبیب سلمہٗ کی یہ پہلی کوشش ہے۔ ان کی عمر ابھی دس سال کی ہے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ابتدائی مدرسے میں پڑھتے ہیں۔ آپ جناب حسین حسان صاحب ایڈیٹر پیام تعلیم کے صاحبزادے ہیں۔ خدا کرے ادب اردو میں اپنے والد صاحب سے زیادہ نام پائیں۔ (محمد شفیع الدین نیر)

تین کنجوس تھے تینوں بڑی محبت سے رہتے تھے۔ ایک دن تینوں میں بحث ہوئی کہ کون زیادہ کنجوسی کرتا ہے۔ پہلا بولا: "میں جب کھچڑی کھاتا ہوں تو ایک پیسے کا گھی خرچ کرتا ہوں" دوسرا بولا: "اُف فوہ! تم تو بہت فضول خرچ ہو۔ میں تو ایک پیسے کا گھی ایک سال تک چلاتا ہوں" تیسرا بولا: "یہ بھی فضول خرچی ہے۔ میں جب کھچڑی کھاتا ہوں تو گھی کی ہانڈی کی طرف نوالا دکھا لیتا ہوں تو گھی کا مزا آ جاتا ہے"

محمد حبیب۔ مدرسہ ابتدائی، جامعہ نگر، دہلی

ایک حل

ممتاز احمد طالب علم، تعلیمی مرکز باڑہ ہندو راؤ، دہلی

بچوں کے میلے میں اس عنوان پر میں نے ایک تقریر کی تھی اور اس میں بتایا تھا کہ گھر میں ہم آپس میں کھیلتے ہیں تو ہمارے بزرگ ہمارے شور و غل سے خفا ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کیسے شیطان بچے ہیں۔ بڑے سامنے بیٹھے ہیں، ان کے سامنے اودھم مچا رکھا ہے۔ ذرا ادب لحاظ نہیں۔ باہر نکل کر کھیلتے ہیں تو کہا جاتا ہے آوارہ پھرتے ہیں۔ کھیل ہی کھیل میں ہم میں آپس میں تو تو میں میں ہو جاتی ہے تو ہمارے بڑے آپس میں اُلجھنے لگتے ہیں اور گھر اور محلہ اچھا خاصا لڑائی کا میدان بن جاتا ہے۔ پھر الزام ہماری معصوم گردنوں پر ڈالا جاتا ہے۔ گھر میں کھیل کا کوئی سامان نہ ہاتھ سے کام کرنے کا کوئی موقع۔ باہر محلے میں نہ تو بچوں کی کوئی انجمن نہ کوئی برادری۔ آخر ہم کسے سنائیں اپنے دُکھ درد کی باتیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ آپ بچے بھی تو اپنی مصیبتوں کا کوئی علاج نہیں سوچتے۔ اُٹھتے بیٹھتے تھپڑ اور طمانچے ہی کھاتے رہتے ہیں۔ اور اپنی حالت پر مطمئن ہیں۔

میں آج آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ ہم جامعہ کے بچوں نے اپنی مصیبتوں کا حل تلاش کر لیا ہے جامعہ ملیہ نے ہمیں ایک بہت اچھا راستہ سجھایا ہے اس راستے پر چل کر ہمیں والدین کی گھڑکیاں سننی پڑتی ہیں نہ کسی کو ہمیں شیطان وغیرہ کے القاب سے یاد کرنے کا موقع ملتا ہے۔

جامعہ کی رہنمائی میں ہم نے اپنے محلّوں میں بچوں کی برادریاں قائم کر رکھی ہیں۔ یہ برادری کا ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ اس میں بچے اپنے من کی باتیں کرتے ہیں۔ ایک اُستاد اُن کی نگرانی کرتا ہے۔ ہمارے والدین کو اطمینان ہوتا ہے کہ بچہ گھر سے باہر تو گیا ہے لیکن اس کی کوئی شکایت ہمارے پاس نہ آئے گی۔

اب ہمیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ چھوٹی سی سہی پر ہماری خود ایک دنیا ہے۔ ہمیں اس سے محبت ہے۔ وہاں ہم سب ساتھ مل کر کھیلتے ہیں۔ اچھی اچھی باتیں سوچتے ہیں۔ مل کر کام کرتے ہیں۔

میرے ساتھی بچو اگر آپ آزادی کا مزہ چکھنا چاہتے ہیں تو اپنے اپنے محلّوں میں بچوں کی برادریاں قائم کیجئے، پھر دیکھئے گا کوئی بھی آپ کی شکایت نہ کرنے پائے گا۔ ہمارے بڑے ہمیں نہ جانے کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔ آپ ایسے بن جائیے کہ کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت بلکہ ہمت نہ پڑے۔

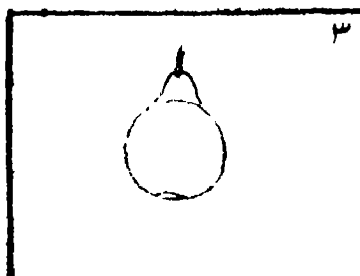
مٹی کا کام

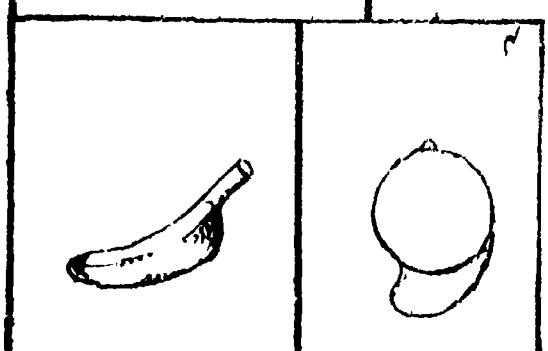
(کلے ماڈلنگ)

ماسٹر عبدالحیٔ اُستاد۔ اُستادوں کا مدرسہ

(۲)

جب تم نے گولا بنا لیا تو تھوڑے سے ردّ و بدل کے بعد ہر طرح کے پھل بنا سکتے ہو۔ اب جیسے نیچے کی طرف ذرا سا جھکی سے دبا دیا اوپر کی طرف کچھ بڑھا دیا اور ذرا سی نوک نکال دی

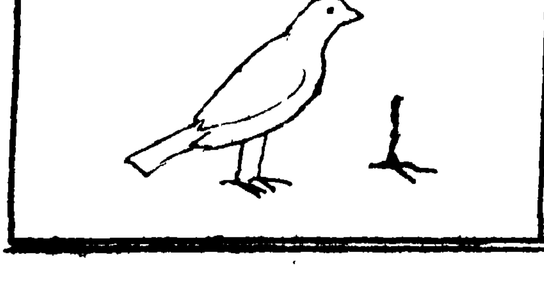




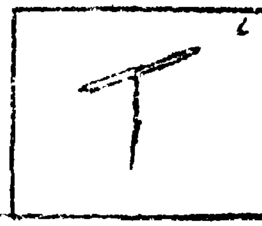
لیجیے نا سپاتی تیار ہو گئی، اسی طرح آم، امرود، سنترہ، کیلا، ککڑی وغیرہ بن سکتے ہیں۔ بہت چھوٹے جانور ٹھوس مٹی کے بن سکتے ہیں۔ مگر ذرا بڑے جانور تو بس پولی



مٹی کے بن سکیں گے۔ اب جو تم کبوتر بنانا چاہتے ہو، اُسے تم بجائے گول کے دُم کی طرف سے شروع کرو۔ بڑھاتے بڑھاتے گردن تک لے جاؤ اور اس کی شکل درست

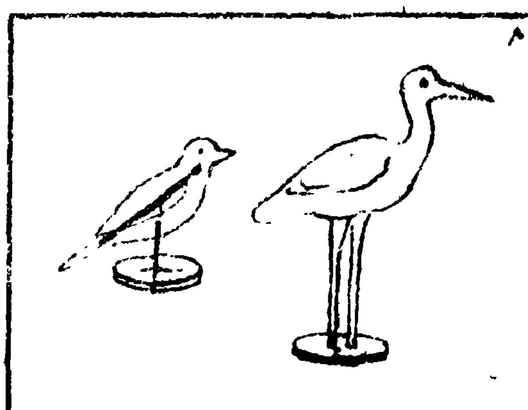


کرکے اُس میں چونچ لگا دو ۔ پیروں کے لئے
تار لگانا ہوگا ۔ اِس تار میں نیچے کی طرف
پنجے بنے ہوں ۔ تار پر بہت ہلکی سی مٹی
بھی لگا دو ، یعنی جیسے پیر ہوتے ہیں ۔
یہ تار چھوٹے جانوروں کے بنانے میں بھی کام
آتا ہے لئے اِس طرح



٧

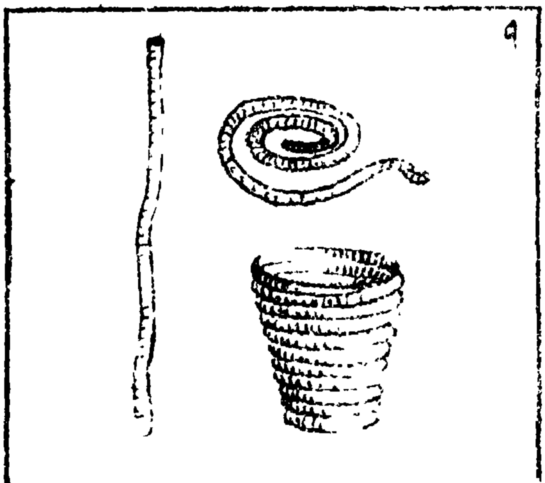
(تصویر نمبر ٧) موڑ
دو ۔ اور کمہار کے چاک
کی طرح ایک گول
ٹکیا سی بنا کر نیچے کا تار اُس میں لگا دو ،
اب جیسے جانور بنائے ہوں لمبوترے یا
گول ٹکیوں سے بنا کر اوپر کے تار میں



٨

لگا دو ۔

دوسرا طریقہ کوائل کا ہے ۔ گل دان
گلاس ، صراحی وغیرہ اسی طریقے سے
بنائے جاتے ہیں ۔ تھوڑی سی مٹی لے لو
اور بیاڑے گوڑے کے لمبی لمبی بتیاں بنا لو



٩



١٠

شکل نمبر ٩ اور اِنھیں نیچے سے اوپر کی
طرف رکھتے چلے جاؤ ۔ شکل نمبر ١٠ جب
اپنی مرضی کے مطابق برتن بنا چکو تو ذرا سا
پانی لگا کر چٹکیوں سے برتن کے نشان
برابر کر دو ۔ اس طرح چوکور گول ہر طرح
کے برتن بن سکتے ہیں ۔ اور تو اور پلیٹ
بھی بن سکتی ہے ۔

(باقی پھر)

ابری کیسے بنائیں؟

محمد اکرام خاں
اُستادوں کا مدرسہ، جامعہ نگر، دہلی

(سلسلے کے لئے دیکھئے پیامِ تعلیم مئی ۱۹۴۲ء، صفحہ ۔)

اچھا یہ تو ایک رنگ کے کاغذ بنانے کا طریقہ ہوا وہ بھی انگلی سے نمونہ بنانے کا اور بہت سے طریقے بھی ہیں جن کا ذکر ابھی بعد میں ہوگا۔ اب تو یہ سُن لو جب یہ کاغذ تیار ہوگیا تو اُسے سُکھانا کیسے چاہیئے؟

۵۔ سُکھانا

یا تو دوسری میز پر ایک پُرانا اخبار بچھا کر اس پر کاغذ سوکھنے کے لئے بچھا دو یا زمین پر اخبار بچھا دو اور اس پر اُسے سُکھاؤ جب تک سوکھ نہ جائے یہیں رہنے دو۔ ایک کاغذ سوکھنے کا دوسرے پر لیپی اور رنگ لگاؤ گے اور یوں کام جاری رہے گا۔ اگر جگہ سب بھر جائے تو جو کاغذ پہلے سوکھنے والے ہیں انھیں ایک سُتلی پر جو کمرے میں تان لی جائے، لٹکا دینا چاہیئے۔ پھر جب ہر ایک سوکھ جائے تو اُنھیں چکنا اور برابر کرنا چاہیئے۔

۶۔ چکنا اور برابر کرنا

سوکھنے کے بعد لیپی لگے ہوئے کاغذ کچھ سُکڑ جاتے ہیں۔ ایک ایک کاغذ کو لو۔ ایک ہاتھ سے ایک کنارا پکڑو اور دوسرے سے اُس کے مُقابل کا دوسرا، اور خوب تان کر میز کے کنارے پر اُسے خوب رگڑو۔ پھر دوسرے کاغذ کو تانو اور اِسی طرح رگڑو۔ تو کاغذ بالکل ہموار ہو جائے گا اور کہیں استری مل جائے تو اُسے ہلکا گرم کر کے جدھر لیپی لگی ہے اُدھر نہیں بلکہ دوسری طرف لیپی کر دو۔ کاغذ بالکل ٹھیک چورس ہو جائیں گے۔ اچھا اب کاغذ صاف اور چورس تو ہوگئے مگر ان پر پانی پڑے تو لیپی پھر گھل کر کاغذ کو خراب کر دے گی۔

۷۔ رنگ کا پکّا کرنا

رنگ کے پکا کرنے کی ایک ترکیب تو یہ ہے کہ لیئی میں پکاتے وقت پوٹاشیم بائی کرومیٹ ملادی جائے۔ بس ایک لیٹر (ڈیڑھ پاؤ) پانی میں کوئی ایک چمچہ (چائے کا) خوب بھر کر پوٹاشیم بائی کرومیٹ ڈال دو۔ یہ اسی وقت ڈالا جائے گا کہ لیئی گرم ہو یا پک رہی ہو۔ پوٹاشیم اس میں ڈال کر خوب ڈوئی سے اسے چلاؤ کہ اچھی طرح مل جائے۔ لیکن پوٹاشیم بائی کرومیٹ ڈالنے سے لیئی کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اس لئے اس کو کم ہی استعمال کرنا چاہیے۔

پکا یوں بھی کرتے ہیں کہ کاغذ کو موم سے رگڑ دیں۔ ایک پرانے کپڑے کا ٹکڑا لو اور ایک پتلی سی سُتلی اور اس سے ایک پوٹلی بنا لو ایک موم بتی لے کر اسے روشن کرو اور اس پوٹلی پر بہت سی بوندیں موم کی ٹپکاؤ۔ اور پھر اس پوٹلی سے کاغذ کو رگڑو۔ خوب۔ تو وہ چکنا اور چمک دار بھی ہو جائے گا۔ اور پانی کا اثر بھی اس پر نہ ہوگا۔ لاکھ سے رگڑ کر بھی چمک پیدا کر سکتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی پوچھے کہ موم اور لاکھ سے کب کام لیتے ہیں اور پوٹاشیم بائی کرومیٹ سے کب؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چکنا کاغذ درکار ہو تو موم اور لاکھ سے کام لو اور بے چمک مدھم کاغذ چاہیے ہو تو پوٹاشیم بائی کرومیٹ لیئی میں ملا دو۔ بس صاحب ابری تیار ہو گئی۔ لیئی کی ابری کے لئے بس اتنی باتیں کافی ہیں۔ مگر کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس ایک ہی رنگ کی ابری بنتی ہے۔ نہیں طرح طرح کی ابریاں تم بنا سکتے ہو۔ طریقہ بس یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ فرق صرف لیئی لگانے اور اوپر سے رنگ چڑھانے میں ہو سکتا ہے۔

(باقی آئندہ)

پیامی

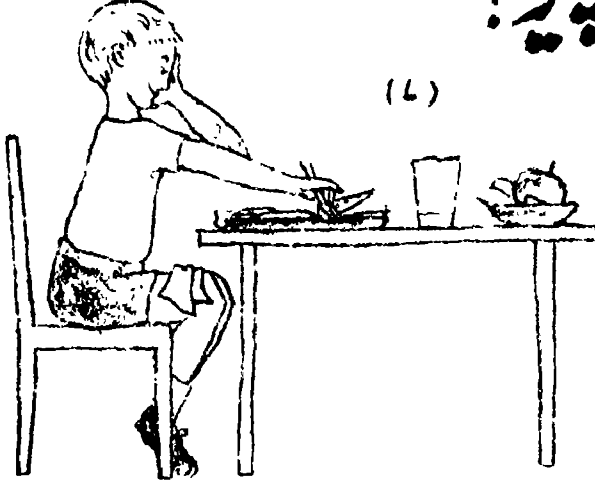
اب کوئی خط قرول باغ کے پتے پر نہ لکھیں۔ پیام تعلیم کا دفتر اب جامعہ نگر میں ہے۔ بس اتنا پتہ کافی ہوگا

پیام تعلیم۔ جامعہ نگر۔ دہلی

کیا کھاؤ، کیا پیو؟

(مسلسل)

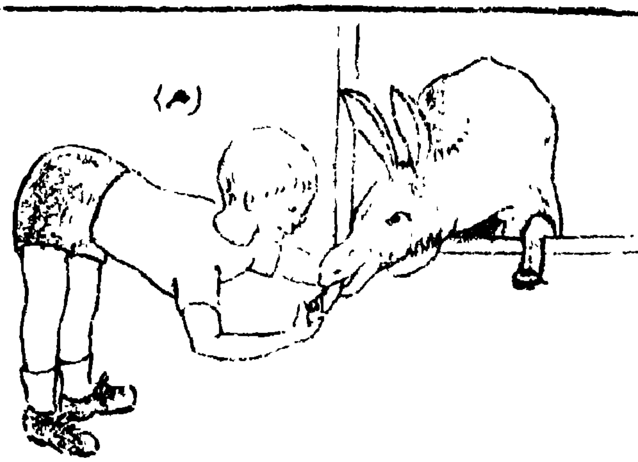
(۷)



(۷)

گاجر کھاؤ

(۸)



(۸)

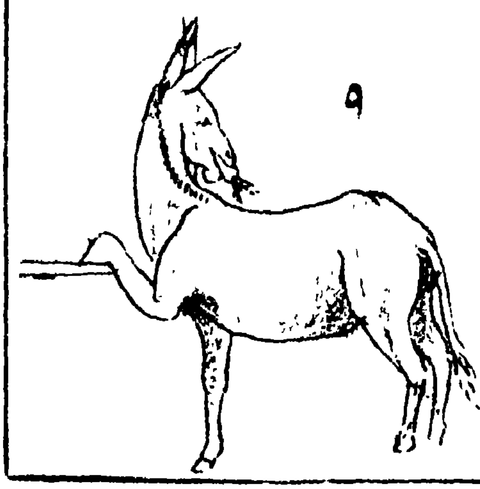
جیسے

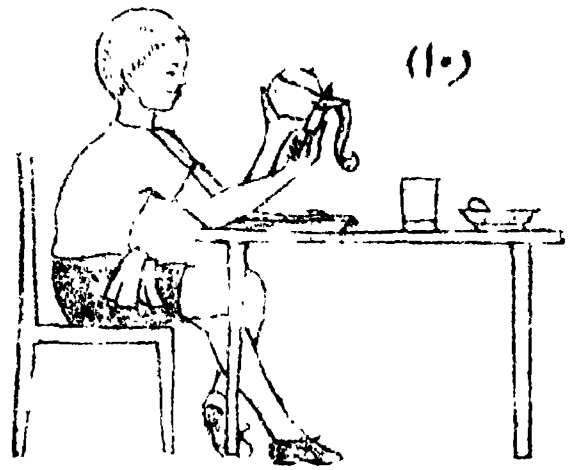
ہمارا گدھا کھاتا ہے

(۹)

ہمارا گدھا

۹

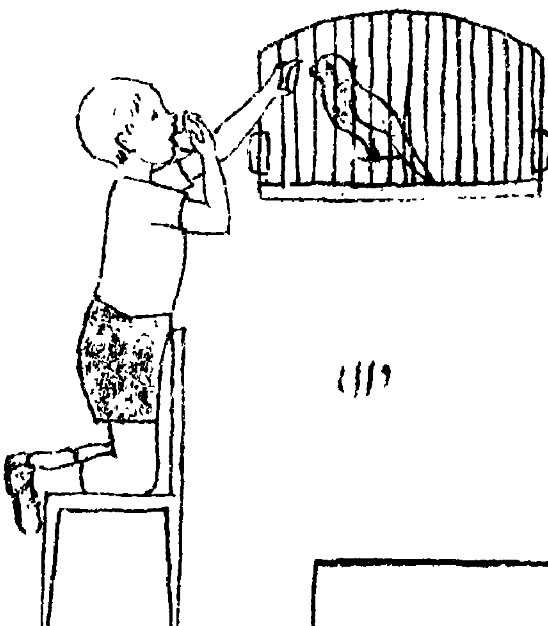




(۱۰)

اور

سیب کھاؤ



(۱۱)

جیسے

ہمارا مٹھو کھاتا ہے



(۱۲)

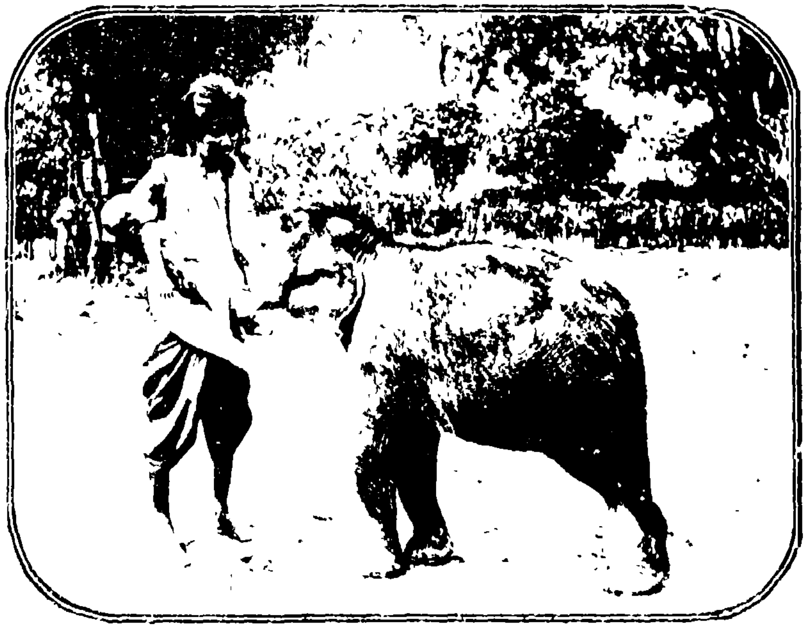
ہاں روٹی بھی کھاؤ

جیسے

ہمارے چوہے کھاتے ہیں۔



نواب صابر قلی خاں بالقابہ (محمد گڑھ)
آپنے پیام تعلیم کی بہت امداد فرمائی ہے ۔
آپکا ایک انعامی اعلان اندر دیکھو ۔



ننھا منا ہاتھی



ذرا آپ کو دیکھئے


Jamil



شکار

مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر کے ایک بچے کی بنائی ہوئی تصویر

پیام تعلیم

جامعہ نگر دہلی

ایڈیٹر

محمد حسین حسان

قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ۵؍

جلد ۲۲ | فہرست مضامین جولائی سنہ ۱۹۴۹ء | نمبر ۷

پرنٹر پبلشر:۔ محمد حسین حسان

مطبوعہ:۔ جید برقی پریس دہلی

بچّوں سے باتیں

پچھلے چند مہینے میرے لئے بہت پریشانی کے گذرے۔ بہت سے عزیزوں۔ ساتھیوں اور پیامیوں نے اس سلسلے میں جس خلوص اور ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ اس کا شکریہ نہیں ادا کیا جاسکتا۔

میری ان پریشانیوں اور غیر حاضری کا اثر دفتر کے کاموں پر بھی پڑا۔ رسالے کی اشاعت میں تاخیر کا سبب بھی اسی کو سمجھئے۔ ہمیں اس کا دِلی قلق ہے۔ ہماری پوری کوشش ہے۔ کہ رسالہ جلد سے جلد اپنے وقت پر آجائے۔

پیام تعلیم کے چند قدر دان اور پیامی۔ اِس کے خریدار بڑھانے میں سرگرمی اور جوش سے حصّہ لے رہے ہیں۔ ہم عالی جناب نواب صاحب محمد گڑھ (بالقاب) اپنے جامعی بھائی ابراہیم عمادی صاحب بمبئی (۱۱-خریدار) حسین احمد صاحب قیصر (تعلیم و ترقی دہلی) اسرار ندوی صاحب (گیا) کے خاص طور پر شکر گزار ہیں۔ اور بھائی بھی اپنی اپنی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

پچھلے مہینے بھی جامعہ کی برادری میں دو غم ناک حادثے ہوگئے

عبدالغفار صاحب محاسب ادارہ تعلیم و ترقی کا تین چار برس کا بہت پیارا اور ہونہار بچّہ صرف دو چار گھنٹے بیمار رہ کر اللہ کو پیارا ہوا۔ ہمیں اس حادثے میں غفار صاحب ماسٹر عبدالرزاق صاحب اور ان کے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا ان سب کو صبر عطا فرمائے۔

پچھلے مہینے ہمارے پرانے جامعی بھائی۔ اور جامعہ کے بہت اچھے استاد محمد حسین صاحب حیدر آبادی کے والد محترم نے اپنے وطن پربھنی میں تھوڑے دنوں کی بیماری کے بعد انتقال کیا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ اگلے لوگوں کی شرافت۔ بردباری، اور رکھ رکھاؤ کا بہترین نمونہ۔ خدا حسین صاحب اور ان کے عزیزوں کو صبر عطا فرمائے۔ اور مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

اس سال ہماری برادری کے دو ہونہار اُستاد محمد اکرام خان صاحب اور عبدالرؤف صاحب، معلمی کی مزید تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے ہیں۔ دعا ہے۔ کہ یہ دونوں پوری کامیابی کے ساتھ واپس تشریف لائیں اور اپنی جامعہ اور اپنے وطن کی اور بھی بہتر طریقے سے خدمت کر سکیں۔

ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ کا بہت پرانا ادارہ ہے۔ اس نے اب ان پڑھ بالغوں کے ساتھ ساتھ بچوں کی طرف بھی توجّہ کی ہے۔ دِلّی شہر میں جہاں جہاں ادارے کے مرکز قائم ہیں۔ بچوں کی برادری اور بچوں کے کلب کی شاخیں بھی کھولی گئی ہیں۔ بچے بڑی دلچسپی کے ساتھ اِن میں حصّہ لیتے ہیں ایک شاخ (بیری والا باغ پل بنگش) کے بچوں کی مصروفیتوں کی چند تصویریں اِس پرچے میں شائع کی جارہی ہیں۔

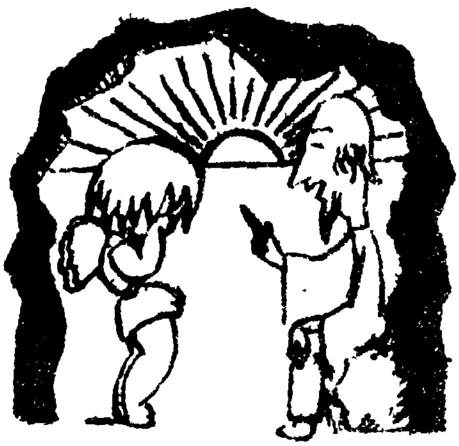
برکھا رانی

محمد شفیع الدین نیّر
جامعہ نگر، دہلی

نیند سے برکھا رانی جاگی — لو اور گرمی ڈر کر بھاگی
رانی نے وہ رنگ جمایا — اس کا آنا سب کو بھایا
بدلا دنیا نے پھر بانا — دِکھلایا پھر ڈھنگ سُہانا
دھوپ نے بستر اپنا لپیٹا — سورج بھی چھپ کر جا لیٹا
بادل آئے کالے کالے — جیسے آتے ہوں متوالے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آئیں — ہلکی ہلکی بوندیں لائیں
بجلی چم چم چم چم چمکی — بادل نے دی دھم دھم دھمکی
پھر تو ڈٹ کر برسے بادل — ایک ہوئے بس سارے جل تھل
بچّے نہائے خوش ہو ہو کر — گیت سنائے خوش ہو ہو کر
لے کر کالے پیلے ڈنڈے — موج اُڑاتے باغ میں پہنچے
آم جو پیڑ سے ٹپ ٹپ ٹپکے — بچّے جھٹ پٹ اُن پر لپکے
خوب مزے لے لے کر کھائے — پھر اپنے اپنے گھر آئے

رانی جی نے دھوم مچا دی
نیّر دل کی کلی کھلا دی

انوکھا کھیل



اتری ہوا۔ ابا ــــ ابا۔ اس اندھیرے گھپ غار میں پڑے پڑے جی اکتا گیا۔ اچھے ابا ذرا باہر ہو آنے دیجئے۔ بس تھوڑی دیر کھیل کود لوں۔ کیوں ؟ اے ابا !

ابا :۔ نہیں بیٹی ! یہ گرمیوں کا موسم ہے ذرا جاڑے آ جانے دو۔

اتری ہوا :۔ ارے نہیں ! اچھے ابا پیارے ابا بس تھوڑی دیر کے لئے۔

ابا :۔ اچھا اچھا میری بیٹی چلی جاؤ۔ پر دیکھو زیادہ نہ رکنا اور ہاں دیکھو یہ گرمیوں کا موسم ہے زیادہ تیز نہ چلنا۔

اتری ہوا :۔ ہاں ہاں ابا میں تو خود بہت احتیاط کروں گی۔

ابا :۔ جیتی رہو بیٹی !

اتری ہوا :۔ ش ــــ ا ــــ ئیں۔

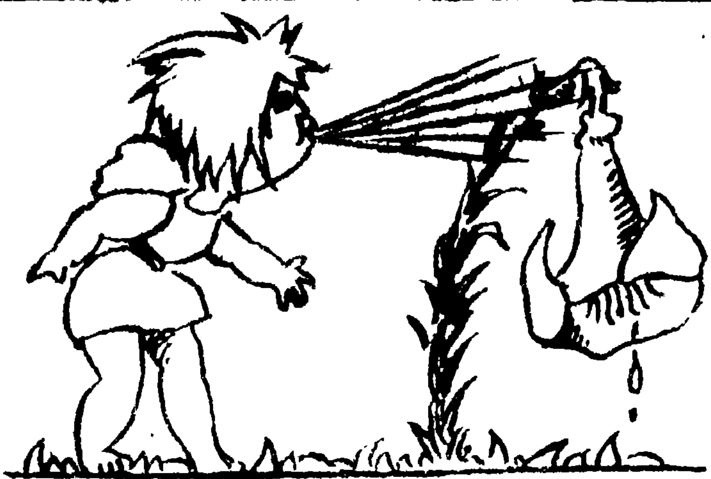
ش ــــ ا ــــ ئیں۔ ابا جی ہم تو باہر نکل آئے۔ اس موئے سڑے غار سے۔ پر اب کیا کریں۔ اے لو وہ سامنے بی سوسن ! پیاری پیاری۔ اے بی سوسن سلام۔

سوسن :۔ جیتی رہو بیٹی اتری ہوا۔ پر ــــ تم اس گرمی کے موسم میں یہاں کیسی۔

اتری ہوا :۔ ابا نے مجھے ذرا کے ذرا باہر نکل کر کھیلنے کی اجازت دے دی ہے آؤ ہم تم کھیلیں۔

سوسن :۔ نا بیٹی نا۔ مجھے اپنی پنکھڑیوں کو حفاظت سے رکھنا ہے۔

اتری ہوا :۔ اچھا ! نہیں کھیلو گی ؟ تو یہ لو ش ــــ ا ــــ ئیں۔ ش ــــ ا ــــ ئیں اور لو ــــ شا ــــ ئیں شا ــــ ئیں۔

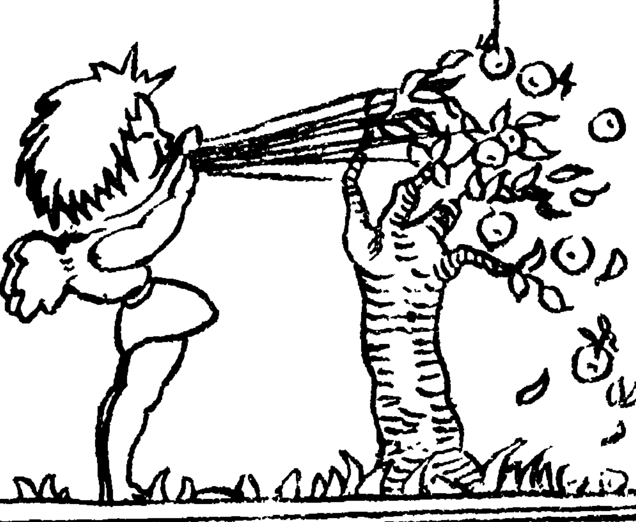


سوسن :- ارے . ارے غضب ہوگیا ، تم نے میرا ڈنٹھل توڑ دیا - میرے پھول برباد ہوگئے - بھلا اتنے زور سے چلی تو مُردار !

اتری ہوا :- تو میں کیا کروں ؟ تُم میرے ساتھ کھیلیں جو نہیں - او ہاں وہ سیب کا درخت ! چلیں اس سے کھیلنے کو کہیں - کیوں میاں سبتو سلام ! آؤ ہم تم کھیلیں -

سبتو :- نہیں ، نہیں - اس وقت نہیں - ذرا جاڑوں کا موسم آنے دو ، دیکھتی نہیں ہو پھولوں سے لدا ہوا ہوں

اتری ہوا :- دؤ ـــــ اؤ - میرے ٹھینگے سے - مجھے تمھارے سیبوں کی کیا پروا



یہ لو - ش .... -

ش ـــ آ ـــ ئیں .

شائیں .

سبتو :- ہائے غضب ہوگیا - میرے سارے پھل ٹوٹ ٹوٹ کے زمین پر گر گئے

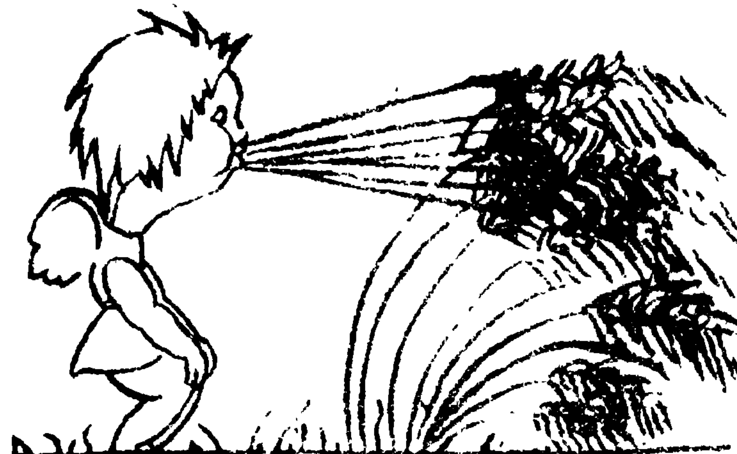
اتری ہوا :- (اٹھلاتے ، پھر تم میرے ساتھ کھیلے کیوں نہیں !! اچھا دیکھو وہ اناج کا کھیت ! میں اس کے ساتھ کھیلوں گی - او میاں کھیت ! سلام - آئو ہم تم کھیلیں -

کھیت :- نا بابا نا - میں تمھارے ساتھ نہیں کھیل سکتا - میں تو بہار کے موسم کے لئے تیاری کر رہا ہوں

اُتری ہوا :- اچھا ! یہ بات - نہیں کھیلوگے ! تو یہ لو - ش ــــ ا ـــــ ئیں

شا ——— ئیں۔

شا ———



کھیت :۔ ہائے ہائے
یہ کیا ہوا۔ میرے
سب پودے زمین
سے لگ گئے۔ اب میری
بالیں کیسے پکیں گی۔
تو نے یہ کیا غضب
کیا چڑیل۔

باپ :۔ الٹی ہوا! الٹی ہوا یہاں چلو فوراً
لوٹو۔ فوراً، فوراً اپنے غار میں واپس
جاؤ۔

الٹی :۔ کیوں۔ کیوں۔ کیا بات ہے ابا۔

باپ :۔ ابھی کلیان سنگھ کسان میرے پاس
آیا تھا۔ تمہاری شکایت کرتا تھا۔ تم نے
اس کے سوسن کے پودے توڑ دیے
سیب کے درخت سے سارے پھل
ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گر گئے۔ اس کے
اناج کے سارے کے سارے پودے
زمین سے لگ گئے۔ آخر تمہیں یہ کیا
شرارت سوجھی۔

الٹی ہوا :۔ نہیں، ابا میں تو بس کھیل
رہی تھی۔ میں نے سوسن سے اپنے
ساتھ کھیلنے کو کہا۔ وہ راضی نہیں ہوئی۔
تو میں نے اسے ذرا دھکا سا دیا۔ یہ مطلب
تھوڑی تھا کہ اسے کوئی تکلیف پہنچاؤں۔

باپ :۔ مگر تم نے اس کے خوب صورت خوب
صورت پھولوں کو برباد کر دیے۔

الٹی ہوا :۔ پھر میں سیب کے پاس کھیلنے
کو گئی۔ وہ بھی نخرے کرنے لگا تو میں نے
اسے بھی ذرا ہلا دیا۔

باپ :۔ مگر تم نے ایسا ہلایا کہ اس کے سارے
پھل زمین پر آ رہے۔

الٹی ہوا :۔ اور پھر میں کھیت کے پاس
پہنچی۔ ان میاں کا دماغ بھی چوتھے
آسمان پر تھا۔ میں ان کے اوپر چلنے لگی
تیز نہیں، یوں ہی ہلکے ہلکے۔ اب ان کے
پودے زمین سے لگ گئے تو میں کیا

کروں - میں کوئی شخص نقصان ... پہنچانا چاہتی تھی

باپ :- ہاں مگر تم نے اسے ... تنگ کر دیا۔ اچھا جاؤ اپنے غار میں واپس۔ تمہیں سردیوں تک یہیں ٹھہرنا پڑے گا۔ تم میں بہت وحشت اور ... پن ہے اور تم اس قابل نہیں ہو کہ گرمیوں میں باہر نکل کر کھیلو۔

ابھی کی ہوا ... آؤ ـــــ دو

ـــــ اور ـــــ شا ـــــ

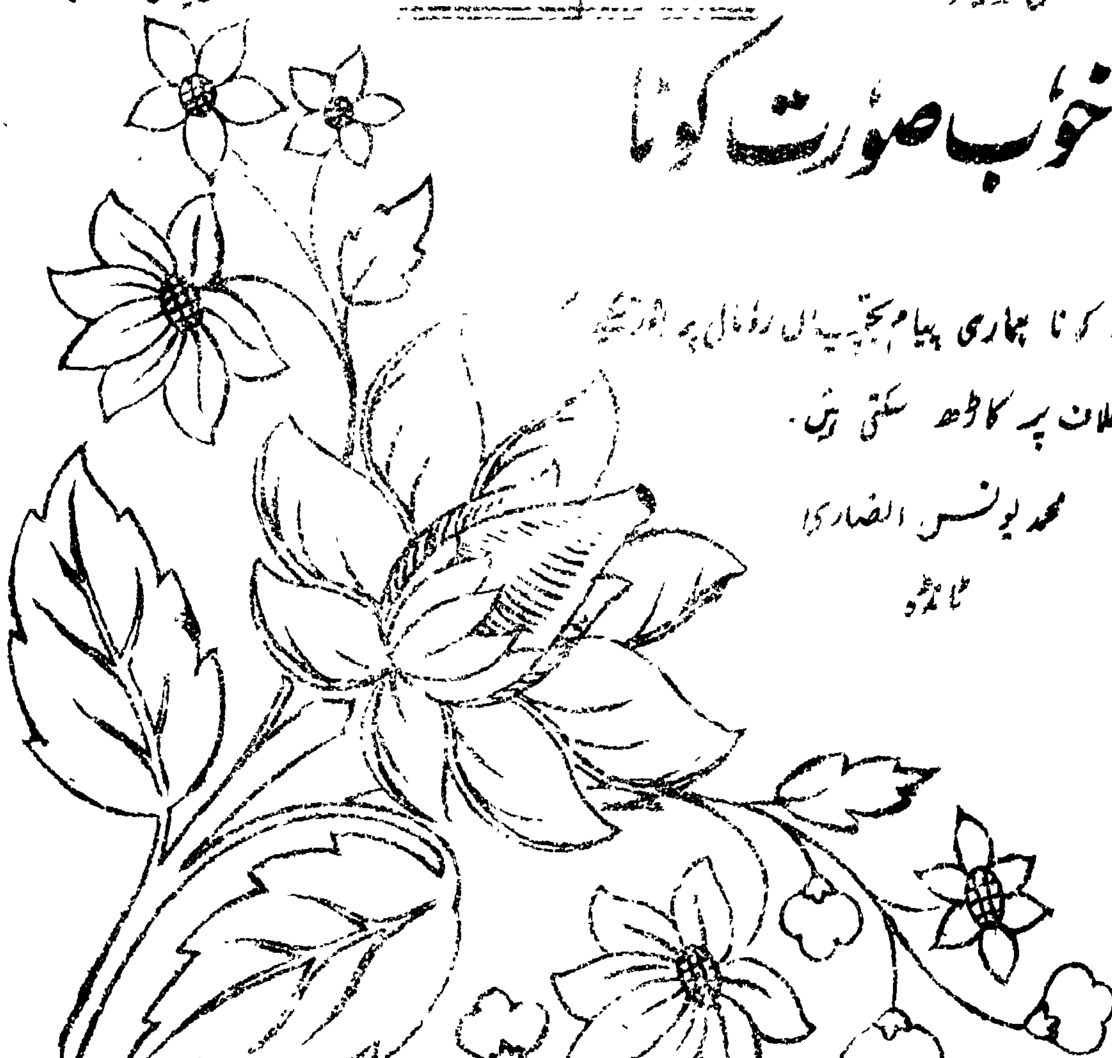
ـــــ ـــــ ش ـــــ ا

ـــــ ش ـ

باپ :- اچھا چاہتے ... چلاؤ۔ مگر تمہیں سردیوں تک ... غار میں رہنا ہے۔ چلو اندر چلو۔

(انگریزی سے)

خوب صورت کونا



یہ کونا ہماری پیام بچیاں رومال پر اور تکیہ غلاف پر کاڑھ سکتی ہیں۔

محمد یونس انصاری

ٹانڈہ

انوکھا ساتھی



ایک ریچھ والا تھا۔ وہ اپنا ریچھ گاؤں گاؤں قصبے قصبے اور شہر شہر لئے پھرتا تھا۔ ریچھ کا تماشا دکھاتا تھا۔ اور بھتی پیسے کماتا تھا۔ ریچھ بھی خوب تماشے کرتا تھا۔ بچے پیروں ٹھمک ٹھمک چلتا تھا۔ گیند کھیلتا تھا۔ ناچتا تھا اور نہ جانے کیا کیا کرتب دکھاتا تھا۔ بہت بڑا ریچھ تھا۔ بالکل کالا، بہت ہی ڈراونا مگر تھا بڑا اچھا۔ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا تھا

ایک دن شام کا وقت تھا۔ ریچھ والا ایک گاؤں میں پہنچا۔ بھوک بہت لگی تھی۔ سیدھا سرائے کی طرف گیا۔ ریچھ کو ایک مضبوط سے کھونٹے سے باندھا اور اندر جاکر روٹی کھانے لگا۔

سرائے والے بھٹیارے کے تین بچے تھے۔ چھوٹے چھوٹے۔ ایک چھ برس کا لڑکا، ایک چار برس کی لڑکی، اور ایک دو برس کا بچہ۔ سب اپنا مزے میں سپاہی سپاہی کھیل رہے تھے۔ اوپر کی منزل میں۔

اچانک زینے میں کچھ کھد کھد کی آواز آئی، جیسے کوئی سیڑھیوں پر چڑھ رہا ہو۔ یا اللہ! کون آرہا ہے!! اسے میں دروازہ کھلا اور جناب ریچھ صاحب اندر تشریف لے آئے۔ بچے بے چارے پہلے تو اتنے سہمے کہ کمرے کے کونوں میں جا چھپے۔ ریچھ خود اُن کے پاس گیا اور انھیں سونگھنے لگا۔ بچوں کی جان میں جان آئی۔ انھوں نے سوچا ہو نہ ہو یہ کوئی بڑا کتا ہے۔ پھر تو اس کے ساتھ خوب کھیلے۔ ریچھ زمین پر لیٹ گیا۔ اور بچی اس پر سوار ہو گئی۔ بڑے لڑکے نے اپنا ننھا منا ڈھول سنبھالا اور بجانا شروع کیا۔ اب تو ریچھ اور مزے میں آیا۔ پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور لگا باجے کی آواز پر ناچنے اور تھرکنے۔

بچوں نے کہا: "بھئی یہ بڑا کتا سپاہی سپاہی کھیلنا چاہتا ہے۔ آؤ کھیلیں"۔
ہر بچے نے اپنی بندوق سنبھالی۔ ایک بندوق ریچھ کو بھی تو چاہیے تھی۔ اُسے بھی دی گئی۔ اب قواعد پریڈ شروع۔ ایک۔ دو۔ ایک دو۔ دایاں۔ بایاں۔ دایاں۔ بایاں اتنے میں بچوں کی ماں بھٹیارن کسی کام سے اوپر آئیں۔ بچوں کے پاس ایسے ڈراؤنے ریچھ کو دیکھ کر اوسان خطا ہو گئے۔ بے تحاشا مدد کے لئے چلائیں۔

ریچھ والا بھاگا بھاگا اوپر آیا۔ اور بولا:-
"درست۔ درست۔ میرا ریچھ کھلاڑی ہے۔ بچوں سے کچھ نہیں کہے گا۔ اور ریچھ کو نیچے لے جانے لگا"۔

بچے بولے:-
"ہم تو اس بڑے کتے کے ساتھ سپاہی سپاہی کھیلیں گے"۔

بچی بولی:-
"امی امی اِسے واپس بلا لیجیے"۔

سورج کے گرد زمین کا چکر

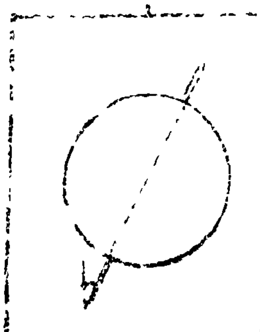
(مسلسل)

ڈاکٹر سلامت اللہ [illegible]
لیکچرر [illegible]

اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے ایک کھیل کھیلو

کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر دو۔ میز پر ایک موم بتی جلا کر رکھ دو یہ تمھارا سورج ہے۔ گیند یا نارنگی کے بیچ میں ایک نوک دار لکڑی چبھو دو۔ یہ تمھاری زمین ہے۔ لکڑی زمین کی کیلی ہے۔

موم بتی کے چاروں طرف ایک دائرہ بناؤ۔ گیند کو اس طرح پکڑو کہ اس کی کیلی جھکی ہوئی رہے، سیدھی نہیں جیسا نیچے تصویر میں دکھایا گیا ہے۔



گیند کو اسی حالت میں پکڑے ہوئے دائرے پر چلو۔ جہاں سے چلے تھے جب وہیں پہنچ جاؤ تو پورا ایک چکر ہو جائے گا۔ اس میں جتنا وقت لگا ہے۔ اسے سمجھو کہ زمین کا ایک سال ہے۔

[illegible] کی پھر اسی دائرے پر [illegible] ساتھ ساتھ زمین کو اس کی کیلی پر بھی گھماتے جاؤ۔ جتنی دیر میں زمین سورج کے چاروں طرف ایک بار گھومتی ہے۔ [illegible] وہ اپنی کیلی پر [illegible] ہے۔ اسی طرح ایک سال میں ۳۶۵ [illegible] ہوتے ہیں۔

گیند پر ایک نشان [illegible] گیند کو موم بتی کے چاروں طرف [illegible] کیلی ہمیشہ ایک ہی طرف جھکی رہتی ہے۔

غور سے دیکھو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ زمین کے راستے کے ایک حصہ میں زمین کا شمالی حصہ سورج کی طرف جھکا ہوا رہتا ہے اور جنوبی آدھا حصہ سورج سے دور رہتا ہے۔ اس وقت شمالی حصے کو

زیادہ روشنی اور گرمی ملتی ہے۔ اور جنوبی حصے کو کم۔ تمھارا گھر زمین کے شمالی حصے میں ہے۔ اس لیے تمھارے ہاں یہ گرمی کا موسم ہے اور زمین کے جنوبی حصے میں یہ سردی کا موسم ہے۔

زمین کے راستے کے دوسرے حصے میں اس کا اُلٹا ہوتا ہے۔ زمین کا شمالی حصہ سورج سے دور ہو جاتا ہے اور جنوبی حصہ قریب آ جاتا ہے۔ یہ تمھارے ہاں سردی کا موسم ہے۔ زمین کے جنوبی حصے میں اس وقت گرمیاں ہوں گی۔

گرمی اور سردی کے موسم کے بیچ میں زمین کی کیا حالت ہوتی ہے؟

اس وقت نہ تو شمالی حصہ سورج کی طرف جھکا ہوتا ہے اور نہ جنوبی حصہ۔ اس لیے دونوں حصوں کو برابر برابر گرمی اور روشنی ملتی ہے۔ اس موسم میں نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے اور نہ سردی۔

چمپاوت کا آدم خور شیر

(آخری قسط)

محمد معین مدرسہ ثانوی جامعہ

تحصیل دار گاؤں میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے حالات بتلائے اور ہدایت کی کہ جتنے آدمی بھی مل سکیں اکھٹے کرے۔ اور صبح کو دس بجے جہاں لڑکی ماری گئی تھی مجھ سے آکر ملے۔ اُس نے وعدہ کیا اور چمپاوت روانہ ہوگیا۔ میں اپنے بنگلے چلا آیا

دوسرے دن صبح تڑکے اُٹھا تھوڑا ناشتہ کیا۔ اپنے آدمیوں کا سامان کے ساتھ چمپاوت بھیجا، اور ہدایت کی کہ میرے آنے تک انتظار کریں۔ پھر میں بھی چل پڑا، اور اس جگہ پہنچا جہاں تحصیل دار سے ملنا تھا۔ لوگوں کو جمع کرنے میں تحصیل دار کو کافی دیر لگی، اس کا مجھے یقین تھا لوگ شیر کے ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلتے تھے۔ دس بجے تحصیل دار دو آدمیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے بعد اور آدمی آنے شروع ہوئے۔ دو دو تین تین کی ٹولیاں آتی تھیں۔ دوپہر تک کوئی دو سو آدمی جمع ہوگئے۔ تحصیل دار نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ بے لائسنس کے ہتھیاروں کی پکڑ نہ کرے گا۔ اور بارود وغیرہ بھی فراہم کرنے کی حامی بھری۔ اس طرح ہتھیاروں کا ایک ذخیرہ جمع ہوگیا۔ ہتھیار مل گئے اور آدمی سب جمع ہوگئے تو میں نے کہا کہ پہاڑی کی چوٹی پر لائن بنا کر کھڑے ہوجائیں اور جب مجھے دیکھیں تو رومال ہلائیں، ڈھول پیٹیں اور بندوقیں داغیں۔ جب سب نے سُن لیا اور سمجھ گئے تو میں اور تحصیل دار روانہ ہوئے۔

میں نے چکر لگا کر وادی کے اوپری حصے کو پار کیا، پھر سامنے والی پہاڑی پر گیا۔ ایک جگہ ایک چیڑ کے درخت کے پاس، راستہ بہت ڈھلوان تھا تحصیل دار نے کہا کہ وہ جوتے پہن کر اس پر سے نہیں جا سکتا تھا۔ وہ جوتے اُتارنے لگا، چوٹی پر لوگ یہ سمجھے کہ میں اشارہ کرنا بھول گیا ہوں۔ انھوں نے ڈھول پیٹنا

اور بندوقیں داغنا شروع ہیں۔ میں ابھی گھاٹی سے کوئی ڈیڑھ سو گز دور تھا۔

میں جلدی سے بھاگ کر وہاں پہنچا اور ایک جگہ جہاں گھاس دو دو فٹ اونچی تھی چھپ کر بیٹھ گیا۔ جس راستے سے میں سمجھتا تھا کہ شیر آئے گا وہ اوپر میرے بائیں طرف تھا۔

لوگوں کے چیخنے چلانے کی وجہ سے بے پناہ ہنگامہ برپا تھا، اور پورا علاقہ گونج رہا تھا۔ اس وقت میں نے شیر کو دیکھا کہ سامنے کی پہاڑی سے اتر رہا ہے۔ وہ مجھ سے کوئی سو گز دور تھا۔ شیر کچھ ہی دور گیا تھا کہ تحصیل دار نے اپنی بندوق کی دونوں نالیاں داغ دیں۔ شیر آواز سن کر جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے لوٹ گیا۔ میں نے بھی مایوسی کی حالت میں اپنی بندوق چلا دی۔

تین فیر سن کر لوگوں نے چیخنا چلانا اور ڈھول بجانا ختم کر دیا۔ میں سانس روکے تاک میں بیٹھا تھا کہ اچانک شیر میرے بائیں طرف نمودار ہوا۔ چشمے کے گرد گھوم کر، وہ سیدھا گھاٹی کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اپنی ۵۰۰ رائفل سے گولی چلائی۔ شیر بالکل رک گیا۔

میرا خیال تھا کہ گولی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں لگی ہے۔ اپنا سر نیچا کئے اور دانت نکالے، اس نے اپنی گردن موڑی اور مجھے ایک بہت صاف نشانہ لگانے کا موقع دیا۔ ارے! وہ تو اب بھی اسی طرح کھڑا رہا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے حملہ کر دیا تو میں کیا کروں گا۔ میری رائفل میں اب ایک بھی کارتوس نہ تھا۔

میں کل تین کارتوس لایا تھا، مجھے یہ امید نہ تھی کہ دو سے زیادہ فیر کرنے کی نوبت آئے گی۔ تیسری گولی احتیاطاً رکھ لی تھی۔

خوش قسمتی سے زخمی شیر نے حملہ کرنے کا ارادہ نہ کیا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ سے مڑا، چشمہ پار کیا اور دائیں طرف کے چٹانوں پر چڑھا۔ وہاں سے ایک تنگ راستہ اس بالکل ڈھلوان پہاڑی کی طرف جاتا تھا وہاں ایک چٹان پر اگی ہوئی جھاڑی کو نوچنے لگا۔ میں نے تحصیل دار کو پکارا کہ اپنی بندوق مجھے دے دے اور جواب کا انتظار کئے بغیر میں اس کے پاس بھاگا ہوا گیا اور بندوق اس کے ہاتھوں سے چھین کر واپس آیا۔

شیر جھاڑی کو چھوڑ کر میری طرف چلا۔ جب وہ مجھ سے کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر آگیا تو میں نے بندوق اٹھائی، کیا دیکھتا ہوں کہ کندے اور نالیوں کے درمیان ½ انچ کا فاصلہ ہے

ایسی حالت میں بندوق چلانے میں خطرہ تھا کہ میں خود اندھا ہو جاؤں گا۔

پر اب میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ میں نے شیر کے کھلے منہ کا نشانہ لگا کر بندوق داغ دی۔ یا تو اس بندوق میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ نرخرے تک گولی پہنچ سکے۔ یا پھر میں نے غلطی کی تھی۔ گولی بجائے منہ کے شیر کے داہنے پنجے میں لگی جسے بعد میں میں نے ناخن میں سے نکالا۔ خوش قسمتی سے شیر آخری سانسیں لے رہا تھا اور یہ آخری زخم بھی اس کو ختم کرنے کے لئے کافی تھا۔

گاؤں والے پہاڑی پر سے بھالے، زنگ آلود تلواریں اور کلہاڑیاں لے لے کر دوڑ پڑے۔

سب سے آگے جو آدمی تھا وہ اپنی تلوار ہلا ہلا کر کہہ رہا تھا "یہی ہے وہ شیطان جس نے میری بیوی اور بچوں کو مارا۔"

تھوڑی دیر بعد جب مجمع کا ہیجان کچھ کم ہوا تو یہی آدمی بولا کہ صاحب ہم اپنے دشمن کو مرا ہوا دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہو گئے تھے مگر اب یہ دیوانگی جاتی رہی ہے اور امید ہے کہ آپ اور تحصیل دار صاحب ہمیں معاف کریں گے۔

اب ہم شیر کو ایک کھلی جگہ لے آئے، جہاں تمام آدمیوں نے اسے دیکھا۔ میں نے جب اس کے منہ کے اندر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے آگے کے دو دانت کسی بندوق کی گولی سے ٹوٹ گئے تھے، اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے اصلی شکار ہرن، گرل (پہاڑی بکری) اور نیل گائے وغیرہ کو نہیں مار سکتا تھا، اور اس کی جگہ آدمیوں کو کھانا شروع کر دیا تھا۔

گاؤں والوں نے مجھ سے التجا کی کہ شیر کی کھال یہاں نہ اتاری جائے۔ گاؤں کے بچے اور عورتیں جب تک اپنے اس خوفناک دشمن کو اپنی آنکھوں سے مرا ہوا نہ دیکھیں گے اس کے مرنے کا انھیں یقین نہ آئے گا۔

ہانکے والے اسے اٹھا کر گاؤں لے چلنے لگے۔ سب خوشی میں گاتے ہوئے جا رہے تھے۔ راستے میں انھیں اس لڑکی کا سر ملا جو چمپاوت کے آدم خور کا آخری شکار تھی۔

چند مہینے بعد نینی تال میں ایک دربار ہوا اس میں تحصیل دار کو ایک نئی بندوق اور اس آدمی کو جو لڑکی کی تلاش میں میرے ساتھ گیا تھا۔ ایک شکاری چاقو انعام میں دیا گیا۔

تمھیں وہ عورت تو یاد ہو گی جو شیر کے ڈر سے گونگی ہو گئی تھی، اس نے جب یہ سنا کہ شیر مر چکا ہے تو پھر بولنے لگی۔

(ختم)

شکار

محسن حامد۔ ثانوی چہارم (جامعہ)

ہماری بورڈنگ کے چاروں طرف کتوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ بھورے، کالے سفید، لال، ہر رنگ کے کتے رہتے بستے ہیں۔ بوڑھے، ادھیڑ اور پلّے سب ہی شامل ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اِن کی غذا کا کیا انتظام ہے۔ تو صاحب بظاہر تو یہ ہوا پھانکتے ہیں لیکن یہ بات ہے نہیں!

آدھی رات کو جب ساری مخلوق نیند کے مزے لے رہی ہوتی ہے۔ ہمارے یہ پڑوسی اپنے اپنے گھروں سے جمائیاں لے لے کر اُٹھتے ہیں اور ڈائننگ ہال کی مُنگی (یہاں دن بھر کی بچی کھچی روٹیوں کے ٹکڑے اور اسی قسم کے دوسرے لوازمات جمع ہوتے ہیں)، کا رُخ کرتے ہیں یہاں ان کے کھانے کا پہلے ہی انتظام ہوتا ہے کھا پی کر پھر اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جاتے ہیں اور بغیر کسی شور و شغب کے نہایت اطمینان سے ہاتھ پاؤں پھیلا کر سو جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پڑوسی بہت خاموش اور نیک دل ہیں ہماری نیند میں خلل نہیں ڈالنا چاہتے۔

کچھ دن ہوئے جب ہمارے ان پڑوسیوں میں ایک کا اور اضافہ ہوا۔ بھورا رنگ پچھلی ٹانگ پر کاٹے کا نشان۔ پیٹ اور گردن کے بال ندارد (شاید کھاج ہوگا۔) بایاں کان تقریباً...... صاف۔ شاید کسی قریب کے گاؤں سے تشریف لائے ہیں۔

رات کو جب اُن کے سب ساتھی کھا پی کر فارغ ہو لیتے ہیں تو آپ گھر سے نکلتے ہیں۔ شروع شروع میں تو کھانے پینے کے سلسلے میں کافی پریشانی رہی لیکن ایک دِن خُدا جانے ان کے جی میں کیا آئی کہ چلو آج بورڈنگ ہو آئیں شاید

کھل جائے ورنہ شیری ہو جائے گی

خیر تو آہستہ آہستہ زینے طے کر کے اوپر پہنچے۔ چاروں طرف قبرستان کی سی خاموشی تھی بڑے خوش ہوئے، اور ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ سامنے والے کمرے کی کھڑکی کھلی دیکھی تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ایک ہی پھلانگ میں کھڑکی کے اوپر تھے سامنے والی الماری کا ایک پٹ کھلا تھا۔ یہ دیکھ کر خوشی میں اور اضافہ ہوا۔ ادھر ادھر دیکھا، کچھ سونگھا سانگھا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے الماری تک پہنچے۔

"ہاں اب ٹھیک ہے کوئی خطرہ نہیں سب سوئے ہوئے ہیں .... ارے رے رے یہ کیا .... اوہ کچھ بھی نہیں کسی لڑکے نے سوتے میں کروٹ لی تھی .... کتنا وہمی ہوں میں بھی"

اب دوبارہ ادھر ادھر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی کچھ سونگھا سانگھا، اور اطمینان کر کے سر الماری میں داخل کر دیا واہ وا کیا ہاتھ مارا، مکھن کا ڈبہ، ڈبل روٹی، اہا پنیر! پنیر! اچھا لاؤ پہلے پنیر ہی کھا لیں، بڑی بھوک لگ رہی ہے۔ ڈبل روٹی؟ نہیں نہیں یہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے ... پھر گھاس کا تو ذکر ہی، دودھ کھلا ہے۔ چلو اس کو لے چلتے ہیں۔ میز کے نیچے اطمینان سے بیٹھ کر کھائیں گے

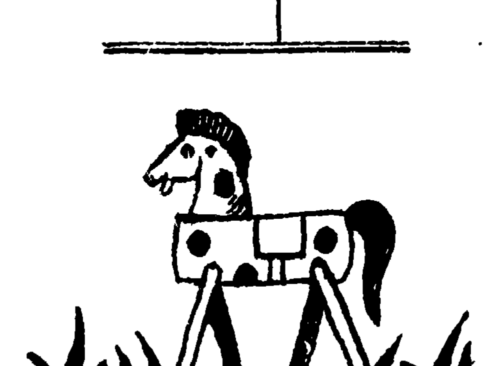
اب تو روزانہ کا معمول ہو گیا۔ کبھی مکھن کا ڈبہ غائب ہے، کبھی پنیر کا۔ دودھ کا برتن بھی خالی ملنا تو عجیب مشکل ہے۔ ہم نے اتالیق صاحب سے شکایت کی لیکن وہاں الٹے ہمارے خلاف ڈانٹ ہم ہی کو سننا پڑی: "دیکھئے یہ مذاق اچھا نہیں، اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے یا کچھ کھانے کو جی چاہے تو مانگ لیا کیجئے۔ میں انکار نہیں کرتا، لیکن اس چیز کو میں قطعی گوارا نہیں کر سکتا کہ بورڈنگ میں چوریاں ہوں۔ اگر آئندہ کوئی ایسی خبر مجھ تک پہنچی تو آپ سب کا جیب خرچ بند!"

کل صبح عجیب واقعہ پیش آیا میرا ایک جوتا چارپائی کے پاس سے غائب تھا۔ جرمانے کے ڈر سے اتالیق صاحب سے تو نہ کہا، لیکن ملازم سے کہہ دیا کہ ڈھونڈ لے اور تاکید کر دی کہ اگر اتالیق صاحب پوچھیں بھی آج کوئی واقعہ تو پیش نہیں آیا تو اس کی خبر ان کو نہ کرے

اُسی دن دوپہر کو جوتا ڈاک خانے کے پاس والے نیم کے نیچے پڑا مل گیا۔ اب بات کچھ سمجھ میں آئی ہو نہ ہو یہ ہمارے ہی پڑوسی بھائیوں میں سے کسی صاحب نے مذاق کیا ہے۔ اسی درخت کے نیچے دو ایک دفعہ اور مجھ کو بورڈنگ کی چیزیں پڑی ملی تھیں۔

اسی دن میں نے تہیہ کر لیا کہ آج اپنے اس مہربان کا پتہ لگاؤں گا۔ آج شام ہی سے کھانے کا کچھ سامان میں نے الماری میں رکھ دیا اور اپنی اس مہم کی خبر کسی کو نہ کی۔

دس بجے جب سب لڑکے سو چکے تھے میں اُٹھا اور بہت سے جوتے اپنے پاس جمع کئے۔ ایک کریپ سول کی نئی چپل اپنے ہاتھ میں بھی تھام لی کہ موقع پر زیادہ زحمت نہ اُٹھانا پڑے۔ اس طرح جوتوں سے لیس ہوکر میں معزز مہمان کے انتظار میں لیٹ گیا۔ تقریباً گیارہ کا عمل ہوگا میں دیوار کی طرف کروٹ لئے لیٹا تھا کہ الماری کی طرف کچھ کھڑبڑ ہوئی میں نے چپل کو اور مضبوطی سے ہاتھ میں تھام لیا، اور کنکھیوں سے الماری کی طرف دیکھنے لگا۔ کروٹ لینے کا موقع نہ تھا۔ اتنی دیر میں ہمارا پڑوسی مُنہ الماری میں ڈال چکا تھا میں نے جلدی سے کروٹ لی اور نشانہ داغ دیا مگر یہ کیا؟ شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ میرا نشانہ غلط پڑا تھا جوتا اُس کے سر پر سے سرسراتا سامنے والے شیشے پر پڑا تھا شکار ہاتھ سے نکل گیا۔



نکموں کی باتیں

فاروق احمد عارفؔ نیپالی

ہم جو پڑھنے میں سر کھپاتے ہیں
مُفت میں وقت سب گنواتے ہیں

قید خانہ ہے یا مدرسہ ہے
روز واں جاکے مار کھاتے ہیں

دل تو لگتا نہیں ذرا اپنا
بیٹھ کر یوں ہی لوٹ آتے ہیں

گھونسے تھپڑ پہ بس نہیں کرتے
ہائے مُرغا ہمیں بناتے ہیں

ماسٹر ہم سے پوچھتے ہیں سوال
اور ہم اپنا سر کھجاتے ہیں

گر کبھی اُن کے ہم ہوئے اُستاد
دیکھنا کیا مزا چکھاتے ہیں

بھیج کر روز مدرسے عارفؔ
ہم کو ماں باپ بھی جلاتے ہیں

پڑھنے والے گھوڑے

(عبدالحلیم ندوی، بی اے، جامعہ)

تم نے بولتے اور [illegible] کو پڑھتے اور باتیں کرتے [illegible] لیکن کسی گھوڑے [illegible] کو بھی پڑھتے لکھتے یا باتیں کرتے سُنا [illegible] میں [illegible] اور گنتے [illegible] [illegible] اور تم [illegible] نہیں سچ اور تم [illegible] یہ بات ہے [illegible] تین گھوڑوں نے [illegible] روز صبح اسکول جاتے تھے اور تمھاری طرح اپنا سبق پڑھتے تھے اور تم کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یہ گھوڑے حساب میں تو تم سے اچھے [illegible] تھے۔ اب بھی یقین نہ آیا تو سن لو:

جرمنی کے ایک شہر البرفلڈ میں ایک مالدار [illegible] رہتا تھا: ہیر کرال۔ ہیر کرال کو گھوڑے پالنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے پاس بہت سی خوب صورت گھوڑے تھے۔ ایک روس سے لایا تھا اور اس کا نام ہانس تھا۔ دو عرب کے تھے، ان میں سے ایک کا نام فہیم اور دوسرے کا نام ظریف تھا۔ یہ گھوڑے اتنے سمجھدار تھے کہ اپنے مالک کے اشاروں تک کو سمجھ جاتے تھے اور اگر ان کو علم [illegible] جاتا تو بالکل آدمیوں کی طرح [illegible] کرتے۔ [illegible] نے اُن کی سمجھداری دیکھی تو سوچا کیوں نہ میں ان گھوڑوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دوں۔ یہ ایک نئی بات بھی ہوگی اور گھوڑے بھی بہت قیمتی ہو جائیں گے لیکن سوال یہ تھا کہ پڑھایا کیسے جائے۔ یہ کوئی آدمی تو ہیں نہیں۔ یہ تو گھوڑے ہیں۔ نہ بول سکیں اور نہ اُن کے ہاتھ کہ لکھ سکیں۔ اب پڑھائیں تو کیسے پڑھائیں۔ بڑا مشکل اور سخت کام تھا۔ ہیر کرال کو بھی لو لگی ہوئی تھی۔ اس نے بہت سوچا، کئی دن تک غور کرتا رہا۔ آخر ایک دن اُس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے ایک تختہ سیاہ منگایا، اور جو حرف انھیں بتانا چاہتا اُسے پہلے اپنی زبان سے کئی دفعہ گھوڑوں کے سامنے رٹتا مثلاً اگر الف بتانا

ہو تو سب سے پہلے وہ آٹھ دس مرتبہ گھوڑوں کو سامنے کھڑا کر کے الف الف کہتا، جب یہ سمجھ لیتا کہ گھوڑوں نے الف کو اپنے دماغ میں یاد کر لیا ہے تو پھر تختۂ سیاہ پر ایک چوکور خانہ بنا کر اس کے اندر الف لکھ دینا [ا] لکھ چکنے کے بعد الف پر ہاتھ رکھ کر پھر آٹھ دس مرتبہ الف الف کہنا اور اس طرح اُن سے اس حرف کو پہچنوانا۔ کئی دفعہ اور بار بار دُہرا چکنے کے بعد جب کرال یہ سمجھ لیتا کہ اب گھوڑوں نے الف کی شکل پہچان لی ہے تو پھر اس کے لکھنے کا طریقہ بتاتا اور ان سے کہتا کہ جب تم الف لکھنا چاہو تو اپنی ٹاپ ایک دفعہ زمین پر ٹپکا کرو۔ یہ سمجھا کر خود بھی اپنا پاؤں زمین پر مارنے لگتا، اور گھوڑوں سے بھی ٹانگیں ٹپکواتا جاتا۔ اور



جب تم الف لکھنا چاہو تو اپنی ٹانگ ایک دفعہ زمین پر ٹپکا کرو

اسی طرح آٹھ دس دن تک اس لفظ کی اُن کو مشق کراتا۔ چنانچہ گھوڑے اس لفظ کو اتنی اچھی

طرح یاد کر لیتے کہ کبھی نہ بھولتے اور نہ غلطی کرتے جب کرال دیکھتا کہ گھوڑوں نے اس حرف کو پڑھنا اور لکھنا سیکھ لیا ہے تو ب کا پڑھنا اور لکھنا بتاتا۔ اور اسے پہلے خود کئی بار کہتا پھر تختۂ سیاہ پر لکھ کر پہچنواتا۔ جب گھوڑے "ب" کو پہچان جاتے تو انھیں بتاتا کہ جب تم اس لفظ کو لکھا کرو تو اپنا پاؤں دو دفعہ زمین پر ٹپکا کرو۔ غرض اسی طرح اس نے ساری الف بے ان گھوڑوں کو پڑھا دی اور لکھنا سکھا دیا۔ گھوڑوں نے بھی بڑی محنت اور ہوشیاری سے اپنے سبق یاد کر لئے۔ کرال کو ان گھوڑوں کے پڑھانے میں بڑی تکلیف ہوئی۔ کبھی کبھی اسے ایک ایک حرف کو سو سو مرتبہ کہنا پڑتا مگر تھا دھن کا پکا۔ ہمت نہ ہاری اور لگا رہا اپنے کام میں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ گھوڑے اپنا سبق خوب یاد کر لیتے اور اس سے کرال کو اتنی خوشی ہوتی کہ وہ اپنی ساری تکلیف بھول جاتا۔

پڑھنے اور لکھنے کے ساتھ کرال نے ان گھوڑوں کو گنتی اور حساب بھی سکھایا تھا صرف جمع اور تفریق ہی نہیں بلکہ ضرب تقسیم اور دوسرے سوالات بھی یہ گھوڑے بہت اچھی طرح کر لیتے تھے اور کبھی تو تم سے بھی اچھا۔ پر وہ اپنے جواب کاغذ پر نہیں لکھتے تھے بلکہ سوال کا جواب اپنے دماغ میں سوچ کر زمین پر لکھ دیتے تھے۔ کرال نے ان کو بتایا تھا کہ جب دس کا ہندسہ کہنا چاہو تو اپنا بایاں پاؤں زمین پر ایک مرتبہ ٹپک دیا کرو، اور جب دس سے کم کا ہندسہ مثلاً ایک، دو چار کہنا چاہو تو دایاں پاؤں ایک مرتبہ زمین پر ٹپکا کرو۔ فرض کرو کہ کسی سوال کا جواب ۶۴ آتا ہے اور تم کسی گھوڑے سے پوچھتے تو سب سے پہلے وہ ادھر ادھر اپنے کان ہلاتا، کچھ سوچتا، پھر بڑی تیزی سے اپنا بایاں پاؤں ٹپ ٹپ ٹپ زمین پر چھ مرتبہ مارتا یعنی ۶۰ اور اتنی ہی تیزی سے داہنا پاؤں چار مرتبہ ٹپ ٹپ ٹپ زمین پر ٹپکتا یعنی ۴۔ اب تم سمجھ جاتے کہ ۶۰ اور ۴ = ۶۴ یہ طریقہ گھوڑوں نے اتنی اچھی طرح یاد کیا تھا کہ کتنا ہی ٹیڑھا سوال تم کرتے وہ ضرور اس کا جواب بتا دیتے اور بالکل صحیح۔

(باقی آئندہ)



شِکاری لڑکا

از محمود حسین ۔ اُستاد مسلم یونیورسٹی اسکول

ایک سنسان جنگل میں اُونچے پہاڑوں کی گود میں، برگد کے بڑے سے پیڑ پر، ایک فاختہ کا گھونسلا تھا۔ فاختہ کو جب گرمی سردی اَور بھوک پیاس ستاتی تو اُداس ہو جاتی۔ پر وہ خوش ہوتی یا اُداس۔ دن بھر دانے دُنکے کی کھوج میں نہ جانے اُسے کہاں کہاں جانا پڑتا۔ جیسے تیسے پیٹ کی آگ بجھاتی۔

سورج ڈوبنے سے پہلے جب کچھ اندھیرا ہونے لگتا۔ جنگل کے پنچھی بسیرا کرنے کو اَور تھکے ہارے کسان اپنے اپنے کاموں سے نِرچِنت ہوکر گھروں کو لَوٹتے ہوتے، یہ بے چاری کسی پیڑ پر بیٹھ کر کوُکوُ کرتی۔ جنگل میں چاروں طرف نِگاہ دوڑاتی۔ آسمان کی طرف نظر اُٹھاتی، اپنے پر پُھلاتی۔ گردن نیچے کرلیتی اَور کوُ کوُ کوُ کوُ کرنے لگتی۔ جب اندھیرا بڑھ جاتا یہ اپنے گھونسلے میں چلی جاتی۔ آنکھیں بند کرلیتی۔ بے چاری کا دل دھڑکتا رہتا۔ کبھی جو آنکھ کھل جاتی تو کوُکوُ کوُکوُ کرلیتی۔ بس یوں ہی رات گذر جاتی۔

صبح سویرے مُنہ اندھیرے جب اوس سے پتے بھیگے ہوتے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلتی ہوتی۔ پیڑ جھُومتے ہوتے۔ پُورب کی طرف سے لال لال اَور گول گول سورج نکلتا ہوتا تو یہ اُٹھ جاتی اَور کوُکوُ کرکے خوش ہوتی، جنگل میں دھیمی دھیمی آواز ایسے گونجتی جیسے خوشبو مہکتی ہے۔ دِن چڑھتے چڑھتے یہ بھی غریب مزدور کی طرح پیٹ کی فکر میں نکل پڑتی۔

سردی کے دنوں میں کڑاکے کا جاڑا پڑتا ہوتا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتیں، جھاڑا پڑتی ہوتی۔ یہ بے چاری تھرتھرا کر رہ جاتی۔ سورج نکلتا تو پر پُھلاکر دھوپ لیتی۔ سردی دُور کرتی۔

برسات کے دن آتے، کاجل جیسا اندھیرا

چھا جاتا۔ اندھیری رات، سنسان جنگل، ہوا سائیں سائیں چلتی اور بجلی چمکتی ہوتی، بادل گرجتے، پیڑ جھکے پڑتے۔ بڑی بڑی بوندیں ٹپ ٹپ گرتیں اور ہوتے ہوتے پتّیوں میں سے ٹپکنے لگتیں۔ فاخنہ بھیگ جاتی، تنکے بھیگ کر گھونسلے کے تنکے، گلے گلائے بودے تنکے بکھرنے لگتے۔ فاختہ کا دل دھڑکنے لگتا۔ غریب پھڑ پھڑاتی، آنکھوں میں آنسو بھرلاتی سمٹ سمٹا کر بیٹھ جاتی۔ بس یوں ہی رات گزر جاتی۔

گرمی کے دن آتے، گرم گرم لوئیں چلتیں، زمین تپتی، تالاب اور پوکھر خشک ہو جاتے ننھے منّے پودے سوکھ جلتے۔ ہرے بھرے پیڑ ننگے بوچے ہو جاتے۔ آندھیاں آتیں، گھونسلے کے تنکے بکھرنے لگتے۔ فاختہ دانے پانی کو ترستی۔ لوگ برف اور کورے گھڑوں کا پانی پیتے۔ فاختہ لو کے مارے ہوئے گرم پانی کو ترستی۔

تھوڑے دنوں بعد فاختہ نے چھوٹے چھوٹے دو انڈے دئے۔ اب اُن کی فکر پڑ گئی۔ اب ہر دم انڈوں کا کھٹکا لگا رہتا۔ کیا کیا سوچتی اور کیسے کیسے سوچتی۔ انڈے گر کر پھوٹ نہ جائیں۔ کوّے کل مٹھے چرا نہ لے جائیں۔ تنکے نہ بکھرنے پائیں جو انڈے گھونسلے سے گر جائیں۔

فکروں کی ماری فاختہ ایک دن بہت اداس تھی۔ ایکا ایکی اس کے انڈے چٹ چٹ پھٹے اور ان میں سے لال لال چونچ والے دو بچے چوں چوں کرتے نکلے۔ اب کیا پوچھنا فاختہ نہال ہو گئی۔ خوشی سے جی دھڑکنے لگا۔

بچے اب دھیرے دھیرے بڑھنے لگے فاختہ دور دور سے ایک ایک دانہ چونچ میں دبا کر لاتی اور بچوں کو بھراتی۔ بچوں کا پیٹ بھر جاتا تو خوب چوں چوں کرتے۔

دکھ سکھ سہتے فاختہ کے بچے کچھ بڑے ہوئے۔ اُن کے پر نکل آئے۔ ——— اور کچھ دنوں بعد تو ایک ڈالی سے پھدک دوسری ڈالی پر بیٹھ جاتے۔ کبھی کبھی پیڑ کے نیچے بھی آ جاتے۔ کوئی کھٹکا ہوتا تو پھر سے اُڑ کر اونچی سی ڈالی پر بیٹھ جاتے۔ ذرا اور سیانے ہوئے تو فاختہ کے ساتھ دور دور کے دھاوے مارنے لگے۔

آدمی کے بچے سوجھ بوجھ کی باتیں گھر پر یا مدرسے میں سیکھتے ہیں۔ فاختہ اپنے بچوں کو یہ باتیں خود سکھاتی۔ بچے یہ باتیں

بہت دھیان سے سنتے۔ جنگل جنگل گھومتے اور چک چگا کر سورج ڈوبنے سے پہلے اپنے گھونسلے میں آ جاتے۔

ایک دن فاختہ اکیلی ہی اُڑ گئی، اور اُڑتے اُڑتے دور نکل گئی، بہت دور ہو کر پیاسی۔ تھکی ہاری ایک جنگل کے پیڑ پر بیٹھی ہی تھی کہ زن سے ایک غلہ آ کر اس کے بازو پر لگا۔ ہڈی ہی چٹک گئی۔ پھڑ پھڑا کر نیچے گری، بازو بُری طرح گھائل ہوا تھا۔ دو لڑکے بھاگے بھاگے آئے اپنے شکار کی تلاش میں۔

فاختہ نے ہمت کی۔ اُڑنا چاہا لیکن اُڑ نہ سکی۔ لڑکے بالکل قریب آ گئے تو اس نے ایک بار پھر ہمت کی۔ اب کے وہ تھوڑی دور اُڑی اور بے سُدھ ہو کر ایک جھاڑی میں گر پڑی۔ لڑکوں نے بہت تلاش کیا پر وہ نہ ملی۔

فاختہ ایک تو بھوکی تھی۔ پھر خون بہت بہا تھا۔ دو دن تک یوں ہی بے ہوش پڑی رہی۔ پھر کچھ ہوش آیا آنکھیں کھولیں۔ بڑی مشکل سے پر پھیلائے۔ دل بچوں میں پڑا تھا۔

بچے بھی ماں کو یاد کرتے اور نڈھال ہو ہو جاتے۔

آخر تیسرے دن فاختہ نے آہستہ آہستہ اُڑنا شروع کیا۔ جیسے کوئی بخار کا مریض مارے کمزوری کے لہراتا چلے۔ تھوڑی دور اُڑتی، پھر تھک کر بیٹھ جاتی۔ صبح تڑکے چلی تھی اور کہیں شام کو گھونسلے تک پہنچی بچے بہت دکھی اور بے چین تھے۔ ماں کو دیکھا تو پھولے نہ سمائے۔ خوشی سے چوں چوں کرنے لگے۔

فاختہ کا سانس پھول رہا تھا، چہرہ مرجھا رہا تھا۔ پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ بچے ماں کی یہ حالت دیکھ کر اُداس ہو گئے ماں نے کہا پیارو صبر اور شکر سے کام لو۔ پھر وہ ایک بار چونچ کھولی اور دم توڑ دیا۔

بچے بے چین ہو گئے۔ مگر مجبور تھے۔ کیا کرتے۔ انھوں نے صبر اور شکر سے کام لیا۔

جا نہار فاختہ کے بچے بہت محبت اور پیار سے رہتے۔ دکھ سکھ میں پر ایک دوسرے سے الگ نہ ہوتے

(باقی)

ابری کیسے بنائیں

(مسلسل)

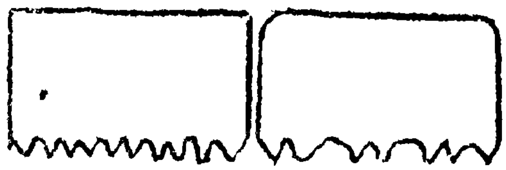
محمد اکرام خاں
استادوں کا مدرسہ، جامعہ نگر دہلی

۸۔ ایک رنگ کی ابری

اوپر کئی ایک رنگ کی ابری کا ذکر ہوا ہے۔ مگر وہ ایک رنگ کی ابری تھی، جس پر انگلی سے نمونے بناتے تھے۔ اب کچھ اور طریقے بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ بات تو تمھیں یاد ہوگی کہ ہم نے لیئی اور رنگ کو الگ الگ رکھا ہے۔ اور یہی طریقہ اچھا بھی ہے، اس لیے کہ اس سے رنگ برنگ کے کاغذ بنا سکو گے۔ لیکن اگر ایک ہی رنگ کا بہت سا کاغذ بنانا ہو تو رنگ کو لیئی میں ملا سکتے ہو۔ اچھا چاہے لیئی لگا کر اس پر ایک رنگ پھیلاؤ، چاہے لیئی میں رنگ ملا کر ایک ہی رنگ کا کاغذ بناؤ۔ اس پر نمونے ایک تو انگلی سے بنا سکتے ہیں۔ دوسرے بہت اچھے نمونے برش سے بنائے جاتے ہیں۔ کاغذ کو رنگ لینے کے بعد اس پر خالی برش چلاؤ۔ چونکہ کاغذ پر لیئی کی تہہ ہوتی ہے اس لئے برش کا نشان اس پر بنتا جاتا ہے۔ جیسے ریت کو ہموار کر کے بچے انگلی سے اس میں نمونے بناتے ہیں تو ریت ادھر ادھر ہو جاتی ہے، اور بیچ میں لکیریں بن جاتی ہیں۔ اسی طرح لیئی کی تہہ پر نقش بنتے جاتے ہیں۔ اپنا گول برش لے کر اوپر سے نیچے سیدھی سیدھی قطاریں بنا دو۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بہت خوب صورت ابری بن جائے گی۔ برش سے لہریا بھی خوب بن سکے گا۔ یا اسے ایک جگہ رکھ کر گھماؤ اور لیئی برابر برابر کرتے جاؤ تو بڑی اچھی ابری بن جائے گی۔

غرض رنگین لیئی لگا ہوا کاغذ سامنے ہے۔ ہاتھ میں برش ہے۔ من مانے نمونے اس سے بنا سکتے ہو۔ اچھے بھی برے بھی۔ جو پسند نہ آئے تو چوڑے برش سے لیئی کو پھر برابر برابر کر دو۔ اور دوسرا نمونہ بنا لو۔

ایک اَور طریقہ اچھے اچھے نمونے بنانے کا ہے۔ کنگھی سے۔ کوئی پرانی بڑی کنگھی ہو جس کے دانت ذرا دُور دُور ہوں تو وہ لے لو یا گتّا اَور لکڑی کی ایک دو کنگھیاں ہوں جن کے دانت ذرا دُور دُور ہوں۔ اُسے اُوپر



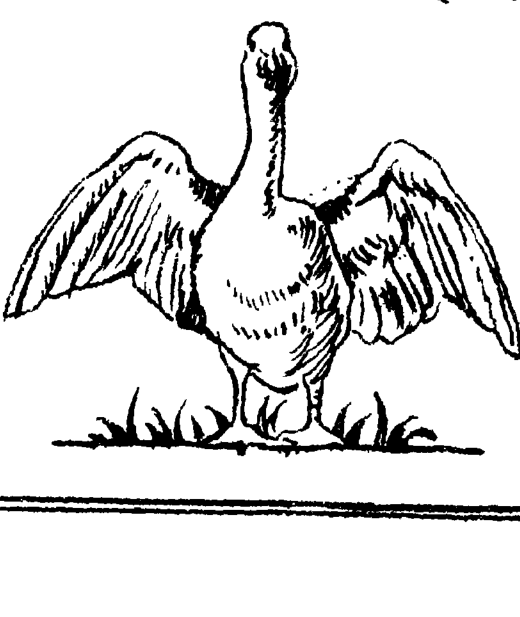
سے نیچے اَور دائیں سے بائیں کو چلانے سے یا رکھ کر گھما دینے سے طرح طرح کے نمونے بن جاتے ہیں۔

بہت اچھی ابریاں ٹھپّے سے بھی بن سکتی ہیں۔ کارک کی ڈاٹوں پر، کٹی ہوئی گاجر پر، آلو پر، یا ربڑ کے ٹکڑے پر کوئی نمونہ کھود لو اَور پہلے کی طرح کاغذ پر لیئی اور رنگ دینے کے بعد برابر فاصلے پر ٹھپّا لگا لو۔ وہاں سے لیئی ہٹ جائے گی اَور بڑے خوب صورت نمونے بن جائیں گے۔

ٹھپّے کا کام کسی شیشی کے منھ سے یا مَین سے اسفنج کے ٹکڑے سے یا کسی پتّے سے یا کسی پھول سے بھی لے سکتے ہو۔ کاغذ کو توڑ مروڑ کر ایک چھوٹا سا گولا بنا لو تو طرح طرح کے بڑے نرالے نمونے بن جاتے ہیں۔

غرض بے شمار قسم کی ابریاں بن سکتی ہیں۔ جب بناؤ گے تو خود بہت سے نمونے سمجھ میں آ جائیں گے۔ ملین کئی رنگ کی ابریاں بھی بنتی ہیں۔

(باقی آئندہ)



بچوں کی کوششیں

چوری

نعیم الرحمٰن سہارن پور

ننھے میاں کو چوری کی بہت عادت تھی۔ اُن کے جاسوس ہر جگہ موجود رہتے تھے۔ اِدھر کسی نے کوئی کھانے کی چیز رکھی، اُدھر انھیں خبر ہو گئی، اور پھر وہ اور ان کے جاسوس جو اُن کے لنگوٹیا یار تھے خوب مزے سے دعوت اُڑایا کرتے۔ ایک دن اُن کی امّی نے کچھ عورتوں کی دعوت کی، اُس میں بہترین نفیس فیرنی پکائی، اُس پر چاندی کے ورق اور پستہ بادام کی ہوائیاں۔ بس ننھے میاں کے مُنہ میں پانی ہی تو بھر آیا۔

بھاگے بھاگے پہنچے اپنے دوستوں کے پاس اور کہا اگر آج کام بن گیا تو مزے ہی مزے ہیں۔ ننھے میاں نے اُن کو فوراً سب باتیں بتا دیں۔ اور سب لوگ ننھے میاں کے گھر جا دھمکے۔ اتنے میں اُن کی امّی شاید فیرنی رکھ کر کمرے سے نکل رہی تھیں۔ یہ سب چھپ گئے جوں ہی ننھے کی امّی باہر آئیں یہ کھٹ سے اندر ــــ کواڑ بند کر لئے، اور فیرنی کو تلاش کرنے لگے۔ سامنے انھیں فیرنی کی پلیٹیں رکھی نظر آئیں۔

"کھٹ! کھٹ ــــ"

سب چونک پڑے۔ ایک نے باہر جھانک کر دیکھا۔ کچھ بھی نہ تھا۔

پھر سب اطمینان سے پلیٹوں کی طرف بڑھے اور اُن میں ہاتھ ڈال دیئے ......

"ہیں مگر یہ کیا ......" ننھے میاں حیرت سے بولے: "یہ تو خ..... خا..... لی..... خالی ہیں"۔

اس پر سب شرمندہ ہوئے، اور بولے: "بھئی بڑی غلطی ہوئی، صرف اس دفعہ مات کھائی ہے، ہم تو ہمیں پہلے دیکھ لینا چاہئے تھا کہ فیرنی کہاں رکھی ہے"!

"مگر امّی تو یہیں سے نکل رہی تھیں" ننھے میاں بولے: "نکل تو رہی تھیں مگر کیا خبر دعوت

کے لیے پلیٹیں رکھنے آئی ہوں۔"

ان کے ایک دوست نے کہا "اب کیا ہوگا؟" ننھے میاں نے جواب دیا "ہونا کیا ہوا کھاؤ۔"
ایک جاسوس بولا "اچھا بھائی چلو۔ یہاں کھڑے کیا کریں۔" ننھے میاں بولے: ایک
لڑکے نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنا چاہا۔ "ہیں......... یہ تو باہر سے بند ہے" تو کیا امی ہمیں
چھوڑ کے گئیں۔ انھوں نے ہمیں اندر آتے تو نہیں دیکھ لیا؟" ننھے بولے "اور ہوا بھی یہی
اس کے بعد ان سب پر جو گزری اس کا نہ بیان کرنا ہی اچھا ہے... کیونکہ ہم اپنے ننھے میاں کو
شرمندہ کرنا نہیں چاہتے۔ بے چاروں کو غریبی سے بھی ہاتھ دھونا پڑا، اور کچھ کھانا بھی پڑا...
لیکن اس واقعہ کے بعد انھوں نے اور ان کے جاسوسوں نے اس عادت سے توبہ کرلی

مغرور بادشاہ

عبدالمجیب قدوائی

بہت زمانہ گزرا ایک بادشاہ افریقہ میں بادشاہت کرتا تھا۔ وہ بہت سخت مزاج تھا
لوگ اس سے بہت ڈرتے تھے۔

ایک دن اس کے ایک نوکر نے اس سے کہا کہ ہر ایک انسان ایک دوسرے کا نوکر ہے
بادشاہ یہ سن کر بہت خفا ہوا اور کہا "تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارا نوکر ہوں۔ اس بات
کو ثابت کرو اور آج شام سے پہلے پہلے مجھ کو کام کرنے پر مجبور کردو تو میں تم کو نقد گائیں
انعام میں دوں گا ورنہ قتل کے لیے تیار ہو جاؤ"

نوکر یہ سن کر باہر جانے لگا۔ اتنے میں ایک فقیر دروازے پر آیا اور کچھ کھانے کو
مانگا۔ نوکر کھانا لے کر بادشاہ کے سامنے سے نکلا اتفاقاً اس کی چھڑی جسے وہ بغل میں دبائے ہوئے
تھا پیروں میں پھنس کر گر گئی۔ نوکر نے بادشاہ سے عرض کیا مہربانی کرکے میری چھڑی اٹھا دیجیے
ورنہ میں گر پڑوں گا۔ بادشاہ نے بغیر سوچے سمجھے اس کی چھڑی اٹھا دی۔ اب تو نوکر بڑے
زور سے ہنسا اور بولا "ہر اچھا آدمی ایک دوسرے کا نوکر ہے۔ گائیں اس فقیر کو دلوائیے
تاکہ وہ اپنی زندگی آرام سے بسر کر سکے"۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اس نوکر کو ایک بڑا افسر بنا دیا
اور فقیر کو گائیں مل گئیں

(انگریزی سے)

اِدھر اُدھر سے

ہندوستان کے وزیرِ اعظم پنڈت جواہرلال نہرو جاپانی بچوں کو ایک ہاتھی تحفے میں بھیجنے والے ہیں۔ یہ ہاتھی چڑیا گھر میں رکھا جائے گا۔ پنڈت جی اس تحفے کے ساتھ انھیں ایک پیغام بھی بھیجیں گے۔[1]

دلی میں بچوں کے لئے ایک بڑے سے پارک کا انتظام ہونے والا ہے۔ اس پارک میں انھیں سڑک پر چلنے کے قاعدے قانون بتلائے جائیں گے۔ مثلاً اپنے بائیں کو چلنا چاہیے۔ سڑک کو پار کرنا ہو تو کس طرح پار کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ بچوں کو شہری زندگی کی اور بھی اچھی اچھی باتیں بتلائی جائیں گی۔ اُن کے لئے کھیل کود کا بھی انتظام ہوگا۔

ضلع بستی (نیپال کی ترائی) میں ایک اژدہا مارا گیا ہے۔ اس کا پیٹ چیرا گیا تو اندر سے بندر کا ڈھانچہ یا کھانکڑ نکلی۔ کہتے ہیں یہ اژدہا کوئی ۲ فٹ موٹا تھا۔

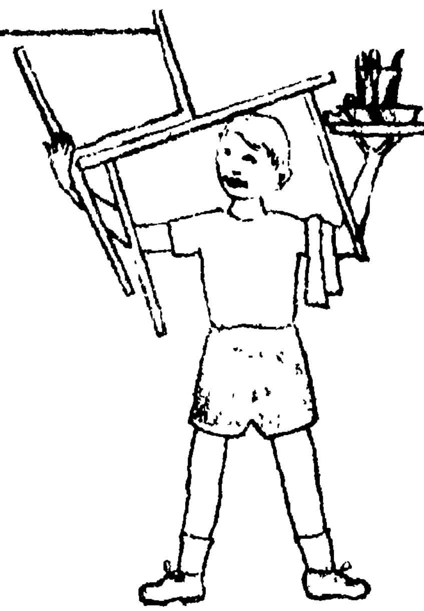
امریکہ کے سائنس دان اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایٹم کی طاقت اچھے کاموں میں استعمال کی جائے۔ آج کل وہ مختلف بیجوں پر تجربہ کر رہے ہیں۔ یہ تجربے کامیاب ہوگئے تو اناج ترکاری اور پھل بہت اچھے قسم کے اور افراط سے پیدا ہوں گے۔ علاوہ اس کے نئے نئے پودے تیار ہونے لگیں گے۔

جودھپور کی ریاست میں ریتیلا علاقہ ہے یہ ریتیلا علاقہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ سائنس داں اور انجینیر بہت دنوں سے اس کا علاج سوچ رہے تھے۔ اب ایک انجینیر نے ایک ایسا علاقہ تلاش کر لیا ہے، جہاں بارش کا پانی جذب ہونے کے بعد اندر ہی اندر بہتا رہتا ہے۔ تھوڑی سی محنت سے یہ پانی نکل سکتا ہے، اور اس کی مدد سے سندھ کی طرح یہ علاقہ بھی زرخیز اور سبزہ زار بن سکتا ہے۔

اس مہینے (جولائی) بمبئی کے پاس ہالینڈ کا ایک بڑا ہوائی جہاز ایک ۵۰۰ فٹ اونچی پہاڑی سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا۔ جہاز میں ۴۵ مسافر تھے۔ ان میں ۱۳۔ امریکن اخبار نویس تھے ہندوستان میں ہوائی جہاز کا یہ سب سے بڑا واقعہ ہے۔

[1] یہ ہاتھی میسور سے ٹوکیو کے چڑیا گھر بھیجا جائے گا۔

کیا کھاؤ، کیا پیو؟ (مسلسل)



بس تو

آپ سے آپ

بڑے ہو جاؤ گے

اور تگڑے بھی



مگر

کبھی میں یہ سوچتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ میں
ان سب کا مجموعہ نہ بن جاؤں یعنی کتّے کا سا
مُنہ خرگوش کے سے کان، بلی کی سی دُم، طوطے کے سے پر اور گدھے کا سا مُنہ

اب دیکھو نا
گدھا، بلی، کتا
خرگوش اور طوطا
اور چوہا
سبھی تو ہیں



اور جناب
بوتل میں دودھ، اس
پر گوشت، اس پر سلاد
اس پر گاجریں، گاجروں پر
سیب۔ غرض سبھی کچھ حاضر
ہے۔ اور بتائیے کیا صلاح ٹھہرتی ہے!





[illegible] خان بی اے - جامعہ استاد [illegible]
مدرسہ جامعہ نگر



محمد عبدالرؤف بی اے - جامعہ استاد مدرسہ
ابتدائی جامعہ نگر

یہ دونوں جامعی استاد مزید تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے ہیں



بچوں کے کلب میں بچے ورشی کھیلوں
میں مشغول ہیں



بچوں کے دار المطالعہ میں بچے کتابیں
پڑھنے میں مشغول ہیں



ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب
بچوں کا اخبار جو بچے خود تیار کرتے ہیں
دیکھ رہے ہیں



پروفیسر محمد مجیب
بچوں کے کلب بیری والا باغ میں
بچوں کی دلچسپیوں کا معائنہ کر رہے ہیں

پیام تعلیم



باپو! کاش اس خوشی (جشن آزادی) کے موقعہ پر آپ موجود ہوتے



پنڈت موتی لال نہرو



لالہ لاجپت رائے

ہمیں اس آزادی کی خوشی میں اپنے ان بزرگوں کو بھولنا نہ چاہئیے

پیام تعلیم دہلی

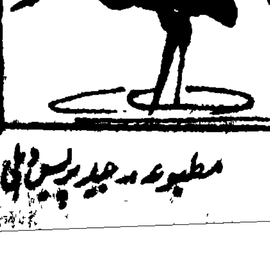
جلد ۲۲ — نمبر ۵

محمد حسین حسان

فہرست مضامین، اگست ۱۹۴۹ء

قیمت سالانہ للعہ/

فی پرچہ





مطبوعہ جدید پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد حسین حسان



بچّوں سے باتیں

۱۵ اگست کی تاریخ ہمارے دیس کے لئے کتنی اہم ہے! اِسی دن تو ہم آزاد ہوئے تھے پچھلے دو سال کی طرح اب کے بھی یہ دن بہت جوش و خروش سے منایا گیا۔ پیامیوں کو بھی یہ خوشی مبارک ہو خدا کرے یہ اپنے دیس کی فضا میں پھولیں پھلیں اور ایک آزاد ملک کے آزاد شہری بنیں۔

اس خوشی کے موقع پر ہمیں اپنے ان بزرگوں کو بھی نہ بھولنا چاہیئے جنھوں نے اس نیک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تکلیفیں اٹھائیں، مصیبتیں جھیلیں، جیلوں میں گئے اور شہید ہوئے۔

پھر مہاتما تلک، ڈاکٹر انصاری، لالہ لاجپت رائے، شیخ الہند مولانا محمود الحسن پنڈت موتی لال نہرو، حکیم اجمل خاں، سبھاش چندر بوس، مولانا محمد علی، اور سب سے بڑھ کر ہمارے باپو۔

یہ سب وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اس اچھے کام کو آگے بڑھایا اور اسی جدو جہد میں اپنی زندگیاں گذار دیں۔ اُن کی قربانیوں کا پھل آخر دیس کو مل گیا یہ دیکھ کر اُن کی روحیں کتنی خوش ہوں گی۔

پچھلا پرچہ پیامیوں کو بہت پسند آیا۔ اُن کے بہت سے خط ہمارے پاس آئے رکھے ہیں۔ یہ پرچہ ہمیں یقین ہے کہ اور بھی پسند آئے گا۔

پیامی بچوں کی کوششوں کے سلسلے میں اپنے مضمون، نظمیں، لطیفے، پہیلیاں بھیجنا شروع کر دیں مضمون اور کہانیاں جتنی مختصر ہوں گی اتنی ہی جلدی چھپیں گی۔



ہم آزاد ہیں

کوئی دو سال ہوئے ہمارے دیس میں ایک بڑی بات ہوگئی - ہم آزاد ہوگئے۔ آزاد بالکل آزاد - ہر سال ۱۵؍ اگست کو اسی کی تو خوشی منائی جاتی ہے - اپنا قومی جھنڈا لہراتے ہیں، قومی ترانے گاتے ہیں - چراغاں کرتے ہیں -

ہمارے دیس پر بہت دنوں سے ایک دوسری قوم حکومت کرتی تھی ہم غلام تھے - آزاد ملکوں کی نظروں میں ذلیل و خوار - آخر ہمارے بڑوں نے اور ہمارے سب سے بڑے سب کے پیارے **باپو** نے یہ پکا ارادہ کیا کہ ہم غلام نہیں رہیں گے - انھوں نے بہت سختیاں اٹھائیں، تکلیفیں جھیلیں، پر اپنی بات پر جمے رہے - آخر حکومت کو جھکنا پڑا اور بھئی ہمیں آزادی مل گئی -

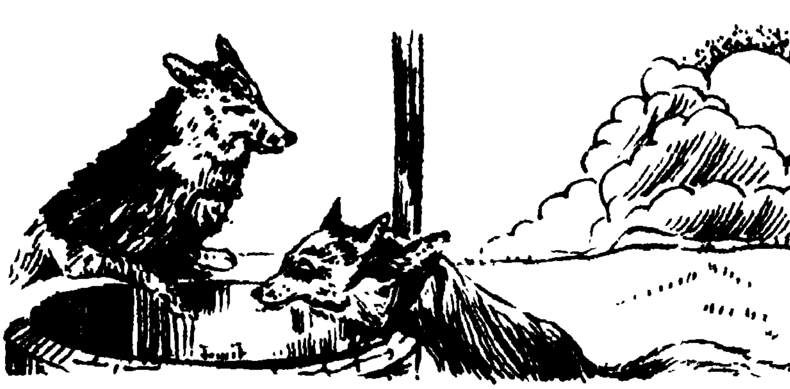
اب دیس پر ہماری اپنی حکومت ہے - ہمارے بڑے بڑے لوگ اس حکومت کو چلا رہے ہیں - فوج ہماری ہے - ریلیں ہماری

ہیں سب چیزیں ہماری ہیں - ہم تم ہی اُن کے مالک ہیں ، جیسے چاہیں گے انھیں چلائیں گے -

پر بھی ایک بات ہے - تمھارے بڑوں نے آزادی جیسی نعمت حاصل کی تو اب اُسے باقی رکھنا ہمارا تمھارا کام ہے - باقی یہ جبھی رہے گی جب تم سب بھی آزاد رہنے کا پکّا ارادہ کرلو - آزاد لوگوں کی باتیں اپنے اندر پیدا کرلو - آزاد لوگ اپنے سب کام اچھی طرح کرتے ہیں - ایمان داری اور محنت سے کرتے ہیں - ایسا نہ کریں تو آزادی باقی نہیں رہتی -

آزاد لوگ دوسروں کی خاطر اپنی جان جوکھم میں ڈالتے ہیں - سب سے نیکی کرتے ہیں - ہر ایک سے اخلاق سے پیش آتے ہیں - اپنے دیس کا نام اونچا کرنے ، تمام دُنیا کو فائدہ پہنچانے کے لئے بڑے بڑے کام کرتے ہیں - یہ ریل ، یہ جہاز ، یہ موٹر ، یہ ہوائی جہاز ، یہ سب آزاد لوگوں نے ایجاد کئے ہیں -

نئے نئے ملکوں کا پتہ لگانے والے - اونچے اونچے پربتوں کی چوٹیوں کو روندنے والے سب کے سب آزاد ملکوں کے لوگ ہیں - اُن کے کارناموں سے اُن کے دیس کی عزّت بڑھی ہے ، شہرت بڑھی ہے اب ہم تم بھی اُن سے پیچھے نہیں رہ سکتے ◆



پنیر کی دعوت

ایک رات کی بات سنو۔ ایک بھیڑیے نے لومڑی کو پکڑ لیا۔ لومڑی بہت ڈری بہت گھبرائی مگر اپنے اوسان قائم رکھے سوچنے لگی کس طرح اس ظالم کے چنگل سے چھوٹوں۔ سوچتے سوچتے ایک بات اس کے دماغ میں آئی۔ کہنے لگی، "بھیڑئے بھیا، بھیڑئے بھیا یہ تو معلوم ہے کہ تم مجھے کھاؤگے، ضرور کھاؤ گے پر اس سے پہلے مجھے تم سے ایک بات کہنا تھی!

بھیڑیا:۔ ہاں ہاں کہو کیا بات ہے۔

لومڑی:۔ یہاں سے تھوڑی دور کچھ کھیت ہیں۔ ان کھیتوں کے پاس ایک کسان کا گھر ہے، کسان کے پاس پنیر ہے بہت سارا پنیر۔ میں وہاں سے روز رات کو تھوڑا سا اپنے گھر لے آتی ہوں اور اپنے بچوں کو کھلاتی ہوں، اس وقت مجھے اتنی اجازت دو کہ اپنے پیاروں کے لئے تھوڑا سا پنیر لے آؤں۔ پھر تم اطمینان سے مجھے کھا لینا۔

بھیڑیا:۔ اور یہ پنیر رکھا کہاں ہے؟

لومڑی:۔ انھی کھیتوں کے پاس کنواں ہے اس میں رکھا ہے۔

بھیڑیا:۔ ارے! کنوئیں میں!! پھر تم نکال کے کیسے لاتی ہو؟

لومڑی:۔ بڑی آسانی سے۔ میں ڈول میں بیٹھ کے نیچے چلی جاتی ہوں اور پنیر نکال لاتی ہوں۔

بھیڑیا:۔ اچھا! بھئی پنیر تو ہمیں بھی مزے کا لگتا ہے تو آؤ ہم تم ساتھ چلیں۔

لومڑی کے لئے بڑی مشکل آ پڑی وہ تو چاہتی تھی کہ اس طرح دھوکا دے کر کھسک جائے پر اب کیا چارہ تھا کچھ سوچ کے بولی:۔

اچھی بات ہے بھائی۔ تو آؤ چلیں۔

اس رات چاندنی خوب چھٹکی ہوئی تھی۔ یہ دونوں چل کھڑے ہوئے بہت دبے پاؤں۔ کوئی دیکھ نہ لے!

تھوڑی دیر میں دونوں ایک کنوئیں کے پاس پہنچ گئے۔ لومڑی نے کنوئیں میں جھانکا۔ کنوئیں کی تہہ میں پانی تھوڑا سا تھا۔ اس میں گول گول، پیلا پیلا چاند نظر آرہا تھا۔ خوب بڑا سا۔

لومڑی بولی:۔

"یہاں آؤ بھیا، دیکھو کتنا بڑا پنیر ہے۔ بالکل جیسے چکی کا پاٹ۔ کبھی ایسی عمدہ چیز دیکھی ہے؟"

بھیڑیا:۔ کبھی نہیں!

لومڑی:۔ اچھا تو اب ڈول میں بیٹھ کر نیچے چلے جائیے۔ اور خوب جی بھر کے کھائیے۔

بھیڑیا:۔ (گرج کر) ہرگز نہیں۔ مجھ سے چال چلتی ہو۔ اندر جاؤ ــــ فوراً ــــ ورنہ ابھی ختم کئے دیتا ہوں۔

لومڑی:۔ اچھی بات ہے

لومڑی ایک چھلانگ لگا ڈول میں بیٹھ گئی۔ اور بات کہتے میں تہہ تک پہنچ گئی۔



لومڑی:۔ (چیخ کر) اہا کیسا مزے کا پنیر۔

بھیڑیا (گرج دار آواز سے):۔ اچھا تو لے اوپر سے آؤ۔

لومڑی :- یہ مشکل ہے ۔ پنیر بھاری بہت ہے ۔ مجھ سے اُٹھتا نہیں ۔ آپ کو میری مدد کرنا پڑے گی ۔

بھیڑیا :- مگر میں آؤں کیسے ؟

لومڑی :- جیسے میں آئی ۔ ڈول میں بیٹھ جائیے ، اور بڑے آرام سے نیچے اُتر آئیے ۔

بھیڑئیے میاں کود کر اندر بیٹھ گئے بھاری بہت تھے ، لومڑی اوپر آگئی اور یہ تہہ میں پہنچ گئے ۔

دونوں آمنے سامنے سے گزرے تو لومڑی چلائی ۔

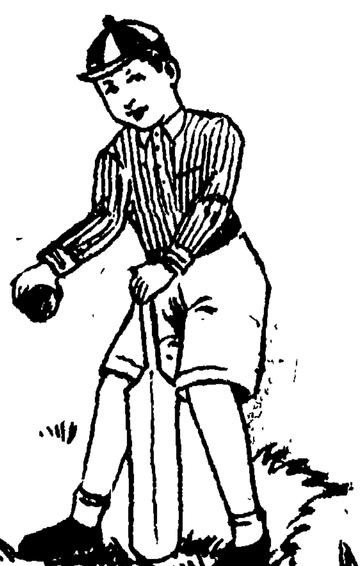
سلام بھیڑئیے بھائی "سلام ۔ آپ وہاں پہنچنے ہی والے ہیں ۔ چاند میں جو آدمی بیٹھا ہے ۔ اس کے ساتھ خوب مزے سے پنیر کی دعوت اُڑائیے گا ۔

(ایسپ کی کہانیوں سے)



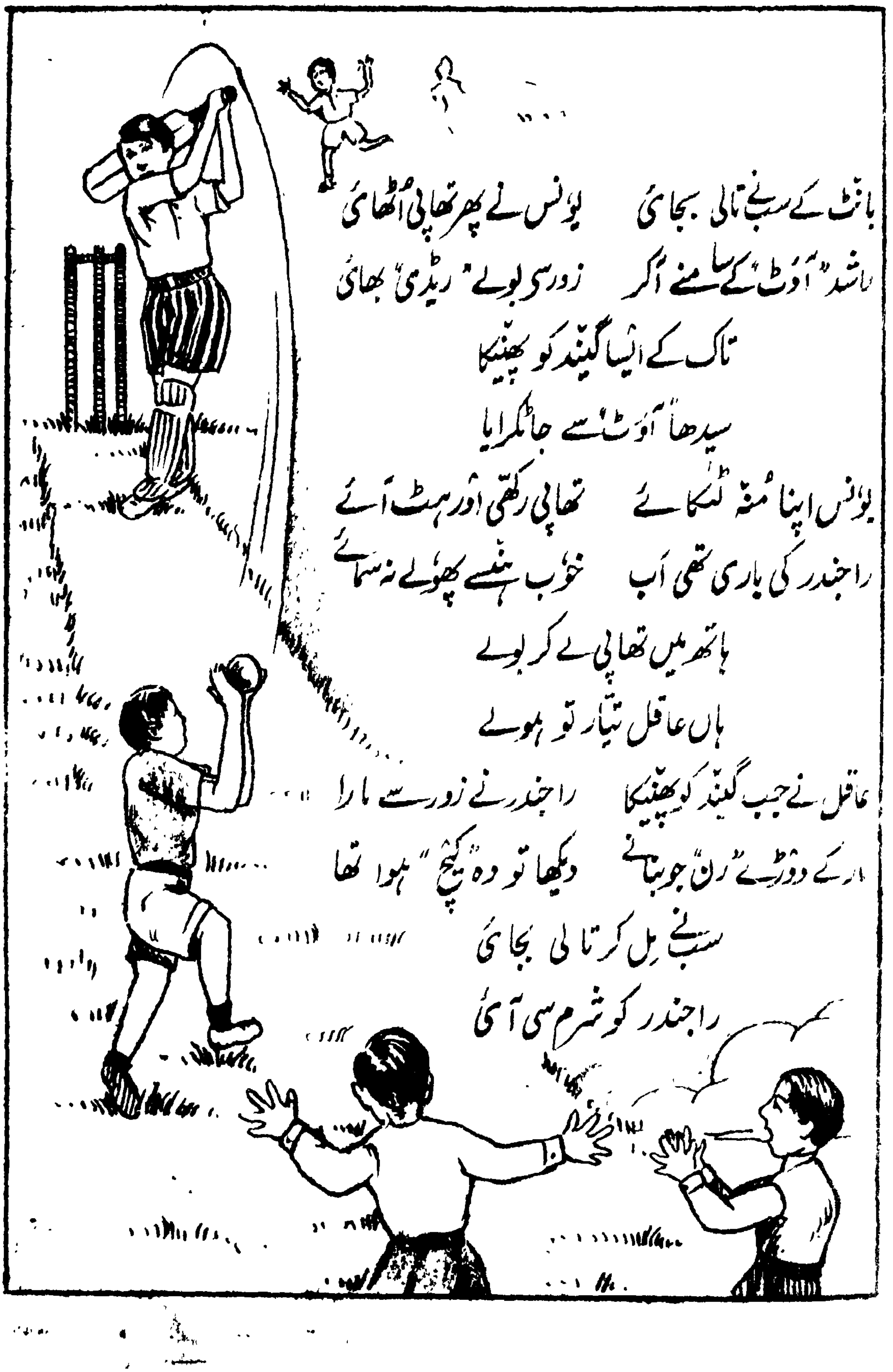
کرکٹ

از اخگر مشتاق



قیصر اور راجندر آئے		زین کا گیند اور تھاپی لائے
یونس، عاقل، راشد للا		دیکھتے ہی سب دوڑ کے آئے
کھیل سے کب اِنکار کا دن تھا
چھٹی تھی اتوار کا دِن تھا
سب نے مِل کر شور مچایا		جو باقی تھے اُن کو بُلایا
نُصرت ڈھونڈ کے اینٹیں لائے		راجندر نے "اوٹ" بنایا
پھر یہ ہوا اب چھانٹ لیں سب کو
آپس میں اب بانٹ لیں سب کو



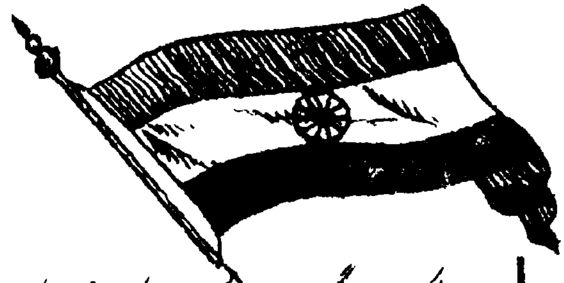


بانٹ کے سب نے تالی بجائی　　یونس نے پھر تھاپی اُٹھائی
راشد "آؤٹ" کے سامنے آکر　　زور سے بولے "ریڈی" بھائی
تاک کے ایسا گیند کو پھینکا
سیدھا "آؤٹ" سے جا ٹکرایا
یونس اپنا منہ لٹکائے　　تھاپی رکھی اور ہٹ آئے
راجندر کی باری تھی اب　　خوب ہنسے پھولے نہ سمائے
ہاتھ میں تھاپی لے کر بولے
ہاں عاقل تیار تو ہولے
عاقل نے جب گیند کو پھینکا　　راجندر نے زور سے مارا
مارکے دوڑے "رن" جو بنانے　　دیکھا تو وہ "کیچ" ہوا تھا
سب نے مل کر تالی بجائی
راجندر کو شرم سی آئی



بعد میں سب سے قیصر آئے نیکر پہنے، ہیٹ لگائے
کھیل میں سب سے اچھے تھے یہ گیند پہ خوب ہی ہاتھ جمائے
پاس ہی اِک لکڑی پر چھمن
چپکے چپکے گنتے تھے "رن"
رن جب آئے سو کے برابر آؤٹ ہوئے تب بھائی قیصر
دیکھا تو اب شام ہوئی تھی کھیل کو باقی رکھا کل پر
ہنستے ہوئے یہ چاند ستارے
کھیل کر اپنے گھر کو سدھارے
کتنا اچھا کھیل ہے اِن کا ہندو مُسلم میل ہے اُن کا
پڑھنے میں بھی سب ہیں آگے کوئی نہ ساتھی فیل ہے اِن کا
تم بھی یوں ہی پیارے بچّو
خوب پڑھو اور "کرکٹ" کھیلو

آزادی کا جشن



بھائی سلیم، تسلیم

آپ کے خط کا جواب دیئے ابھی دو ہی چار دن تو ہوئے ہیں۔ اصل میں اس مرتبہ ہماری طرف پورے علاقے میں آزادی کا جشن بہت اہتمام سے منایا گیا۔ مدرسے میں تو کئی دن پہلے سے بڑی چہل پہل تھی۔ خوب تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اپنے اور ساتھیوں کی طرح میں بھی ان تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔

آخر خدا خدا کرکے ۱۵ اگست آیا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عید آگئی۔ کیا بچے کیا بوڑھے سب تڑکے سے اُٹھ بیٹھے۔ ہر ایک، ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہا تھا۔ مٹھائیاں تقسیم ہو رہی تھیں۔ ایک دوسرے کو تحفے دیئے جا رہے تھے، کہیں جلسہ ہو رہا تھا، کہیں جلوس نکل رہا تھا۔ بازاروں میں محلّوں میں جگہ جگہ پھاٹک لگے ہوئے۔ دکانیں سجی ہوئیں چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھ میں جھنڈا لیے، جلوس کی صورت بنائے توتلی زبان میں "آجادی جندہ" باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ ہر جگہ کچھ عجیب ہماہمی کچھ عجیب گہما گہمی تھی۔

یہ شہر کا حال ہے۔ ہمارے مدرسے میں آزادی کا جشن بہت سادگی سے منایا گیا۔ ہم سب لڑکے، سب اُستاد گجر دم مدرسے میں آگئے۔ پہلے قومی ترانہ گایا گیا۔

بھائی سلیم ذرا تصوّر تو کرو۔ صبح کا وقت ہے۔ پو پھٹ رہی ہے۔ پہاڑوں پر چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی ہے۔ دور کہیں کہیں اونچی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئیں ہم سب اُستاد اور شاگرد ایک جگہ جمع ہیں اور پورے جوش اور ہم آہنگی کے ساتھ ترانہ پڑھ رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا

تھا، زمین اور آسمان سب ہِل جائیں گے۔ ہماری آوازیں پہاڑوں سے ٹکراکر عجیب گونج پیدا کر رہی تھیں جیسے یہ پہاڑ بھی ہماری ہاں میں ہاں مِلا رہے ہوں۔ ترانہ مدرسے میں روز ہوتا ہے، مگر آج تو کچھ شان ہی اور تھی شاید آزادی کے احساس نے ہم میں نئی روح، نئی جان پیدا کر دی تھی۔

ترانے کے بعد ہم سب کئی ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے، اور پوری آبادی میں پھیل گئے۔ کچھ لڑکوں اور استادوں نے گلیوں اور میدانوں کی صفائی کا کام شروع کیا۔ نالیوں کا کچھ اچھا اِنتظام نہ تھا۔ پانی گلیوں میں بہا بہا پھرتا جگہ جگہ کیچڑ ہو گئی تھی۔ بہت سے ساتھیوں نے جہاں نالیوں میں مٹی بھر گئی تھی، وہاں مٹی نکالی، جہاں نالیاں نہ تھیں وہاں نالیاں بنائیں اور پانی کے نکاس کا راستہ پیدا کیا۔ کچھ ساتھیوں نے آبادی سے باہر گڑھے کھودے، سارا کوڑا کرکٹ اِن گڑھوں میں دبا دیا گیا۔ بستی کے لوگوں نے ان سب کاموں میں ہماری بہت مدد کی۔ اب وہ بھی ان اچھی باتوں کے کچھ قائل ہو چلے ہیں

دوپہر سے پہلے پہلے ہم نے بستی کو چندن بنا دیا۔ اب ہم نے بستی کے میلے کچیلے بچے جمع کئے۔ اُن کے بال بنوائے ناخن ترشوائے۔ دانت منجھوائے۔ پھر اُنھیں چشمے پر لے گئے۔ وہاں خوب نہلایا دُھلایا۔ کپڑے بدلوائے نہا دھو کر اور کپڑے بدل کر یہ بچے کیسے اچھے لگ رہے تھے۔

یہ سب کام کرتے کرتے چار بج گئے۔ پانچ بجے ہمارا جلسہ تھا۔ ایک گھنٹے میں ہم نے مدرسے کو میدان کو خوب سجا لیا۔ جلسہ ٹھیک پانچ بجے شروع ہو گیا۔

آج تو ہمارے ساتھ ہمارے بڑے بھی جلسے میں شریک تھے۔ بستی کے قریب قریب سبھی لوگ آئے تھے۔

بچے اور بڑے سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو ہمارے ہیڈ ماسٹر یا نگراں صاحب نے تقریر شروع کی۔ اِس تقریر کی خاص خاص باتیں تم بھی سنو:

ہیڈ ماسٹر صاحب نے فرمایا:۔

"بچو! تمھیں معلوم ہے ہم تم سب

آزاد ہیں - اب حکومت ہماری اپنی ہے. حکومت چلانے والے ہمارے اپنے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی کوششوں سے ہمیں آزاد کرایا ہے - یہ آزادی انھی کی قربانیوں کا پھل ہے - اب ہم اور حکومت یا یوں کہو کہ حکومت چلانے والے - غرض سب مِل کر ملک کی غریبی کو دُور کریں گے - جہالت کو مٹائیں گے - ایسے جتن کریں گے کہ سب لوگ آرام سے زندگی گذار سکیں۔"

پھر اُنھوں نے فرمایا "تم آزاد ملک کے بچّے ہو - تمھارا بھی کچھ فرض ہے اور وہ یہ کہ اپنے میں اچھی اچھی باتیں پیدا کرو - ہمّت اور حوصلہ پیدا کرو آج تم نے مِل جُل کر کام کرنے کی بہت اچھی مثال قائم کی ہے - اس کی اپنے میں عادت ڈالو - کوئی کام شروع کرو تو مشکلوں سے نہ گھبراؤ - رکاوٹوں کو دھیان میں نہ لاؤ اُسے پورا کرکے دم لو - جو قدم آگے بڑھ گیا ہے، پیچھے نہ ہٹے - یہی آزاد لوگوں کی شان ہے۔"

پھر کہنے لگے: "آج تمھارے چہروں پر ایک خاص رونق نظر آ رہی ہے - مجھے تو اس کے بس دو ہی سبب معلوم ہوتے ہیں - تم نے اپنی آزادی حاصل کرلی ہے - اور آج ہی سے اپنے لئے اچھے اچھے کاموں کی بنیاد ڈال دی ہے - پڑھنے لکھنے کے ساتھ ساتھ یہی کام ہمیں کرنے ہیں - اپنے آس پاس کی زندگی کو بہتر بنانا ہے - اپنی بستی کے بھائیوں کو صحت و صفائی کے طریقے بتانے ہیں - ہاں ایک کام اور کرنا ہے - ان سب سے اہم - اپنے ان پڑھ بھائیوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا ہے -

آؤ آج ہم سچے دِل سے عہد کریں کہ ہم میں سے ہر ایک کم سے کم ایک اَن پڑھ یا کم پڑھ (بالغ مبتدی) کو پڑھا لکھا بنا دے گا۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب کی اس تقریر سے ہم سب ساتھیوں کے دل بہت بڑھ گئے ہیں اور ہم نے اپنے جی میں ٹھان لی ہے کہ اپنے دیس کی سچے دل سے خدمت کریں گے - اس کا نام اونچا کریں گے اِس کی عزت اور

شہرت بڑھائیں گے۔

رات کو خوب چراغاں ہوا۔ اپنے مدرسے کو تو ہم نے دلہن بنا دیا تھا۔ ہمارے ساتھیوں نے دو ڈرامے بھی کیے۔ ایک چھوٹے بچّوں کا تھا ایک بڑے لڑکوں کا۔ کیسے اچھے ڈرامے تھے!

بس مزا آگیا۔ اُن کی تفصیل پھر کبھی.......

اچھا بھئی آپ بھی تو ذرا اپنے ہاں کا حال لکھیے۔ آپ نے یہ دن کیسے گذارا۔

آپ کا

رحمت الٰہی، پریم نگر



سورج کی اونچائی



ڈاکٹر سلامت اللہ ایم اے۔ لکچرر، استادوں کا مدرسہ

تم معلوم کر چکے ہو کہ دن رات کیوں چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ دن کے ساتھ ساتھ سورج کی اونچائی بھی بدلتی رہتی ہے۔

صبح کے وقت سورج نیچا ہوتا ہے۔ اس وقت اپنے سائے کو دیکھو۔ کتنا لمبا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ زمین پر کوئی دیو لیٹا ہوا ہے۔ دوپہر کو سورج سب سے اونچا ہوتا ہے اس وقت سایہ کتنا چھوٹا ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک منا سا بچہ ہے۔ دوپہر کے بعد سورج نیچے اترنے لگتا ہے اور سایہ لمبا ہوتا جاتا ہے۔

زمین میں ایسی جگہ ایک چھڑ گاڑ دو جہاں سورج کی دھوپ دن بھر رہتی ہو۔ صبح آٹھ بجے اس کے سایے کو ناپو اور اپنی کاپی میں لکھ لو تاکہ بھول نہ جاؤ، پھر دن بھر ایک ایک گھنٹے بعد سایہ ناپ ناپ کر لکھتے رہو

دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے جتنا لمبا سایہ ہے اتنا ہی دوپہر کے دو گھنٹے بعد ہے۔ دوپہر سے پہلے اور دوپہر کے بعد برابر وقت پر سایہ بھی برابر ہوتا ہے۔ ٹھیک دوپہر کے وقت سایہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوپہر کو سورج سب سے اونچا ہوتا ہے

شمالی ہندوستان میں جہاں ہم رہتے ہیں دوپہر کو کبھی سورج ٹھیک سر پر نہیں آتا۔ ہمیشہ جنوب میں رہتا ہے۔ دوپہر کو اگر تم سورج کی طرف منہ کرکے کھڑے ہو تو تمہارے سامنے جنوب ہوگا اور تمہارا سایہ شمال کی طرف پڑے گا۔ تم اس طرح دوپہر کے وقت سمتیں معلوم کر سکتے ہو۔

دوپہر کے سایے کی مدد سے اپنے مدرسے میں کسی مناسب جگہ پر سمتیں بنالو۔ شمال، جنوب، مشرق، مغرب ان سے اکثر کام پڑے گا۔

اس کے لئے یہ کام کرو۔ ہموار زمین

میں ایک لکڑی یا چھڑ گاڑ دو اور دوپہر تک انتظار کرو۔ جب ٹھیک دوپہر ہوجائے تو چھڑ کے سایے پر ایک لکیر کھینچ دو یہ شمال جنوب سمت بتائے گی۔

لیکن یہ معلوم کرنا ذرا مشکل ہے کہ ٹھیک دوپہر کس وقت ہوتی ہے۔ سایے کو ہر وقت دیکھتے رہنا ہوگا۔ جب سایہ سب سے چھوٹا ہو، وہی دوپہر کا وقت ہوگا۔ یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہے کہ کس وقت سایہ سب سے چھوٹا ہے کیونکہ سایہ ہر آن بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے تمھیں یہ کرنا چاہیئے۔

دوپہر سے پہلے کسی وقت چھڑ کے سایے کی لمبائی ناپ لو، نو، دس بجے سایے پر چونے سے ایک لکیر بنا دو چھڑ کی جڑ میں ڈوری باندھ کر اس میں سایے کے برابر ڈوری پر گانٹھ لگا دو۔ اس گانٹھ کے اندر سے ایک نوک دار کیل نکال دو۔ اب اس کیل کی نوک کو زمین سے لگاکر چاروں طرف گھاؤ، زمین پر ایک دائرہ بن جائے گا۔ اس کی حد چھڑ کی جڑ سے ہر جگہ اتنی ہی دور ہوگی جتنی کہ دس بجے سایے کی لمبائی تھی۔

دوپہر تک سایہ چھوٹا ہوتا رہے گا اور اس دائرے کے اندر پڑے گا۔ اس کے بعد سایہ بڑھنا شروع ہوگا۔ اور دائرے کی حد کے پاس آتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ حد کو چھونے لگے گا اس وقت سائے پر چونے سے لکیر بنا دو۔

اب سایے کی دو لکیریں ہوگئی ہیں۔ ان دونوں کے بیچ میں ایک زاویہ بنتا ہے۔ اپنے استاد کی مدد سے اس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دو۔ تقسیم کرنے والی لکیر کو کھرپی سے ذرا گہرا بنا دو تاکہ مٹنے نہ پائے یہی لکیر شمال جنوب کی سمت بتاتی ہے اور یہی ٹھیک دوپہر کے سایے کی لکیر ہے۔ جس طرف دوپہر کو سایہ پڑ رہا تھا اس طرف ایک تیر کا نشان بناکر شمال لکھ دو اور دوسری طرف جنوب۔

اس لکیر پر زاویہ قائمہ بناتے ہوئے ایک دوسری لکیر کھینچو۔ یہ مشرق مغرب کی سمت بتاتی ہے۔ اس لکیر کو بھی کھرپی سے گہرا بنا دو۔

(اب تمھیں جب کبھی سمت معلوم کرنی ہو، اس نقشے سے معلوم کرسکتے ہو۔)



پڑھنے والے گھوڑے

عبدالحلیم ندوی، بی اے جامعہ

(۲)

انھیں گھوڑوں کے ساتھ ایک ٹٹّو بھی اصطبل میں رہتا تھا۔ ٹٹّو روز دیکھتا کہ صبح صبح ان گھوڑوں کو مالک کھول کر لے جاتا ہے اور دو تین گھنٹے کے بعد لاکر باندھ دیتا ہے پھر بالٹی بھر بھر کے گاجریں سامنے رکھ دیتا ہے اور یہ مزے لے لے کر کھاتے ہیں اور میں مُنہ تکتا رہتا ہوں۔ ذرا دیکھوں تو سہی کہ یہ وہاں جا کر کیا کرتے ہیں کہ مالک خوش ہو کر اتنی ساری گاجریں انھیں کھلاتا ہے اور مجھے پوچھتا بھی نہیں۔ یہ سوچ کر یہ بھی ایک دن اپنے اصطبل سے نکلا اور دور کھڑا دیکھنے لگا۔ ٹٹّو کو گھوڑوں کا پڑھنا بڑا بھایا اس نے سوچا کہ کیوں نہ میں بھی اپنے مالک کے اسکول میں داخلہ لے لوں اور پڑھنے کے بعد مزے سے گاجریں کھایا کروں۔ یہ سوچ دوسرے دن وہ بھی مدرسے پہنچا اور مدرسے میں داخل ہو گیا۔ یہ ٹٹّو بہت ذہین اور تیز تھا، اُس نے پڑھنے میں خوب محنت کی، اور تھوڑے ہی دن میں تینوں گھوڑوں کو چھوڑ لیا اور حساب میں تو اس قدر تیز تھا کہ اُن سے بھی آگے نکل گیا۔ اب تو میاں ٹٹّو بہت خوش تھے کہ اب ہمیں بھی گاجریں ملیں گی اور خوب مزے لے لے کر کھائیں گے لیکن ان کو اپنے کرتوت کے کارن کبھی گاجریں نصیب نہ ہوئیں۔ یہ حضرت تھے تو چھوٹے پر بڑے کھوٹے، ہر روز کوئی نہ کوئی شرارت مدرسے میں کیا کرتے۔ کبھی اس گھوڑے کے تھوتھنی ماردی۔ کبھی اس کے دولتّی جھاڑ دی۔ اور اگر کوئی نہ ملا تو اپنے ماسٹر صاحب ہی کا کوٹ پیچھے سے چبا ڈالا یا موزہ مل گیا تو اسی کو کھا ڈالا اور اس پر اُن کے ماسٹر صاحب کو غصہ آجاتا وہ تھے بہت اچھے، مارتے وارتے تو تھے نہیں بس

اس دن کی گاجر بند۔ بس یہ تھی سزا۔ اور جیشیا میں نے کہا یہ حضرت روز کوئی نہ کوئی شرارت کر بیٹھتے اور روز اُن کی گاجر بند ہو جاتی اور یہ اپنا سا منہ لے کر بیٹھ رہتے۔

گھوڑوں میں ظریف نام کا گھوڑا بھی بہت شریر اور کام چور تھا۔ ایک دن اُن کو کیا سوجھی کہ سبق پڑھتے پڑھتے رُک گئے۔ اب کھڑے ہیں گم سُم، نہ کچھ بولتے ہیں نہ کچھ کہتے ہیں۔ کرال نے پوچھا کہ بھئی کیا بات ہے ظریف، رُک کیوں گئے؟ کچھ بولتے ہی نہیں۔ پھر پوچھا تب بھی پ۔ بڑی مشکل سے تیسری بار پوچھنے پر کے پاؤں اُٹھے اور زمین پر پاؤں کر لکھنا شروع کیا "آج میں بہت گیا ہوں۔" کرال نے جب یہ جواب سنا تو کہا کہ کوئی بات نہیں۔ تھک تو جاؤ، آرام کرو۔ آج تمہاری اور یہ سرپٹ اپنے اصطبل میں ائے۔ اب ان کو چھٹی منانے کی چاٹ لگ گئی۔ دوسرے دن جو اسکول پہنچے تو پھر پڑھتے پڑھتے بیچ سبق میں ٹاپ اب کرال نے پوچھا "آج کیا بات ہے؟ آج کیوں رُک گئے؟" اب میاں ظریف نے جھٹ پٹ اپنا پاؤں زمین پر جھٹک کر لکھنا شروع کیا "آج، میری ران، میں، درد، ہو رہا، ہے" لیکن کرال سمجھ گیا کہ کام چوری کر رہا ہے۔ وہ ہنسا اور کہا کہ "ران میں درد ہو رہا ہے تو ہونے دو۔ میں تو صرف ٹاپ سے کام لیتا ہوں۔ آگے بڑھو آج چھٹی نہیں مل سکتی۔ اب میاں ظریف کھسیا کر رہ گئے۔

غرض کرال کی محنت اور گھوڑے اپنی تیزی سے بہت جلد بڑھ گئے اور دور دور ان کی شہرت پہنچنے لگی۔ اب کیا تھا دیکھنے والوں کا تانتا لگ جاتا۔ جو بھی سنتا کہ گھوڑے پڑھنا لکھنا جانتے ہیں تو دیکھنے کو آ جاتا۔ چنانچہ ہر روز ڈاکٹر جانوروں کے ماہر، مدرسوں کے استاد اور ماسٹر ان گھوڑوں کو دیکھنے آتے اور اُن سے مختلف باتیں پوچھتے۔ اور جب یہ دیکھتے کہ گھوڑے بالکل صحیح جواب دیتے ہیں تو تعجب کرتے۔

ایک دن گھوڑوں کو دیکھنے کے لئے کچھ بہت بڑے لوگ آئے، ان لوگوں

نے ان گھوڑوں سے بہت سی باتیں پوچھیں، بہت مشکل، ایسی کہ تم بھی مشکل سے جواب دے پاؤ، مگر واہ رے گھوڑے سب کے جوابات اُنھوں نے بالکل صحیح صحیح دیئے۔ یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور باتیں کر رہے تھے کہ ان کو نمائش میں رکھا جائے کہ ایک بڈھا آدمی آیا اور اس نے کہا کہ حضور میرے پاس بھی ایک کتا ہے۔ اُس کا نام ردلف ہے۔ میں نے بھی اس کو پڑھایا ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو چل کر اس کا امتحان بھی لے لیجئے۔ یہاں سے تھوڑی ہی دور میرا گھر ہے۔

یہ سُن کر لوگوں کو اور بھی دلچسپی پیدا ہوئی اور سب بڈھے کے ساتھ چل پڑے۔ جب کتے کے پاس پہنچے تو اُس نے دیکھتے ہی اُٹھ کر اُن کی تعظیم کی اور اپنی دُم ہلانے لگا۔ بڈھے نے کہا حضور اس سے کچھ باتیں بھی کر کے دیکھیں۔ چنانچہ ایک پروفیسر نے ردلف سے ایسا سوال کیا کہ تم بھی مشکل سے اتنا اچھا جواب دے پاؤ۔ اُس نے پوچھا کہ "ردلف خزاں یعنی پت جھڑ کس موسم کو کہتے ہیں"۔ ردلف نے تھوڑی دیر تک اپنی آنکھیں بند کیں، کچھ سوچا، اور اپنے ننھے پنجے سے زمین پر لکھنا شروع کیا، "اس موسم کو جس میں سیب ہوتے ہیں"۔ یہ جواب سن کر سب بہت خوش ہوئے اور اس کی عقل پر حیرت کرنے لگے۔ تم نے دیکھا کتنا اچھا جواب تھا، بھلا تم بھی ایسا جواب دے سکتے تھے!

ردلف بھی ٹنٹو کی طرح بہت مسخرا اور شریر تھا، لیکن اس کی شرارت سے کسی کو تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ جب اس کا جی مذاق کرنے کو چاہتا تو ایسی بات کہہ دیتا کہ سب کو ہنسی آ جاتی۔

ایک دن ایک عورت ردلف کو دیکھنے آئی۔ جب اچھی طرح اس کو دیکھ چکی اور اس سے کئی باتیں پوچھ چکی تو چلتے وقت اس نے ردلف سے کہا کہ "اچھا ردلف بتاؤ کہ اب میں تمھاری کیا خدمت کر سکتی ہوں"۔ ردلف تھوڑی دیر تک اُن کو بہت غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے ننھے پنجے سے لکھنا شروع کیا "آپ بھی اپنی دُم ہلائیے"۔ یہ سُن کر سب لوگ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔



چانگ کنگ دادا

(ایک چینی کہانی)

بہت دنوں کی بات ہے ہزاروں برس پہلے کی۔ چین میں ایک بوڑھے دادا رہتے تھے۔ بہت ہی بوڑھے۔ چانگ کنگ دادا۔ ان کا کنبہ بہت بڑا تھا۔ جتنا تم اپنے ذہن میں تصور کرو اس سے بھی بڑا۔ پر یہ بڑھا کیسے؟ یہ بھی سنو!

جب چانگ کنگ دادا کے بیٹے جوان ہوئے تو اُن کی شادی رچائی گئی، اُن کی بیویاں چانگ کنگ دادا کے گھر میں آئیں۔ دادا کے کنبے میں شامل ہوگئیں۔ اب دادا کے پوتوں پوتیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ بھی خیر سے پلے بڑھے۔ جوان ہوئے، بیاہے تھیائے گئے۔ ان کی دلہنیں بھی چانگ کنگ دادا کے گھر کی رونق بنیں۔ اے لیجیے آپ اُن کے بھی بچے پیدا ہوئے۔ چانگ کنگ دادا، دادا سے پردادا ہوئے غرض چانگ کنگ دادا کا کنبا اسی طرح بڑھتا رہا، بڑھتا رہا ——

اور بھائی چاہے تمھیں یقین آئے یا نہ آئے کئی سو تک پہنچ گیا پر یہ رہتے تھے سب ایک ساتھ۔ ان میں بوڑھے ادھیڑ، جوان، لڑکے، لڑکیاں چھوٹے بچے سبھی تھے۔ چھوٹے بچوں کی تعداد ہمیشہ کافی رہتی تھی۔

پھر چانگ کنگ دادا کے کنبے میں لوگوں کو پالتو جانور خصوصاً کتے پالنے کا بہت شوق تھا۔ کہتے ہیں اس کنبے میں کوئی سو تو کتے ہی تھے۔

شاید تم جی میں سوچو کہ اتنے بہت سے لوگ بھلا ایک گھر میں کیسے سماتے ہوں گے، تو بھئی جیسے جیسے لوگ بڑھتے گئے نئے نئے کمرے نئے نئے گھر بھی بنتے گئے۔ بالکل پاس پاس ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ ایک قطار میں۔ بس ایک چھوٹا سا محلّہ سمجھو، چاروں طرف گھر۔ بیچ میں بڑا سا احاطہ کہو یا آنگن گھروں کے پیچھے احاطے کی دیوار کھنچی ہوئی۔ خوب اونچی سی۔ اس دیوار کی وجہ سے ایک ہی گھر معلوم ہوتا تھا۔ بہت بڑا۔ محل کا محل۔

چانگ کنگ دادا اپنی اولاد کو بڑھتے پھولتے دیکھ کر پھولے نہ سماتے۔ سب کا کھانا پینا ایک ساتھ ہوتا۔ ایک لمبے سے ہال میں خوب بڑا سا دسترخوان بچھا کرتا، اور سب چھوٹے بڑے بچے کچے بوڑھے دادا کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ بوڑھے دادا کو اس میں کیسا لطف آتا!

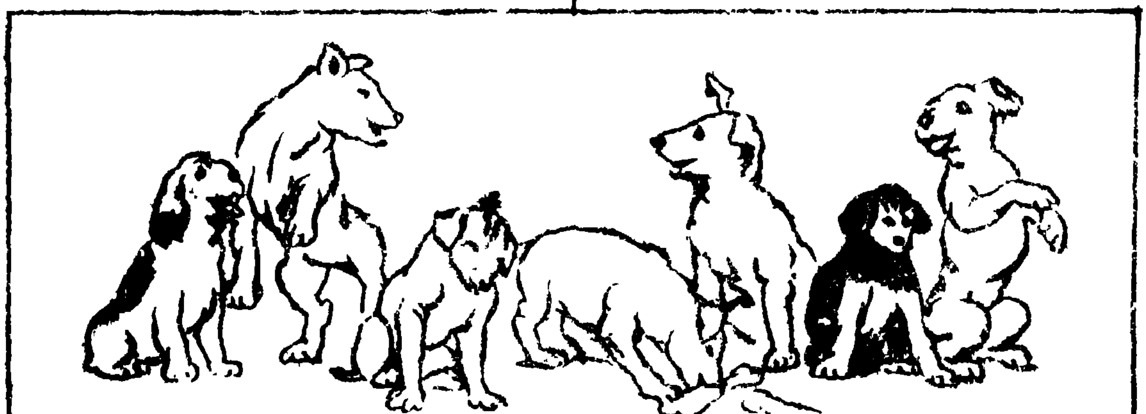
کھلے آنگن میں بوڑھے دادا ہمیشہ اس جگہ بیٹھتے جہاں وہ اپنے پرپوتوں سکڑپوتوں کو کھیلتے کودتے چہلیں کرتے آسانی سے دیکھ سکیں۔

پر بھئی چین میں تو اور بھی لوگوں کے بڑے بڑے کنبے ہوں گے بوڑھے دادا کے کنبے میں آخر کیا بات تھی۔ ہزاروں ہزار برس گذر گئے چینی اب تک اسے نہیں بھولے

کہتے ہیں اس کنبے کے لوگ آپس میں کبھی لڑے جھگڑے نہیں۔ بچّوں میں کبھی تو تو میں میں نہ ہوئی کھیلتے میں بھی کبھی نہیں لڑے۔ نہ بڑوں نے کبھی اپنے بچّوں کو جھڑکا، نہ آدھی بات کہی۔ بڑا یا چھوٹا کسی نے کوئی سخت کلمہ تک ایک دوسرے کے خلاف مُنہ سے نہ نکالا۔ نہ کوئی ایسی ویسی بات کی۔ لوگ تو مذاق میں یہاں تک کہتے کہ اِس گھر کے کُتّے بھی کبھی نہیں بھونکے نہ کبھی کسی کو کاٹا۔ جب ان کا راتب یا ہڈیاں آتیں تو دُم ہلاتے رہتے اور اپنی باری کا

انتظار کرتے۔

اس نیک اور شریف گھر کی شہرت قصّے کہانیاں آہستہ آہستہ سارے مُلک میں پھیل گئیں جیسے بہار کے موسم میں صبح کی ہوا آہستہ آہستہ



چلتی بڑھتی اور پھیلتی ہے۔ ہوتے ہوتے یہ خبر بادشاہ سلامت کے کانوں تک پہنچ گئی کہ اس کے اپنے ملک میں ایک ایسا خوش نصیب گھر بھی ہے جو اس طرح میل محبت سے ہنسی خوشی زندگی کے دن گذارتا ہے۔

اتفاق کی بات اسی زمانے میں بادشاہ سلامت کو چین کے پچھمی پہاڑوں کی طرف جانا تھا۔ یہ جگہ بوڑھے دادا کے گاؤں سے قریب ہی تھی۔

بادشاہ سلامت نے سوچا لوٹتے میں اس عجیب و غریب کنبے کو خود ہی جاکر کیوں نہ دیکھے اور جو سنا ہے اس کی خود ہی تصدیق کیوں نہ کرے۔

(باقی پھر)



اس طریقے سے تصویریں بناؤ



شکاری لڑکا

محمود حسین، اُستاد مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول

(۳)

دو لڑکے تھے۔ گنگا اور انواری۔ اُن کا گاؤں پہاڑوں سے دور کھلے میدان اور پیڑوں کے جھنڈ میں کھیتوں کے پاس تھا۔ اِس گاؤں کے پاس ہی ایک قصبہ تھا۔

گنگا اور انواری کہنے کو تو اس قصبے کے پاٹھ شالا میں پڑھنے جاتے۔ ماں باپ بھی یہی سمجھتے کہ بڑے شوقین لڑکے ہیں۔ پر وہ پڑھنے کیا جاتے۔ وقت کاٹنے۔ مدرسے کے لڑکوں کو تنگ کرنے، ستانے اور بہکانے جاتے۔

روزانہ صبح کو روٹیاں باندھ، بستہ سنبھال، مدرسے روانہ ہوتے۔ راستے میں طرح طرح کی تفریحیں رہتیں۔ کنکر پتھر کو فٹ بال بناتے چلتے۔ میں کُرتوں میں پتھر بھر کر اِدھر اُدھر نشانے لگاتے۔ آم کا باغ راستے میں پڑ جاتا تو کچے پکے آم توڑتے۔ کچھ کھاتے کچھ ادھر ادھر پھینکتے۔

دونوں بڑے شوقین تھے۔ اچھے خاصے چڑی مار۔ دوپہری بھر ربڑ کی غلیل لئے نہ جانے کہاں کہاں گھوما کرتے۔ بھولی بھالی چڑیوں کو مارتے اور خوش ہوتے۔ فاختہ بے چاری کو انھی لڑکوں نے نشانہ بنایا تھا۔ جب وہ نہ ملی تو دوسری چڑیوں پر مشق کرتے پھرے۔

ایک دن جلتی دوپہری اور چلچلاتی دھوپ میں یہ دونوں جنگل کی طرف نکل گئے۔ جنگل میں ایک پیڑ پر کبوتروں نے انڈے دے رکھے تھے۔

گنگا بولا:۔ یار انواری آج شکار دِکار تو ہاتھ لگا نہیں لاؤ انڈے ہی

اُتاریں" ۔ اتواری نے ہاں میں ہاں ملائی گنگا یوں سمجھو کہ پلک مارتے میں پیڑ پر تھا ۔ پر وقت کی بات ۔ انڈوں کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ جس ڈال پہ کھڑا تھا بہت زور سے چر چرائی اور ٹوٹ گئی ۔ پھر کیا تھا گنگا دھم سے نیچے، اوپر یہ موٹا سا گدّا ۔ آنکھوں کے سامنے بجلی سی چمکی ، پھر اندھیرا چھا گیا ٹانگ ٹوٹ گئی تھی ، خوب خون بہہ رہا تھا ۔

اتواری نے بہت کوشش کی مگر گنگا کو گدّے کے نیچے سے نہ نکال سکا ۔ بھاگم بھاگ گنگا کے گھر پہنچا بُری حالت تھی سانس پھولا ہوا ۔ چہرے پہ ہوائیاں بڑی مشکل سے گنگا کی ماں کو یہ بُری خبر سُنائی وہ بے چاری روتی پیٹتی دوڑ پڑی ۔ گنگا کا باپ اس کے پیچھے بھاگا بہت سے لڑکے اور آدمی اس کے پیچھے پیچھے لپکے ۔

وہاں پہنچے تو گنگا بے ہوش پڑا تھا ۔ چہرے پر مُردنی چھائی ہوئی ۔ چارپائی پہ ڈال کے گھر لائے ۔ ہوش میں لانے کے بیسیوں جتن کئے پر کوئی چار گھنٹے میں ہوش آیا ۔ درد سے بے چین تھا ۔ بار بار غشی آجاتی ۔ نہ جانے کیا کیا بکتا ہے ۔ " وہ مارا ۔ وہ گری ۔ ارے اتواری وہ دیکھ ٹوٹا ہوا بازو ......"

ماں باپ سُن سُن کر اور بھی پریشان ہوتے ۔ اتواری نے انھیں پوری کہانی سُنائی ۔ دونوں بڑے نیک تھے اُن کے جی میں وہم آیا کہ اس نے بے زبان پنچھیوں کو ستایا ہے ، اسی بات کی سزا ملی ہے ۔ اِس خیال سے انھیں اور بھی دُکھ ہوا ۔

گاؤں کے پنچ کو خبر ملی تو دوڑا دوڑا آیا اور گنگا کو پاس کے سرکاری اسپتال میں بھجوا دیا ۔ آزادی کے بعد دیس میں جگہ جگہ اسپتال بن گئے تھے ۔ اِن میں لوگ بڑی ایمان داری اور خلوص سے بیماروں کی دیکھ بھال کرتے تھے ۔ گنگا کا علاج بھی بہت احتیاط سے ہوا ۔ اسپتال والوں نے اس کی بہت خدمت کی ۔ اس کے ماں باپ بھی ساتھ رہتے تھے ۔ بیماری کے زمانے میں ماں کیسے کیسے پیار سے اُسے سمجھاتی ۔ کیا کیا سمجھاتی ، کون بتائے ۔ گنگا سے وہ

لیا کیا آس لگائے بیٹھی تھی۔

گنگا اچھا ہوگیا۔ اس کا دھیان پلٹ گیا۔ ماں کا کہنا ماننے لگا۔ اب اس کے دو ہی کام تھے پڑھنا لکھنا یا پھر چھت پر جاکر چڑیوں کے لئے دانے بکھیرنا، ان کے لیے مٹی کے ایک برتن میں پانی بھر کے رکھنا۔

امتحان ہوئے۔ اب کے نتیجہ نکلا تو گنگا بھائی اوّل! کیا لڑکے کیا استاد سب خوش۔ گنگا اب استادوں سے بہت ادب اور ساتھیوں سے محبت اور اخلاق سے پیش آتا تھا۔ گنگا بھی خوش تھا۔ اترانے ہوئی خوشی نہیں بلکہ ایک خاص طرح کا سرور تھا جو اچھا کام کرنے سے آدمی کو ہوتا ہے

پاٹ شالا کی پڑھائی ختم کرکے گنگا شہر کے ایک اسکول میں داخل ہوگیا شہر کے لڑکوں نے اُسے گنوار دیہاتی سمجھ کر خوب مذاق اڑایا۔ مگر گنگا چپ چاپ۔ بھاری بھرکم انداز! چڑیوں کے لئے دانا پانی کا فکر وہ یہاں بھی رکھتا۔ لڑکے یہ دیکھ کر مذاق اڑاتے کوئی بگلا بھگت کہتا۔ کوئی اوتار کوئی کچھ۔ کوئی کچھ۔ گنگا یہ سب کچھ خاموشی سے سنتا رہتا اور اپنا کام کئے جاتا۔

اس مدت میں ایک سال گذرا دو گذرے، تین گذرے۔ گنگا ہر سال اچھے نمبروں سے پاس ہوتا رہا۔ چوتھا سال آخری تھا۔ نتیجہ نکلا۔ گنگا اوّل آیا۔ لڑکوں نے کہا: "بگلا بھگت بازی لے گیا۔" پر استادوں نے اس کی بڑی قدر کی۔ اس کی بھلائی کی تدبیروں میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

گنگا شہر میں رہتا تھا پر اسے شہر کی ہوا نہیں لگی تھی۔ نہ نئے نئے فیشن کا لباس اسے بھاتا تھا نہ نئے نئے شہری طریقے۔ اچھا خاصا دیہاتی کسان معلوم ہوتا تھا۔ گھر جاکر تو وہ سچ مچ کسان بن جاتا تھا۔ سب کو جھک کر پرنام کرتا۔ گھر کے کام دھندوں میں ہاتھ بٹاتا۔ اُپلے تک تھاپ دیتا۔ ماں باپ بھائی بہن، سب کی خدمت کرتا اور بہت محبت کرتا اور صفائی کا بہت خیال رکھتا۔ اس کا گھر کچا، مگر بہت سے پکے گھروں سے اچھا تھا۔

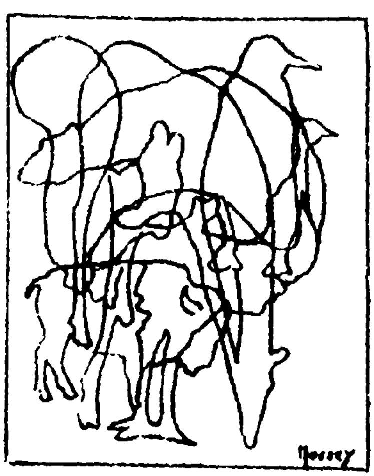
تھوڑے دنوں بعد گنگا ایک مقابلے کے امتحان میں بیٹھا۔ امتحان لینے والوں نے اس کا لباس اور وضع قطع دیکھ کر ناک بھوں سکیڑی مگر امتحان کے پرچے دیکھ کر پھڑک گئے۔ زبانی امتحان میں بھی وہ سب میں اوّل آیا۔

لو بھئی وہ چڑیوں کے شکاری چڑی مار گنگا پرشاد صاحب اب ایک ضلع میں ڈپٹی ہو گئے۔ لوگ ڈرے جھجکے۔ چوروں، بے ایمانوں، بلیک مارکٹ کرنے والوں نے ان پر ڈورے ڈالے۔ مگر گنگا پرشاد نس سے مس نہ ہوئے اُنھوں نے دولت کو ٹھکرایا۔ حکومت کی جکڑ بندیوں کو توڑا۔ چوروں بدمعاشوں پر کڑی نگرانی رکھی۔

وہ رعایا کا حاکم نہیں خلقت کا خادم تھا عام لوگوں کے دکھ درد میں ماں جائے بھائیوں کی طرح شریک ہوتا۔ اُس کا دروازہ دکھیو اور مصیبت زدہ لوگوں کے لئے کھُلا رہتا۔ چپراسی پیادے، چوکی دار اور کتے اُنھیں نہ روک سکتے نہ ٹال سکتے نہ بُرے بول بول سکتے تھے۔

(ختم)

جانور تلاش کرو

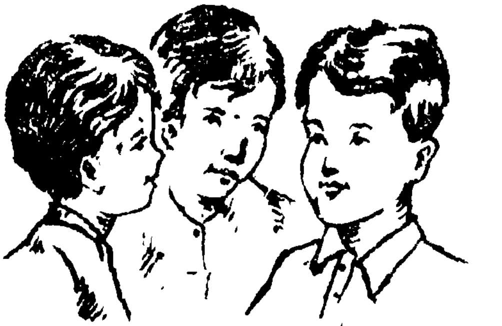


یہ چھ جانور اور پرندوں کا مجموعہ ہے

کیا

آپ بتا سکتے ہیں کون کون سے جانور اور پرندے ہیں (دلچسپ)

بچّوں کی برادری



ممتاز احمد - دہلی

جہاں چند بچّے کھیل کود کے لیے جمع ہوئے اور بڑوں نے انھیں دیکھ پایا تو وہ نہ جانے کیوں انھیں بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ "بچّے کیا ہیں اچھے خاصے شیطان ہیں"۔ اور نہ جانے کیا کیا۔ اگر ہم کسی ترکیب سے کھیلنے باہر جائیں، تو مار مار کر گھروں میں بند کر دیتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو یہ سوچے کہ ہم نے ان بچّوں کے لئے کھیل کود کا خود بھی انتظام کیا ہے یا نہیں، اور کیا اس عمر میں اُن کے لئے یہ ضروری ہے کہ بڑوں کی طرح ہر وقت سنجیدہ بنے بیٹھے رہیں۔

پر اب ہم آزاد ملک کے آزاد بچّے ہیں ہم بڑوں کو مجبور کر دیں گے کہ وہ ہمارے لئے اچھے اچھے کھیلوں اور مشغلوں کا انتظام کریں۔ ہم جامعہ کے بہت شکر گزار ہیں کہ اسنے ہم بچّوں کو ایک راستہ دکھایا ہے اب ہماری سمجھ میں آگیا ہے کہ ہماری مصیبت کا کیا حل ہے۔

جامعہ نے کچھ علاقوں میں بچّوں کے مرکز کھولے ہیں۔ ان میں مختلف قسم کے کام ہوتے ہیں۔ میں بھی ایک مرکز کا ممبر ہوں۔ اس مرکز میں ایک بچّوں کی برادری ہے۔ برادری کے تو پچاسیوں ممبر ہیں۔ لیکن اس برادری کے کام کو چلانے کے لئے کچھ عہدے دار چُنے جاتے ہیں جن پر برادری کی تمام ذمّے داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک صدر ہوتا ہے ایک سکریٹری۔ ایک ایڈیٹر اخبار کا ایک لائبریرین۔ ان عہدے داروں کو پورا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جو بھی چاہیں کریں۔ لیکن وہ ہر کام اپنے نگراں کی اجازت اور رائے سے کرتے ہیں۔ اگر برادری کے کچھ بچّے سیر کرنا یا کسی قسم کا کوئی پروگرام بنانا چاہتے ہیں تو وہ ایک درخواست لکھتے ہیں، اور سکریٹری صاحب کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ سکریٹری صاحب عہدے داروں کا ایک جلسہ کرتے ہیں، اور اس میں دو

درخواست پیش کی جاتی ہے۔ صدر صاحب درخواست پڑھ کر سب عہدے داروں کو سناتے ہیں، اور اس پر سوچتے ہیں کہ اس کے لئے کیا انتظام کیا جائے

ہم ابھی تک تقریباً دس ڈرامے تعلیمی شو میں اور تقریری مقابلے اور کئی تفریحی تقریبیں کر چکے ہیں۔ دوسرے ہمارے مرکز میں بچوں کے کھیل کا بھی انتظام ہے۔ ہمارے مرکز کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ وہ ہمارے لئے ہماری ہر خواہش کا سامان مہیا کر سکے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اس میں سے کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔

برادری کے عہدے داروں کا انتخاب ہر سال ہوتا ہے۔ عہدے داروں کے انتخاب کے لئے ایک الیکشن ہوتا ہے اور برادری کے ممبر ووٹ دیتے ہیں اور عہدے دار چن لئے جاتے ہیں۔ اور سابقہ عہدے دار ایک جلسہ کرکے نئے عہدے داروں کو چارج دے دیتے ہیں۔

بارہ ہندو راؤ کے مرکز میں یہ سب کام بچوں کی انجمن کرتی ہے۔ اس مرکز میں ایک بچوں کی عدالت ہے۔ عدالت کا جج ایک بچہ ہوتا ہے جو بچے آپس میں لڑتے ہیں وہ عدالت میں مقدمہ پیش کر دیتے ہیں اور باقاعدہ اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ایک رسالہ بچوں کے ہاتھ کا لکھا ہوا شائع ہوتا ہے۔ جس میں بچے خود مضمون، لطیفے یا نظمیں لکھ کر ایڈیٹر رسالہ کو بھیج دیتے ہیں۔ اور وہ نظم یا مضمون بھیجنے والے کے نام سے رسالے میں شائع کر دی جاتی ہے۔ اور ہم خوب مزے سے آپس میں مل جل کر کھیلتے کودتے ہیں۔ لیکن جب میں اور میرے دوسرے ساتھی اور دوسرے محلوں کے بچوں کی حالت دیکھتے ہیں جہاں ابھی کوئی مرکز قائم نہیں ہوا تو بہت دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے ان بھائیوں کی کیسی حالت ہے نہ پڑھنے کا انتظام ہے، نہ کوئی کھیل کود کا۔ ویسے تو ہمیں امید ہے کہ اب ہماری حکومت ہم بچوں پر زیادہ توجہ دے گی۔ ہماری خواہش ہے کہ دہلی کی ہر بستی کے بچے بڑوں سے کہہ کر اپنا ایک مرکز بنالیں اور اس میں یہ سب کام کریں جو ہم کرتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی ہماری طرح ہر وقت کی گھڑکیوں سے نجات حاصل کرلیں گے۔

جامعہ کے مرکزوں میں مجھے سب سے زیادہ یہ بات پسند آئی کہ ہندو مسلمان اور سکھ سب بچے آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہتے ہیں، اور ایک دوسرے سے خوب اچھی طرح ملتے جلتے اور بولتے ہیں، اور آپس میں مل بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں۔ اگر اس قسم کے اور مرکز کھل گئے تو گاندھی جی کی بات کو زندہ رکھنے کا سہرا ہم بچوں ہی کے سر رہے گا۔



اس تصویر میں پانچ بلیاں چھپی ہیں ذرا انھیں تلاش تو کرو



اِدھر اُدھر سے

سیام کی حکومت بھی اپنی طرف سے ایک ہاتھی جاپانی بچّوں کو تحفے کے طور پر بھیج رہی ہے۔ یہ نر ہاتھی ہے۔ اور جب ہندوستان کا ہاتھی (پنڈت جواہر لال کا تحفہ) جاپان پہنچ جائے گا تب یہ روانہ ہوگا۔

بنگلور میں دو جڑواں بہنیں تھیں یعنی ایک دوسری سے جڑی ہوئیں۔ اب ان میں سے ایک بہت سخت بیمار ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر لوگ پریشان ہیں کہ اگر یہ مرگئی تو دوسری کا کیا حشر ہوگا۔ یہ بہنیں تمام جہان کا چکّر لگا آئی ہیں۔

انگلستان میں ایک مقام ہے ڈربی یہاں اچانک مینڈکوں کی فوج آبادی پر چڑھ دوڑی، ہزاروں مینڈک لوگوں کے گھروں میں گھسنے کی کوشش کرنے لگے لوگوں نے گھنٹوں اس فوج کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ زہریلی دوائیاں چھڑکیں لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے خبرلی۔ آخر سب کو نیست و نابود کرڈالا۔ اس عرصے میں راستے بالکل بند رہے۔ گاڑیوں اور موٹروں کی آمد و رفت بالکل رُک گئی۔

انگلستان میں کرکٹ کے ایک کھلاڑی کی ناک پر زور سے بال لگا۔ ناک جوڑ سے ہٹ گئی ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ دوسری طرف بھی اتنی ہی زور سے گھونسا مارا جائے تو ناک ٹھیک ہو جائے گی۔ ایک دن اتنا ہی تیز گیند ناک کی دوسری طرف لگا، پٹّی کھول کر دیکھا تو ناک سیدھی ہوگئی تھی۔

ستاروں کی تلاش



(۱)

ایک بہت ہی ننھا مُنّا
ہرا مینڈک ایک بہت
بڑے سے تالاب
میں رہتا تھا۔

(۲)

یہ مُنّے میاں اپنے ٹھیک
وقت پر پُھدک کر کنارے
پر آگئے۔ مینڈکوں کے
کورس میں جو شریک
ہونا تھا۔



(۳)



(۳)

جونہی کورس شروع ہوا
منّے میاں کی نگاہ اوپر
اٹھ گئی۔ چمکتے دمکتے
تاروں کی دنیا نظر آئی۔

---

(۴)



(۴)

اہا کیسی پیاری پیاری چیز
ہے۔ آخر یہ ہے کیا؟
ایک بڑے مینڈک نے
جواب دیا۔ ستارے ہیں
ستارے یہاں سے دور۔
بہت دور۔ پر ہم سے
اُن سے کیا سروکار۔

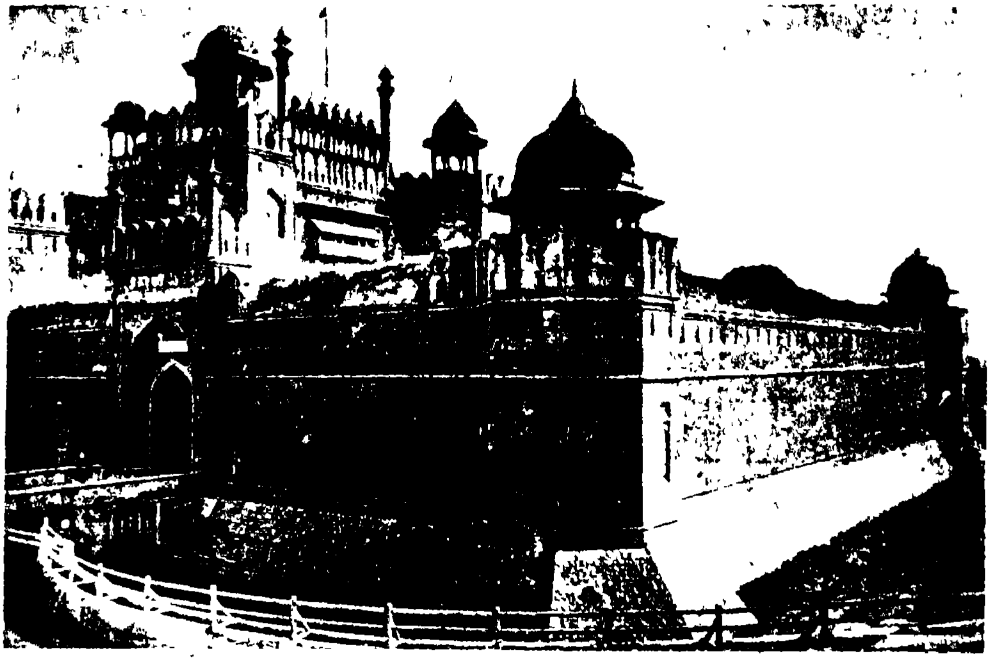
(ان تصویروں میں رنگ بھی بھر کر دیکھو
ہرے مینڈک بنانا۔)



ڈاکٹر انصاری



مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب



لال قلعہ محل شہنشاہ شاہجہاں کی [illegible] جہاں ۱۵ اگست کو [illegible]
[illegible] ہے

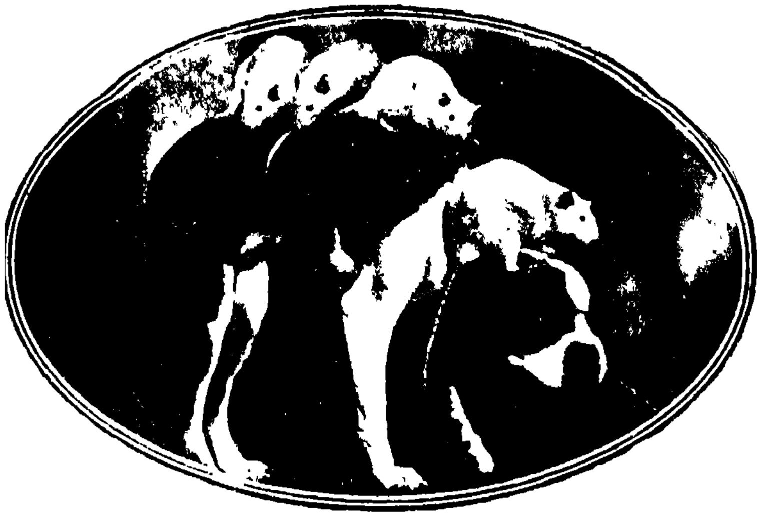


پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہندوستان
پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی آپ ہی نے
جھنڈا لہرایا

Title printed by Calcutta Art Press, Katra Baryan, Delhi

پیامِ تعلیم





دوستی اور پیار اسی کو
کہتے ہیں



ایک دلچسپ منظر

پیام تعلیم

جامعہ نگر دہلی

ایڈیٹر

محمد حسین حسان

قیمت سالانہ للعہ ر - فی پرچہ ۵ر

جلد ۲۲	فہرست مضامین ، ستمبر ۱۹۴۹ء	نمبر ۶

پرنٹر و پبلشر محمد حسین حسان — جید پریس دہلی



بچوں سے باتیں

پچھلا پرچہ پیامیوں کو خصوصاً بہت پسند آیا۔ "آدھی ملاقات" میں اُن کے خط پڑھ کر دیکھو جگہ کم تھی۔ بہت سے خط چھپنے سے رہ گئے اِس طرح کے خط ذرا مختصر لکھا کیجئے۔ بس مطلب کی باتیں ہوا کریں۔

اِن خطوں میں پیامیوں نے بہت اچھے اچھے مشورے بھی دئے ہیں۔ یہ باتیں خود ہمارے سامنے ہیں۔ آہستہ آہستہ اِن پر عمل ہوگا۔

بہت پیامیوں نے پیام برادری کے بارے میں پوچھا ہے۔ اِس وقت جامعہ کے ایک شعبے نے بچوں کی برادری کے نام سے اِس طرح کی ایک انجمن قائم کی ہے۔ دہلی میں یہ بہت اچھا بہت ٹھوس کام کر رہی ہے اب یہ اپنا کام دوسرے شہروں میں پھیلانا چاہتی ہے۔ پیامی اِس پتے پر خط کتابت کریں۔ بچوں کی برادری معرفت اِدارۂ تعلیم و ترقی جبلی قبر دہلی۔

اِس مرتبہ پیام تعلیم میں تمھیں دو نئے مضمون نگار نظر آئیں گے۔ سیدہ فرحت دہلوی اور مہیشور دیال صاحب بی۔ اے، ال، ال، بی فرحت صاحبہ کی نظم دیکھو کیسی اچھی ہے اور مہیشور دیال صاحب کی کہانی! یہ دونوں تمھارے لئے آئندہ بھی کچھ نہ کچھ لکھتے رہیں گے۔

---

۲۰ اگست سے ہماری جامعہ کھل گئی ہے اور جامعہ نگر میں خوب چہل پہل ہو گئی ہے۔ لڑکے بھی اب کے کافی آئے ہیں۔ ثانوی میں بھی ابتدائی میں بھی۔

بہت سے ننھے پیامیوں کو رسالے" یا مترمی مجیب صاحب کی کہانیوں کی تلاش ہے مجیب صاحب آج کل حکومت ہند کے کاموں کے سلسلے میں امریکہ تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں سے آپ نے پیامیوں کی دلچسپی کے لئے اچھے اچھے خط لکھنے کا وعدہ کیا ہے ؂



سویرا

از سیدہ نزہت

گئی رات غائب اندھیرا ہوا
اٹھو کھولو آنکھیں سویرا ہوا
بہت دیر سونا نہیں چاہیے
کہ وقت ایسا کھونا نہیں چاہیے
یہ دیکھو ہے کیسا سہانا سماں
بھرے نور سے ہیں زمیں آسماں
ہوا چلتی ہے سرسراتی ہوئی
ہر ایک پھول کو گدگداتی ہوئی
کہا اس نے کلیوں کے کچھ کان میں
ہنسیں کھل کے وہ پھول اک آن میں
درختوں پہ چڑیوں کے ہیں جمگھٹے
سنو اٹھ کے ان کے ذرا چہچہے
اگر دیکھنا ہے صبح کی بہار
کرو نیند کا دور جلدی سے پار
بہت فائدے جلدی اٹھنے میں ہیں
بچھونا جو چھوڑو بتاؤں تمہیں
صبح ہوتی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
یہ سمجھو کہ ہوتا ہے امرت گھلا
جو اٹھ کے سویرے ہوا کھاؤ گے
تو بیمار ہونے سے بچ جاؤ گے
پیو تازہ پانی کا بھر کر گلاس
ہوا میں کھڑے ہو کے لو لمبے سانس
صبح اٹھ کے کچھ دیر ٹہلا کرو
نہاؤ اگر زیادہ سردی نہ ہو
تم اس طرح ہو جاؤ گے تازہ دم
لگے گا بہت کام بھی تم کو کم
بدن میں وہ چستی سما جائے گی
کہ بھولے سے سستی نہ پاس آئے گی
نہ دل لکھنے پڑھنے سے گھبرائے گا
جو کھیلو تو دگنا مزا آئے گا

اگر تندرستی ہو تم چاہتے
صبح جلدی اٹھنا تمہیں چاہیے



سورج مکھی

مہیشور دیال ماتھر

بہت دنوں کی بات ہے ہمارے دیش میں ایک راجہ راج کرتا تھا اس کا محل بہت بڑا تھا ، محل کے چاروں طرف باغ تھا ۔ بہت سندر ، باغ کا مالی بہت محنتی تھا ، طرح طرح کے پھلوں پھولوں کے پودے اُگاتا اور راجا جی سے انعام پاتا ، امرود آم ، لوکاٹ ، جامن ، فالسہ ، لیچی سیب ، سنترے غرض سبھی طرح کے پیڑ لگا رکھے تھے ۔

پھولوں کی الگ بہار تھی ، کہیں جوہی کھل رہی تھی تو کہیں موتیا اور چنبیلی بہار دے رہے تھے ، کہیں رات کی رانی مہکتی تھی تو کہیں نرگس کھڑی لہلہا رہی تھی ۔ ایک کیاری میں گلاب لگا تھا ۔ گلاب کے پودے سب کے من کو بھا گئے تھے ، اور وہ پھولوں کا راجا بن گیا تھا ۔ مالی روز سویرے جھولی میں گلاب بھر کر مہارانی جی کے پاس لے جاتا ۔ مہارانی جی پھولوں کو دیوی دیوتاؤں پر چڑھاتیں اور خوش ہوتیں ۔

ایک دن مالی نے کچھ اور پھولوں کے بیج کیاریوں میں بوئے ۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ان میں کلّے پھوٹ آئے ۔ مالی نے ان کی خوب خدمت کی ۔ ہوتے ہوتے یہ خوب بڑے ہوگئے اور ان میں بڑے خوب صورت پھول نکلے ایک پودا گلاب کی کیاری میں اُگ آیا ۔

شام کا وقت تھا ، مہارانی اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ میں ٹہلنے نکلیں ۔ ٹہلتے ٹہلتے گلاب کی کیاری کے پاس پہنچیں ۔ اس کیاری میں ایک نیا پودا لگا تھا مہارانی اُسے اپنی سہیلیوں کو دکھانے لگیں ۔

گلاب راجہ کو یہ بات بُری لگی انھوں نے نئے پھول سے پوچھا، کیوں میاں تم کون ہو اور ہماری کیاری میں کیوں آگئے"

نیا پھول بہت ادب سے بولا "حضور! میرا نام سورج مکھی ہے۔ جس مالی نے آپ کو اُگایا ہے اُسی نے مجھے بھی بو دیا تھا۔ بھلا اس میں میری کیا خطا!

باغ کے سارے پھول یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ یہ سب گلاب راجہ کے خوشامدی تھے اور سورج مکھی کو بہت گھور گھور کے دیکھ رہے تھے۔ بی چمپا مٹک کر بولیں:۔ "اے سورج مکھی تجھے شرم تو نہیں آتی! تجھے معلوم نہیں گلاب راجہ ہمارے راجہ ہیں۔ اُن کی خوشبو سارے جگ کو مہکاتی ہے۔ بھلا کہاں تو کہاں راجہ جی۔ تجھے ان کے دربار میں آنے



کی ہمت کیسے ہوئی!"

بی چمپا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی "اے سورج مکھی تجھے نہیں معلوم

آدمی تو آدمی دیوتا بھی گلاب راجہ سے پریم کرتے ہیں - ہر روز جھولیاں بھر بھر کے مندر میں چڑھائی جاتی ہیں - تیرا ان کی کیاری میں کیا کام !"

بی چنبیلی چٹک کر بولیں : "ارے سورج مکھی انسان مجھ سے بھی بہت پیار کرتا ہے - میرا تیل نکال کر بالوں میں ڈالا جاتا ہے - میری بالیاں بنا بنا کر لڑکیاں کانوں میں پہنتی ہیں پر گلاب راجہ کی برابری تو میں بھی نہیں کرسکتی - بڑے بڑے وید بڑے بڑے حکیم ان کے قائل ہیں - ان کی دوائیاں بناتے ہیں - ان سے بیماروں کو اچھا کرتے ہیں "

موتیا کی کلیاں بھی یہ سن کر کھل اٹھیں :- اے سورج مکھی : تو نے کچھ اچھا نہیں کیا - دیکھ میرا گجرا بنا کر لڑکیاں اپنے جوڑوں میں لگاتی ہیں ، اور ان کی خوبصورتی کو چار چاند لگ جاتے ہیں ، مگر گلاب راجہ کو ہاتھ میں لے کر تو نور جہاں جیسی سندر رانی سارے پھولوں کو بھول جاتی ہے "

نرگس کو بھی بہت برا لگ رہا تھا رو کر بولی :- "ساری زندگی مجھے روتے گذار دیتی ہوں تب کہیں جاکر چمن میں کوئی دیکھنے والا پیدا ہوتا ہے - پر گلاب راجہ کی بات اور ہے - صبح سویرے بی شبنم تو ان کا منہ دھلاتی ہیں اور بلبل کا تو ارے سورج مکھی ان کی محبت میں دماغ ہی خراب ہوگیا ہے "

سوسن دادا کیوں خاموش رہتے اپنی پتلی پتلی ڈنڈیاں اونچی کرکے باریک آواز میں بولے :-

" دنیا کی ساری مٹھاس گلاب راجہ میں ہے - ان کا رس چوسنے کے لئے تتلیاں بے تاب رہتی ہیں - بھونرے میاں ساری عمر بھن بھن کرتے رہتے ہیں - پر تجھے تو اے سورج مکھی ایسی کیا بات سوجھی جو گلاب راجہ کے محل میں آ بیٹھا "

گیندے میاں کسی سے پیچھے کیوں رہتے بولے :- "اے سورج مکھی بھلا سورج کا منہ تک تک کر پیچھا کرنے

سے کیا حاصل۔ اپنی شکل ذرا تالاب میں تو دیکھ، یہ پیلا پیلا چہرہ، اس پر چیچک کے سے داغ۔ تو کیاری میں گلاب راجہ کے ساتھ کھڑا اچھا نہیں لگتا!"

سورج مُکھی بے چارا کھڑا کھڑا سب کی باتیں سُن رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا مگر کوئی اسے بولنے ہی نہ دیتا تھا۔ اِدھر گلاب راجا یہ خوشامد کی باتیں سُن سُن کر جھوم رہے تھے۔

پھولوں کی یہ باتیں مہارانی جی بھی سُن رہی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں۔ گلاب راجا کی اتنی تعریف انھوں نے پہلے کبھی کاہے کو سُنی ہوگی۔ ان کا دل بے اختیار للچایا۔ پر جوں ہی ایک گلاب کے پھول کو توڑا اُنگلی میں کانٹا چبھ گیا، اور خون نکل آیا۔

مہارانی جی کی اُنگلی پر خون کا قطرہ دیکھ کر سہیلیاں دوڑیں اور اپنی اپنی ساڑھیوں کی پٹیاں پھاڑ کر اُنگلی میں باندھنے لگیں۔

مہارانی جی کو گلاب پر غصہ آرہا تھا۔ اُنھوں نے مالی کو بُلا کر حکم دیا "فوراً اس کیاری میں سے گلاب کے پودے اُکھاڑ ڈالو۔"

سارے پھول ڈر گئے۔ سناٹا سا چھا گیا پر سورج مکھی —— آگے جُھکا اور بہت ادب سے بولا: "مہارانی جی آپ اس قدر خفا نہ ہوں۔ گلاب تو ہمارے راجا ہیں آپ روز پوجا میں اُنھیں دیوی دیوتاؤں پر چڑھاتی ہیں ان کی خوش بو اور مہک سارے سنسار کو دیوانہ بنائے ہوئے ہے۔ بلبل اور بھونرا اُن سے پریم کرتے ہیں۔ حکیم اور وید اُن کی دوا بنا کر بیماروں کو اچھا کرتے ہیں۔ اُن کی بے شمار خوبیاں آپ بھول گئیں، کانٹے تو قدرت نے سب پھولوں میں اُن کے بچاؤ کے لیے رکھے ہیں۔ گلاب راجا کی تو یہ تلوار ہے۔ کوئی دشمن ان پر حملہ نہیں کر سکتا۔ آپ گلاب راجا کو معاف کر دیں۔"

مہارانی اچنبھے میں پڑ گئیں، اُنھوں نے سورج مُکھی کا پھول ہاتھ میں لیا ؎

؎ اور خوب پیار کیا، خوب پیار کیا۔

ہم چاند کیوں دیکھتے ہیں؟

ڈاکٹر سلامت اللہ ایم اے۔ لکچرر اُستادوں کا مدرسہ

کیا تم نے کبھی چاندنی رات میں آنکھ مچولی کا کھیل کھیلا ہے، ایک لڑکے کی آنکھیں بند کر دی جاتی ہیں۔ باقی لڑکے چھپ جاتے ہیں پھر اس کی آنکھیں کھول دی جاتی ہیں اور وہ دوسرے لڑکوں کو ڈھونڈھتا ہے اگر کبھی تمھاری باری ڈھونڈھنے کی آئی ہے تو تمھیں یاد ہوگا کہ یہ کام کتنا مشکل ہے۔ تمھارے سب ساتھی اندھیرے میں جا کر کہیں چھپ بیٹھے ہیں۔ کوئی کسی کونے میں دبک کر بیٹھ گیا ہے تو کوئی کسی چیز کی آڑ میں جا چھپا ہے۔ تم اندھیرے میں ٹٹولتے پھرتے ہو!

اندھیرے کمرے میں جاؤ تو کچھ دکھائی نہیں دیتا، کہیں میز سے ٹکر ہو جاتی ہے، کہیں کرسی سے بعض چیزیں پیر کے نیچے آجاتی ہیں، اور اُن کا بھُرکس نکل جاتا ہے۔

کیا تمھیں کبھی اندھیرے میں کوئی چیز ڈھونڈنی پڑی ہے؟ اس کے لئے بتی یا اور کوئی روشن چیز چاہیئے۔ بتی کی روشنی جس چیز پر پڑتی ہے وہ دکھائی دیتی ہے۔ میز پر روشنی پڑتی ہے تو میز دکھائی دیتی ہے، کتاب پر روشنی پڑتی ہے تو کتاب دکھائی دیتی ہے

چراغ، بتی، آگ میں خود اپنی روشنی ہوتی ہے اس لئے ہم انھیں دیکھ سکتے ہیں۔ لڑکا، میز کرسی کتاب میں اپنی ذاتی روشنی موجود نہیں ہے۔ اس لئے ہم انھیں یوں

نہیں دیکھ سکتے۔ یہ چیزیں صرف اسی وقت دکھائی دیتی ہیں، جب ان پر کسی روشن چیز کی روشنی پڑتی ہے۔

تمھیں سورج کیوں دکھائی دیتا ہے؟ سورج میں خود اپنی روشنی موجود ہے اس لئے ہم اُسے دیکھ سکتے ہیں۔ تمھیں حیرت ہوگی کہ چاند میں خود اپنی روشنی نہیں ہے۔ پھر بھی وہ ہمیں روشن نظر آتا ہے۔ کیوں؟

بات یہ ہے کہ جس طرح سورج ہماری زمین پر اپنی روشنی ڈالتا ہے اور ہمیں دن کے وقت ہر چیز دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح سورج چاند پر بھی اپنی روشنی ڈالتا ہے اور وہ ہمیں روشن دکھائی دیتا ہے۔

چاند بھی ہماری زمین کی طرح گول ہے۔ سورج کی روشنی اس کے آدھے حصّے پر پڑتی ہے اور یہی حصّہ ہمیں چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اگر یہ روشن حصّہ پورے کا پورا ہمارے سامنے ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ پورا چاند ہے گول روٹی کی طرح۔ اور اگر اس کا کچھ حصّہ ہماری آنکھوں سے چھپا ہوتا ہے تو ہمیں پورا چاند دکھائی نہیں دیتا۔

(باقی آئندہ)

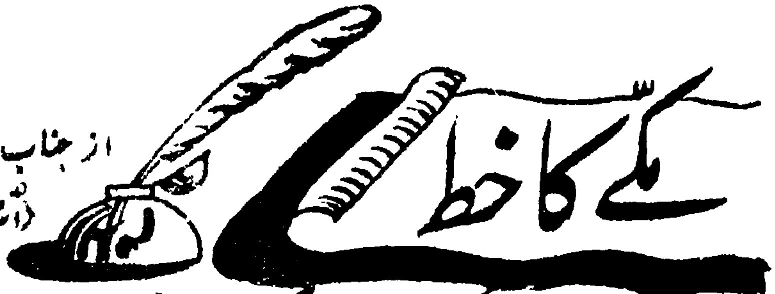


ابا...... ابا

میں

پیچھے کھڑا ہوں

ہمارا— پیام تعلیم —!



مکے کا خط

از جناب برکت علی صاحب جامعی
(استاد مدرسہ ثانوی جامعہ)

اس پرچے میں کسی دوسری جگہ لندن کا خط چھپ رہا ہے ۔ یہ خط مکے سے آیا ہے ۔ ہمارے بہت ہی پرانے استاد پچھلے دنوں حج کی غرض سے مکۂ معظمہ تشریف لے گئے تھے ۔ وہیں سے یہ خط انھوں نے اپنے ایک ساتھی اور شاگرد جناب مجاہد حسین صاحب (بی اے ، جامعہ) کے پاس بھیجا ہے مجاہد صاحب کی اجازت سے پیامیوں کی دلچسپی کے لئے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں ۔

عزیزم بھائی مجاہد حسین صاحب

السلام علیکم

برہان پور سے ایک کارڈ اور دوسرا بمبئی سے بھیجا تھا ۔ دونوں ملے ہوں گے .... جولائی کے آخر میں عبدالرزاق صاحب کا خط آیا تھا .... میں نے اس خط کا جواب تو اُسی دن لکھ دیا تھا لیکن عید کی چھٹیاں اور پھر جُمعہ کی چھٹی آجانے کی وجہ سے غالباً پہلی اگست کو چلا ہوگا ۔ اب تک پہنچ گیا ہوگا ....

ابھی پچھلے دنوں طائف گیا تھا ۔ یہ مقام مکے سے ننو میل کے فاصلے پر مشرق میں واقع ہے ۔ سطح سمندر سے (۲۴۰۰) فٹ بلند ہے ۔ یہاں شملے کے مانند موسم رہتا ہے ۔ باغات کثرت سے ہیں ۔ مکے اور جدہ میں پھل مثلاً انگور کالے اور بھورے ۔ شفتالو، انار اور برشیم یہاں سے آتے ہیں ۔ اس سال بارش نہیں ہوئی ورنہ انار انسان کے سر کے برابر ہو جاتا ہے ۔ لطف یہ کہ بہت سستا یعنی روپے کے پانچ تک ۔ آج کل انگور دو روپے سے چار روپے سیر تک ہیں مگر یہاں

کا سیر ہمارے سیر سے وزن میں چھ
چھٹانک زیادہ ہے۔

آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا اوّل تو غلّہ سبزی، ترکاریاں اور گھی یہاں اسی بھاؤ بکتے ہیں جس بھاؤ ہمارے ملک میں دوسرے گھڑیاں، صابن، اسٹوو (تیل کا چولھا)، مکھن کے ڈبّے، کپڑا وغیرہ یہاں کافی سستے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ باہر سے جتنی چیزیں آتی ہیں اُن پر ڈیوٹی (محصول یا چنگی) برائے نام ہے۔ یہاں کے لوگ یا تو مفلس اور جاہل ہیں۔ یہ تو ہوئے گداگر۔ یا متموّل اور جاہل ہیں۔ یہ ہوئے فیشن پرست اور اندھی تقلید کرنے والے۔ اسی لئے یہاں کے بازار زیادہ تر سامانِ تعیش (عیش کے سامان) سے بھرے پڑے ہیں جیسی موٹریں یہاں مال داروں کے پاس ہیں شاید ہی کہیں ہوں۔ لطف یہ کہ سڑکیں تو ٹوٹی پھوٹی یا بالکل ندارد مگر ایک سے ایک اچھی موٹر اِن پر بھاگی بھاگی پھر رہی ہے۔ کرائے کی بسیں یہاں اتنی ہی اچھی ہیں جتنی دہلی میں۔ مکّے سے جدّے یا جدّے سے مکّے تک کا لاری کرایہ یہاں کے باشندوں سے ایک روپیہ، مگر حاجی سے دس روپے۔ اسی طرح طائف سے مکّے یا مکّے سے طائف تک کا کرایہ یہاں کے باشندوں سے تین روپے اور حاجی سے ساڑھے بارہ روپے۔ پھر مدینے تک کا کرایہ (آمد و رفت) حاجی سے سو روپے اور یہاں کے باشندوں سے تیس روپے۔ یہاں پٹرول بہت سستا ہے ——

آج کل میں لوگوں سے ملنے، مشاہدات و تاثرات قلم بند کرنے، ترجمہ کرنے اور پیدل یا پھر لاری سے گھومنے پھرنے میں مشغول ہوں۔ اس کے علاوہ کھانا بھی خود ہی پکاتا ہوں۔ خدا کے فضل سے صحت کافی اچھی ہوگئی ہے۔ نزلہ کھانسی، بخار کچھ نہیں۔ ۱۴ اگست کو جیسا کہ میں نے عبدالرزاق صاحب کو لکھا تھا مدینے نہیں جا سکا۔ انشاءاللہ ۵ ستمبر تک جاؤں گا۔ آپ اس کا جواب مکّے ہی کے پتے سے دیجئے گا ....

دعاگو

برکت علی



چانگ کنگ دادا

(ایک چینی کہانی) (۲)

آخر ایک دن شاہی جلوس گاؤں کے دروازے پر آگیا۔ کیسا شان دار منظر تھا۔ پہلے فوج تھی لمبے لمبے تیر کمان سنبھالے۔ پھر شاہی باڈی گارڈ۔ اور دربار کے بڑے بڑے لوگ لمبی لمبی ریشمی عبائیں پہنے۔ عباؤں پر چڑیوں کی رنگین تصویریں کڑھی ہوئیں۔ گول گول ٹوپیوں پر مور کے سبز سبز اور نیلے نیلے پر ہوا میں لہراتے ہوئے۔ پھر فوجی بینڈ۔ سب سے آخر میں شاہی سواری ایک سجے سجائے تخت رواں یا تام جھام پر بادشاہ سلامت کی سواری بوڑھے دادا کے پھاٹک پر رکی دادا خود وہاں موجود تھے۔ انھوں نے کئی بار جھک کر آداب کیا بہت ہی نرم اور میٹھے بولوں میں بادشاہ کو خوش آمدید کہا

بادشاہ سلامت نے فرمایا: "بہت ہی شریف اور بہت ہی بوڑھے انسان ہم نے سنا ہے تمہارے گھر میں کبھی کوئی کڑوی کسیلی بات بھی نہیں کہی گئی۔ کیا سچ مچ ؟"

بوڑھے دادا نے بہت ادب سے جواب دیا "ہزاری عمر پائیں عالی جاہ حضور نے میرے جھونپڑے کو اتنی بڑی عزت بخشی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرا کنبہ لڑتا جھگڑتا نہیں پر یہ میرے لئے بڑے فخر کی بات ہوگی اگر عالی جاہ خود بہ نفس نفیس اس گھر کے معائنے کی زحمت گوارا فرمائیں، اور خود ہی اس بات کی جانچ کریں۔"

بادشاہ سلامت کو یہ تجویز پسند آئی اور خود ایک کمرے سے دوسرے کمرے، ایک گھر سے دوسرے گھر تشریف لے گئے اور راستے میں جو بھی ملا اُسے بات چیت کا شرف بخشا۔

ہوتے ہوتے کھانے کا وقت آگیا

گھر کے سب سے بڑے ہال میں کھانے اور چائے کا انتظام تھا۔ بڑے مزے مزے کے کھانے تھے، اور بھی چائے! چینی چائے! بادشاہ سلامت کھانا کھا چکے اور چائے پی چکے تو بوڑھے

کوئی سنہرا راز، جبھی تمھیں اتنی کامیابی ہوئی۔ یہ راز یہ بھید میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔"

بوڑھے دادا نے بانس کی بنی ہوئی ایک سیدھی سی تختی منگوائی۔ (اس



دادا سے بولے، "اتنے بڑے کنبے کو اس طرح میل محبت سے رکھنا بہت بڑا کام ہے۔ بہت ہی بڑا کام۔ تمھارے پاس کوئی راز ہے،

زمانے میں کاغذ کا رواج ہی کب تھا۔ لکڑی یا پتھر پر لکھتے تھے) رنگ کی ٹکیا منگوائی۔ پانی کی پیالی اور برش منگوایا۔ چانگ کنگ دادا نے

برش اپنے ہاتھ میں لیا اُسے پانی میں بھگویا۔ رنگ کی ٹکیا پر گھسا اور تختی پر ایک لفظ لکھا، پھر وہی دوبارہ لکھا پھر تبارا، پھر تو وہ لکھتے ہی چلے گئے۔ لکھتے ہی چلے گئے۔ وہی ایک لفظ سو بار لکھ ڈالا۔ پھر بہت ہی ادب سے جھک کر تختی بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش کر دی۔ بادشاہ سلامت نے فرمایا:-

"تم نے بہت کچھ لکھ ڈالا۔ بہت کچھ۔ پر لفظ ایک ہے"

جی عالی جاہ! مگر وہی ایک لفظ میرا سنہرا راز ہے۔ "پریم" "پریم" یعنی محبت اخلاق مہربانی۔ مہربانی ہی مہربانی، پریم ہی پریم۔ اس کا جوڑ اور ہے نہ چھور۔ بات کرتے میں بوڑھے دادا کا سر فخر سے ہل رہا تھا۔

یہ سنہرا راز جان کر بادشاہ اتنے خوش ہوئے، اتنے خوش ہوئے کہ فوراً بانس کی اور تختی منگوائی بوڑھے دادا سے برش لیا اور تختی پر لکھا:-

"چین کے تمام گھر والوں کو چانگ کنگ کے کنبے کا سنہرا راز معلوم کرنا چاہئے"

پھر جھٹ حکم دیا کہ اُسے پھاٹک کے باہر لٹکا دیا جائے تاکہ ہر راہ گیر اُسے آسانی سے پڑھ سکے۔

بادشاہ سلامت سے ملاقات کے تھوڑے ہی دنوں بعد بوڑھے دادا کو اللہ میاں نے اپنے پاس بُلا لیا مگر چین کے لوگ اُن کے مرنے پر بھی اُن کو اور اُن کے کنبے کو نہ بھولے۔ اس خوش نصیب گھرانے کی یاد ہمیشہ دلوں پر نقش رہی۔

چینی رعایا نے بادشاہ سلامت سے درخواست کی چانگ کنگ دادا کی تصویر بنانے کی اجازت دی جائے تاکہ چینی گھرانے اسے اپنے باورچی خانے میں لٹکائیں اور اس گھرانے کا سنہرا راز یاد رکھیں۔

اور بھئی اب تک چین کے ہزاروں گھر ہر نئے سال کی خوشی میں بوڑھے دادا کی تصویر دیوار پر لٹکاتے ہیں

بہت سے چینی تو تمھیں یہ تصویر ایک دیوتا کی تصویر بتائیں گے۔ پر

تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اب سے ہزاروں برس چانگ کنگ دادا ایک بہت ہی نیک اور شریف بزرگ گذرے ہیں جنھوں نے اپنے کنبے کی ایک ساتھ مل کر خوش و خرم رہنے میں مدد کی ہے۔

بوڑھے دادا اتنے اچھے اتنے نیک اتنے شریف آدمی تھے کہ چینیوں نے سمجھا اللہ میاں بھی بس اتنے ہی اچھے ہو سکتے ہیں۔ ہوتے ہوتے انھیں وہ دیوتا سمجھنے لگے۔

صبح ہی صبح بوڑھے دادا کی تصویر دیکھ کر ہزاروں چینیوں کے دماغ میں یہ خیال تازہ ہو جاتا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے پریم۔ محبت اخلاق سے پیش آنا چاہیے مل جل کر رہنا چاہیے انھیں ایسا لگتا ہے جیسے چانگ کنگ دادا ان کی باتیں سن رہے ہیں اور کام کرتے وقت انھیں دیکھ رہے ہیں۔

کبھی کبھی تو بوڑھے دادا کی آواز اُن کے کانوں میں گونجنے لگتی ہے "پریم" "پریم" (محبت، مہربانی)

ہمیشہ نیا سال شروع ہونے سے پہلے ایک رات بوڑھے دادا کی تصویر نیچے اتار کر جلا دی جاتی ہے۔ جیسے ہی لپٹیں اور دھواں اوپر کو جاتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں بوڑھے دادا اوپر آسمان پر جا رہے ہیں۔ اللہ میاں سے کہنے کہ لوگوں نے پچھلا سال اتنی اچھی طرح گذرا ہے۔

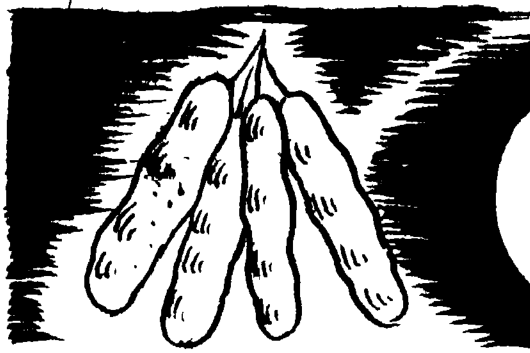
تین دن بعد چانگ کنگ دادا کی نئی تصویر ٹانگی جائے گی۔ اب جیسے وہ آسمان سے لوٹ آئے ہیں اور سال بھر تک لوگوں کی دیکھ بھال رکھیں گے۔

(انگریزی سے)

ھندسے

ملاؤ دیکھو کیا بنتا ہے





کھلی کھائیے کھلی!

کیا؟ کھلی؟؟ یہ تو جانوروں کو کھلائی جاتی ہے یا عورتیں اس سے سر دھوتی ہیں۔ سُنا ہے کھاد کے طور پر کھیتوں میں بھی ڈالی جاتی ہے۔

جی ہاں اسے آپ کھا بھی سکتے ہیں کھلی تو کھلی یورپ (غالباً انگلستان) میں تو ایک صاحب گھاس کھانے لگے تھے۔ اور بڑے شوق سے! بہت دن ہوئے اخباروں میں یہ خبر چھپی تھی گھاس کھانے سے اُن کی تندرستی پر بہت اچھا اثر پڑا تھا۔

پچھلی بڑی لڑائی کو ختم ہوئے ابھی تو تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔ اس زمانے میں انگریزوں کے ہاں اناج کی کمی پڑ گئی۔ باہر سے اناج لانے والے جہاز لڑائی میں لگے ہوئے تھے۔ حکومت کے بڑے بڑے لوگوں کو ایک تجویز سوجھی۔ لوگ روٹی کم آلو زیادہ کھائیں یہ کھانا بہت روکھا پھیکا تھا۔ مگر لوگوں کی تندرستی پر اس کا بہت اچھا اثر پڑا۔ پھر ملک ایک بڑی پریشانی سے بچ گیا۔

ہمارے دیس میں بھی کئی سال سے اناج کی بہت کمی پڑ گئی ہے۔ حکومت لاکھوں من غلّہ دوسرے ملکوں سے منگاتی ہے۔ کروڑوں روپیہ کھنچ کھنچ کر دوسرے دیسوں میں چلا جا رہا ہے۔

ہمارے دیس کے بڑے بڑے لوگ اس پریشانی کو دور کرنے کی بہت سی تجویزیں سوچ رہے ہیں زیادہ اناج پیدا کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ دیس میں بعض پھل زیادہ مقدار میں پیدا ہوتے ہیں اُنھیں غذا کے طور پر استعمال کرنے کی تجویزیں سوچی جا رہی ہیں۔ بعض چیزیں تو تجربے

سے بہت مفید ثابت ہوئیں ۔ انھی
میں سے ایک چیز کھلی بھی ہے ، مگر
بھئی کھلی تو بہت سی چیزوں کی ہوتی
ہے مثلاً السی کی سرسوں کی اور نہ
جانے کن کن چیزوں کی ؟ ہاں مگر
تجربہ تو بس مونگ پھلی کی کھلی پر کیا
گیا ہے !

جان کار لوگ کہتے ہیں ۔ مونگ
پھلی کی کھلی میں کئی قسم کی مفید حیاتین
ہیں ۔ اس کا آٹا گیہوں کے آٹے
میں ملایا جا سکتا ہے ۔ چاول میں
طاقت کہو یا غذائیت ، گیہوں کے
مقابلے میں کم ہوتی ہے ۔ اگر اس
کھلی کا آٹا چاولوں میں ملا دیا جائے
تو یہ کمی پوری ہو جائے گی ۔ کھلی
کا آٹا دال یا سبزی میں بھی ملا سکتے
ہیں ۔

ایک اور چیز ہے شکر قندی
ہمارے دیس میں کتنی افراط سے پیدا
ہوتی ہے ۔ تجربے سے معلوم ہوا
کہ آلو کے مقابلے میں یہ کہیں زیادہ
مفید ہے ۔ اس کا آٹا بھی گیہوں
وغیرہ کے آٹے میں ملا کر کھا سکتے
ہیں ۔ اب تک تو اسے بھون یا
اُبال کر کھاتے تھے یا اسے دودھ
میں پکا کر کچھ بنا لیتے تھے ۔ اب
آٹے کا بھی تجربہ کرنا چاہئے ۔

کیلے اور پپیتے بھی اب تک ہم
پھلوں کے طور پر کھاتے تھے ، یا
کچے کیلوں کی ترکاری پکا لیتے تھے
یہ بھی ملک کے اکثر حصوں میں بہت
کثرت سے پیدا ہوتے ہیں ۔ ان کا
بھی آٹا تیار ہو سکتا ہے اور اناج
کے آٹے میں ملا کر کھا سکتے ہیں ۔

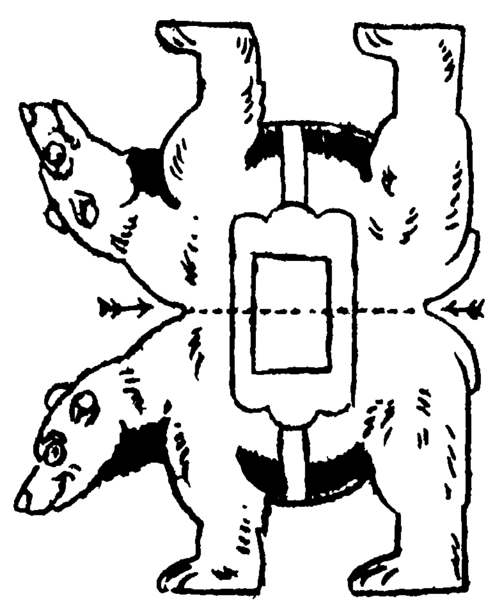
ایک اور چیز ہے ۔ اس کا نام
ہمارے تمھارے لئے بالکل نیا
ہے " ٹپیوکا " یہ چیز ٹراونکور
کوچین اور ملابار کے کچھ حصوں میں
پیدا ہوتی ہے ۔ اوپر جن جن چیزوں
کا ذکر ہوا ٹپیوکا میں طاقت یا
غذائیت ان سے کچھ زیادہ ہی
ہے کم نہیں ۔

ان سب چیزوں کا رواج عام
ہو جائے تو بہت سے فائدے ہیں
ہمیں دوسرے ملکوں سے اناج نہ منگانا
پڑے اور ہمارا کروڑوں روپیہ

گھر کا گھر ہی میں رہے ۔ یہ کروڑوں روپیہ دیس کے اور اچھے کاموں میں لگ سکتا ہے ۔ ہماری تندرستی پر اچھا اثر پڑے جیسی انگلستان والوں کی تندرستی پر پڑا تھا ۔ سب سے اہم بات ایک اور ہے ۔ فرض کرو دو ملکوں میں لڑائی چھڑ گئی جن جن راستوں سے باہر سے اناج آتا تھا وہ راستے رک گئے اناج آنا بند ہوگیا ، پھر ہم کیا کریں گے ۔ کیسی پریشانی ہوگی ۔

اچھا بھئی تم ایک کام تو کرو ۔ اپنے ابا یا امی سے کہہ کر ان چیزوں میں سے کسی ایک کا آٹا منگا کر یا گھر ہی پہ تیار کرکے اس کا تجربہ تو کرو ۔ پھر ہمیں بھی لکھو ہم تمھارا تجربہ رسالے میں چھاپ دیں گے ۔

اس تصویر کو کسی کاغذ پر ٹریس کرلو یہ کاغذ گتے پر چپکا دو اور صفائی سے کاٹ کر موڑ دو پھر دیکھو کیسے اچھے بھالو میاں تیار ہوگئے



کھلی کی مٹھائیاں



کسی دوسری جگہ ہم مونگ پھلی کی کھلی کا ذکر کر چکے ہیں۔ ایک پیام بچی صبیحہ خانم دگورکھ پور) نے اس کھلی سے مزے مزے کی مٹھائیاں بنانے کی ترکیبیں لکھ کر بھیجی ہیں۔ صبیحہ خانم نے یہ نہیں لکھا کہ یہ مٹھائیاں انھوں نے خود تیار کی تھیں یا کہیں سے نقل کرکے بھیجی ہیں۔ بہر حال پیام بچیاں ان کو بنا کے دیکھیں۔

ٹافی :-

تازہ کھوپرا آدھ سیر۔ مونگ پھلی کی کھلی کا آٹا ایک چھٹانک، گڑ۔ آدھ پاؤ۔ گھی دو تین تولے کھوپرے یا ناریل کو کدو کش پر کس لو۔ مونگ پھلی کی کھلی کا آٹا خوب بھونا جائے گا۔ جب خوشبو نکلنے لگے آگ پر سے اتار لو اب گڑ کو چھان کر آگ پر رکھ دو۔ چاشنی تیار ہوجائے تو اتار کر ٹھنڈا کرلو۔ ٹھنڈی ہوجائے تو پانچ منٹ کے لئے پھر چولھے پر چڑھا دو اور کھوپرا ڈالتی رہو کھوپرے کے بعد مونگ پھلی کی کھلی کا بھنا ہوا آٹا ملایا جائے گا آخر میں گھی ملا کر دو منٹ تک اور پکایا جائے گا اس کے بعد چکنے بیلن پر ڈال کر موٹی سی روٹی بنا لو اور شکر پاروں کی طرح کاٹ کر خشک کرلو اور پھر ٹافی تیار ہے۔

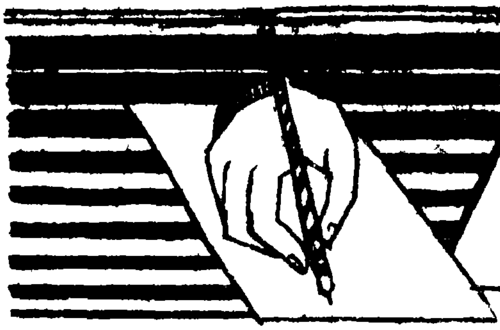
کھلی کے بسکٹ

میدہ نو تولے۔ مونگ پھلی کی کھلی کا آٹا ایک تولہ، مکھن تین تولے۔ چینی تین تولے۔

کھلنے کا سوڈا بہت ذرا سا۔ پانی
یا دودھ ضرورت بھر۔
میدہ اور کھلی کا آٹا ملا کر
چھان لو۔ اب مکھن کو آٹے میں
ملا دو اور دودھ پانی میں گوندھ
لو۔ خوب گندھ جائے تو چکنے ٹین
پر بسکٹ تیار کرلو اور تنور میں
بیس پچیس منٹ تک پکاؤ، خوب
سرخ ہو جائیں نکال لو اور مزے
لے کر خود کھاؤ اور سب کو کھلاؤ



سات کتے آپس میں کھیل رہے تھے۔ دو کو کیا سوجھی کہ چھپ گئے کسی چیز کی آڑ میں
اب یہ پانچوں انھیں تلاش کر رہے ہیں۔ تم ان کی مدد کر سکتے ہو؟



لندن سے ایک خط

جولائی کے پرچے میں جامعہ کے دو اُستادوں عبدالرؤف صاحب اور اکرام صاحب کے لندن جانے کا ذکر آیا تھا - یہ دونوں خیریت کے ساتھ لندن پہنچ گئے - پیامیوں کی دلچسپی کے لئے ہم ان کا ایک خط بھی شائع کر رہے ہیں - یہ خط محترمی مجیب صاحب (قائم مقام شیخ الجامعہ) کے نام آیا تھا - اُنھوں نے ازراہ نوازش ہمیں مرحمت فرما دیا ہے -

---

استاذ محترم، السلام علیکم

دہلی سے ہم لوگ ۱۰ر جولائی کو صبح کے ۸ بجے فرنٹیر میل سے روانہ ہوکر دوسرے روز ۱۲ بجے کے قریب بمبئی پہنچ گئے - بمبئی میں تین روز تک قیام کیا - وہاں سے ۱۵ر جولائی کو ۱۲ بجے ہمارا جہاز 'رانچی' انگلستان کے لئے روانہ ہوا - جہاز میں پہلے تین روز تک (جہاز کی بیماری) کی وجہ سے تقریباً سبھی نئے مسافروں کو سخت تکلیف رہی - کھانے بھی سب انگریزی قسم کے تھے، جو ہندوستانیوں کو پسند نہیں آئے - ہمارا جہاز راستے میں صرف دو جگہ عدن اور پورٹ سعید پر چند گھنٹے کے لئے ٹھہرا جمعۃ الوداع اور عید کی نماز ہم سب نے جہاز ہی پر باجماعت ادا کی، عید ۲۸ر جولائی کو منائی - پاکستان اور ہندوستان اسکاوٹس بھی جو ناروے جارہے تھے، جہاز میں ہمارے ہم سفر تھے - عید کے روز ان لوگوں نے مل کر کیمپ فائر اور فینسی ڈریس کے مقابلے کئے، ان مقابلوں میں انگریز بچوں نے بھی حصہ لیا - فینسی ڈریس اور رکاوٹی دوڑ کے مقابلوں

میں ایک ہندوستانی بچی نے پہلا انعام حاصل کیا۔ عید کے دن ہم نے کچھ مصری احباب کو جن میں بعض قاہرہ یونیورسٹی کے پروفیسر بھی تھے، چائے پر بُلایا تھا، اُن لوگوں سے بعض مذہبی اور سیاسی باتوں پر بہت دیر تک دلچسپ اور مفید گفتگو ہوتی رہی۔ ۳۱ اگست کو ہمارا جہاز ٹلبری کی بندرگاہ (جو لندن سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے۔) لنگر انداز ہوا۔ یہاں پر سامان کی چیکنگ ہوئی اس کے بعد ہم لوگ اسپیشل ٹرین کے ذریعے لندن کے ایک اسٹیشن پر اور وہاں سے ٹیکسی لے کر ڈاکٹر صاحب کے مکان پر پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب بہت خلیق اور ہمدرد ہیں۔ ہم لوگوں کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔

کل ہم لوگ لندن یونیورسٹی گئے تھے وہاں پر بہت سے ہندوستانی طلبہ اور بعض پروفیسروں سے جو چھٹیوں میں کہیں باہر نہیں گئے ہیں۔ ملاقات ہوئی۔ پرسوں انڈیا ہاؤس سندرم صاحب سے ملنے کی غرض سے گئے تھے۔ بہت اچھی طرح ملے۔ مس بوس سے بھی ملاقات کرائی۔

یہاں آج کل موسم اچھا ہے۔ رات کو دو تین کمبل اوڑھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

کپڑے پر سے کنٹرول اُٹھ گیا ہے۔ سوٹ ہندوستان کے مقابلے میں یہاں پر نسبتاً سستے مل جاتے ہیں، قمیصیں، برساتیاں اور اوور کوٹ وغیرہ بھی یہیں پر سستے ہیں۔ البتہ سوتی چادریں تولیہ اور جوتے مہنگے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں پر راشن ہے۔ مگر نہایت معقول طریقے پر۔

جامعہ اور سب حضرات بہت یاد آتے ہیں اور ساتھ ہی ہندوستانی کھانے بھی۔

بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے اور محمد معین اور امین کو دعا، اکرام صاحب بھی سلام لکھاتے ہیں۔

(محمد عبدالرؤف)

بچوں کی برادری اور بچوں کا کلب

رام لال جنرل سکریٹری، بچوں کا کلب

بچوں کے کلب بچوں کی برادری وغیرہ پر پیام تعلیم میں کچھ نہ کچھ برابر نکلتا رہتا ہے۔ جولائی کے پرچے میں برادری کے سلسلے میں کچھ تصویریں بھی چھپی تھیں۔ شاید بہت سے پیامی یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ بچوں کی برادری اور بچوں کے کلب کا آپس میں کیا تعلق ہے۔

بچوں کی برادری میں تو ہر وہ بچہ جس کی عمر ۵ سال سے ۱۴ سال تک ہو برادری کا فارم بھرنے اور برادری کا بلاّ حاصل کرنے کے بعد برادری کا ممبر بن جاتا ہے۔

پر جب کسی بستی میں برادری کے دس ممبر بن جاتے ہیں تو وہ اپنی بستی سے کسی ایسے بزرگ کی مدد حاصل کرتے ہیں جنھیں اس کام سے دلچسپی ہو اور بچوں کو اُن کے کاموں میں پوری پوری مدد دے سکیں۔ پھر یہ بچے (برادری کے ممبر) اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو صدر کسی کو سکریٹری منتخب کرتے ہیں۔ اب یہ گویا باقاعدہ کلب ہوگیا۔ اب یہ بچے برادری کی سب سے بڑی سنٹرل یا مرکزی کمیٹی کو درخواست دیتے ہیں کہ ہمارا کلب آپ کی برادری کا ممبر بننا چاہتا ہے۔

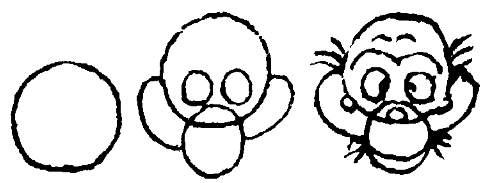
برادری جب کسی کلب کو اپنا ممبر بنا لیتی ہے تو کلب کے صدر اور ہر دس ممبروں پر ایک نمائندے کو اپنی سنٹرل کمیٹی میں (جو اسی طرح بچوں کے نمائندوں سے بنی ہے) شامل کر لیتی ہے اور کلب کو چلانے کے لئے چھپے ہوئے کلب کے فارم، رسید بکیں، والدین کے نام چھپے ہوئے خط اور بہت سا

چھپا ہوا لٹریچر دیتی ہے۔ بچوں کی برادری کا نگراں ہر کلب میں ہفتہ میں ایک بار آتا ہے اور کلب کو پوری پوری مدد اور مشورے دیتا ہے۔

اور بچوں کی طرح میں بھی ایک بچہ ہی ہوں اور تعلیمی مرکز بیری والا باغ کا ایک ممبر ہوں۔ ابھی چند ہی دن ہوئے دہلی کے بہت سے کلبوں نے مجھے بچوں کی برادری کا جنرل سکریٹری بنایا ہے۔

آزادی سے پہلے میں جس طرح رہتا سہتا تھا جس اسکول میں پڑھتا تھا، آج کل کے مقابلے میں یہ سب چیزیں کچھ بہتر ہی تھیں۔ لیکن آج کل ہم بچے جس طرح مِل جُل کر خود اپنے اُٹھنے بیٹھنے لکھنے پڑھنے کھیلنے کودنے سیر و تفریح کا انتظام کرتے ہیں یہ بات پہلے تو کبھی نہ تھی۔ ہمارے بڑے اِن باتوں کی ہمیں اجازت ہی کب دیتے تھے۔

پر آج کل تو جو بھی بڑا آدمی ہمارے کلب اور بچوں کی برادری کے کاموں کو دیکھتا ہے ہماری پوری پوری مدد کو آمادہ ہو جاتا ہے اور بھئی مزا تو یہ ہے کہ اب ہمارے والدین بھی ہمارے کھیلنے کودنے کی باقاعدہ اجازت دے دیتے ہیں غرض آزادی کے بعد مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو کچھ مِلا ہے آزادی سے پہلے کبھی نہ مِلا تھا اور اب تو میری خواہش ہے کہ ہر بچہ بچوں کی برادری کا ممبر بن کر آزادی کا پورا پورا فائدہ اُٹھائے ٭


۱

اس طریقے سے تصویر بناؤ

آزادی کے معنی



کہتے ہیں آزادی خدا کا سب سے بڑا انعام ہے۔ ہوگا۔ کوئی دو سال ہوئے ہمارے دیس کو بھی آزادی ملی، مگر یہاں تو کچھ دوسرا ہی گل کھلا۔ ہر چہار طرف خون کی ہولی کھیلی گئی۔ خدا کا سب سے بڑا انعام اسے تو شاید نہیں کہا جائے گا۔

یہ تو کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نگراں کی غلطی سے چڑیا گھر کے درندے اپنے اپنے پنجروں سے نکل بھاگے اور ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے اور جو بھاری پڑا اس نے کم زور کو کچل دیا۔ کہتے ہیں جنگل کا قانون یہی ہے اور جنگل کی آزادی بھی کچھ ایسی ہی ہے۔

تو کیا ہمارے بڑوں نے آزادی کے معنی یہی سمجھے ہیں؟ اس کا جواب آپ مجھ سے نہ پوچھئے۔ چھوٹا منہ بڑی بات!

تو پھر آزادی کے معنی کیا ہیں؟ دیکھئے پھر وہی سوال سامنے آیا۔ اپنے بزرگوں کے سامنے جنھوں نے بڑی بڑی قربانیوں کے بعد آزادی کی نعمت حاصل کی ہے میں کیا منہ کھول سکتا ہوں۔ میرے نزدیک تو آزادی کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی دوسری قوم کے غلام نہیں ہیں، بلکہ اپنی قسمت کے خود ہی مالک ہیں۔ خود ہی حاکم، خود ہی محکوم۔ ہمیں ہر کام اپنے لئے کرنا ہیں، انھیں اپنے ہاتھوں سے انجام دینا ہیں، خود بونا ہے، خود کاٹنا ہے۔ یہ کام جبھی ہوتے ہیں، جب سب مل کر پیار محبت اور ہمدردی سے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ ایک دوسرے کو سہارا دیں۔ ایک دوسرے سے عزت سے پیش آئیں۔ دوسرے کی عزت کو اپنی عزت سمجھیں۔ آزاد لوگ کم ظرف چھچھورے اور کمینے نہیں ہوتے۔ ان

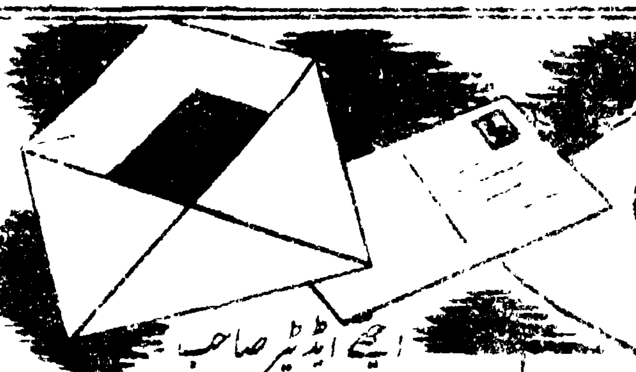
کے دل بڑے ہوتے ہیں ۔ اُن کے دماغ اونچے ہوتے ہیں ۔ اُن کے سامنے اپنی بھلائی اپنا فائدہ نہیں ہوتا سب کی بھلائی سب کا فائدہ ہوتا ہے۔ وہ بھول کر بھی کبھی ایسی گھٹیا بات نہیں کرتے ۔ جس سے اُن کے مُلک کی ذرا بھی بدنامی ہو ۔ یہ ہیں میرے نزدیک آزادی کے معنی ۔ آزادی اپنے ساتھ بہت سی ذمہ داریاں بھی لاتی ہے ۔ اور اُسے وہی لوگ سنبھال سکتے ہیں جو اس کے اہل ہوں ۔

ایک طالب علم کی حیثیت سے ہم پر بھی کچھ ذمے داری عائد ہوتی ہے ۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ ہمیں اس نیت سے تعلیم حاصل نہ کرنا چاہیے کہ امتحان پاس کرنا ہے ۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ علم حاصل کر کے ہمیں اچھا اور شریف شہری بننا ہے ۔ اپنے علم سے اپنے دیس اور دنیا کو فائدہ پہنچانا ہے ۔ ہمیں اپنے مدرسے کے قاعدوں اور قانون پر سختی سے عمل کرنا چاہیے ۔ اس سے خود ہمارے اندر ہماری عادتوں میں نظم و ضبط پیدا ہوگا۔ ہر آزاد شہری میں یہ چیزیں سب سے ضروری اور اہم ہیں ۔ پھر اپنے استاد کی عزت جیسے پہلے زمانے میں ہوتی تھی بزرگوں کا احترام ۔ ساتھیوں سے محبت اور خلوص ۔ مل جل کر کام کرنے کی عادت ۔ غرض یہ اور اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں جو ہمیں آزاد شہری بننے میں مدد دیں گی ۔

(یہ مضمون رضا انٹر کالج رام پور کے جشن آزادی کے موقع پر پڑھا گیا)

جہاں جہاں نقطے
ہیں پنسل سے بھرو





آدھی ملاقات

مکرمی ، السلام علیکم

آپ کا یہ پرچہ تو بہت ہی اچھا تھا۔ اس میں بچوں کی کوششوں والے صفحے نہیں تھے وہ بھی ہونے چاہئیں ، کھیل کود کی خبریں بھی آپ نہیں دیتے ، دنیا کی اور ہندوستان کی خبریں بھی ہونی چاہئیں ، کچھ انعامی مقابلے بھی ، اور رنگ بھرنے کی تصویریں بھی۔ یہ سب چیزیں ہوں گی تو گویا آپ کا پرچہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا

سعید الرحمٰن [illegible]

بھائی حسین صاحب ، السلام علیکم

اگست کا پرچہ دیکھا ، ماشاء اللہ خوب ہے۔ بچوں کے لئے مخدومی حبیب صاحب کے چھوٹے چھوٹے مضمون خوب ہوتے تھے ، ان سے پھر لکھوائیے۔ رسالے میں ایک کمی اور نظر آئی ، یہ ہماری جامعہ سے نکلتا ہے اور اس میں جامعہ کی خبریں نہیں ہوتیں۔ ایک صفحہ اس کے لئے ضرور رکھئے کہ ہم سب جامعی جامعہ کے کاموں سے باخبر رہیں۔

ایک جامعی ، پٹنہ

اچھے ایڈیٹر صاحب

کل پیام تعلیم ملا ، پڑھ کر بہت زیادہ مسرت ہوئی۔ خاص کر ٹائٹل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس مرتبہ پیام تعلیم سب سے اچھا تھا ، مضمون اور نظمیں بھی مزے مزے کی ، گھر کے تمام بچوں نے بہت پسند کیا۔ میں ان کی طرف سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آئندہ اسے اور بھی دلچسپ اور خوبصورت بنانے کی کوشش کریں گے۔ ہمارے [illegible] اسرار ندوی صاحب خریدار بڑھانے کی برابر کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بنارس [illegible] برادری نئے سرے سے قائم ہوئی ہے۔

عبدالوہاب [illegible]

جناب ایڈیٹر صاحب ، تسلیم

آپ کا آزادی نمبر اچھا نکلا ، مبارکباد ہو ، ٹائٹل بلاک اور لیتھو کی تصویریں سب اچھی تھیں ، چھپائی ذرا اور بہتر ہوتی۔ کچھ [illegible] عنوان بھی اور بڑھائیے۔ بچوں کی برادری کے بارے میں کس سے خط کتابت کریں

عباس انصاری بنارس

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ آپ رسالے میں رنگ بھرنے کی تصویر ضرور دیا کیجئے اور بچیوں کی کوششوں والا صفحہ بھی ضرور ہونا چاہئے ۔ میں بھی ایک مضمون لکھوں گا ۔ اسے ان صفحوں میں ضرور چھاپئے

رضی الدین ، آگرہ

مکرمی ایڈیٹر صاحب ، آداب عرض

اس مرتبہ آپ کے ٹائٹل میں نیاپن ہے پرانے ٹائٹل کو دیکھتے دیکھتے طبیعت اکتا گئی تھی ۔ اندر کے مضمون اور تصویریں بھی اچھی ہیں خصوصاً آزادی والے مضمون ۔ ہم لڑکوں کو آزادی کا مطلب سمجھانے کی واقعی ضرورت ہے ۔ آپ اس پر بڑوں سے بھی مضمون لکھوائیے ۔ ہم لڑکوں سے یعنی ہم لڑکے اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں ، انعامی مقابلہ کرا دیجئے ۔

مہندر ناتھ ، انبالہ

جناب ایڈیٹر صاحب ، آداب ، آپ کا پرچہ پہلے باجی کے نام آتا تھا ۔ پہلے کے بہت سے پرچے رکھے ہوئے ہیں ۔ انھیں میں اکثر پڑھتی رہتی ہوں ، ان میں ہم بچیوں کے لئے بھی بڑے اچھے اچھے مضمون ہوتے تھے ۔ پر اب جیسے ہمیں آپ بھول گئے ہیں ۔ پچھلے پرچے میں کشیدہ کاری کا ایک نمونہ چھپا تھا بھلا اس سے ہماری کیا تسلی ہو سکتی ہے ۔ کچھ اور بھی تو ہونا چاہئے ۔

آپ کی چھوٹی بہن ۔ حمیدہ خاتون ، ناگپور

جناب ایڈیٹر صاحب ، السلام علیکم

پیام تعلیم کو دیکھ کر جس قدر خوشی ہوتی ہے بیان سے باہر ہے ۔ اب یہ ترقی کرتا جا رہا ہے ۔ میری دعا ہے کہ خدا ہمارے اس پیارے رسالے کو آپ کے زیر سایہ رکھے ، اور یہ اسی طرح ترقی کے زینے طے کرتا رہے ۔ فرمائیے میں اس کی کیا خدمت کر سکتا ہوں ۔ ابھی اگر اس میں کچھ خامیاں باقی ہیں تو بھی مجھے امید ہے کہ آپ ان کو اپنی کوششوں سے بہت جلد پورا کر لیں گے ۔

آپ کا ، نعیم الرحمٰن ۔ سہارن پور

ایڈیٹر صاحب ، السلام علیکم

آپ کا پرچہ پیام تعلیم دیکھ کر بہت خوشی ہوئی میں چاہتا ہوں آپ کا پرچہ ترقی کرے ، اور ساتھی بھی اس کے خریدار بن جائیں اس میں کچھ اور چیزیں بھی دیجئے ۔ جیسے انعامی کارٹون ، چھوٹی چھوٹی کہانیاں انعامی مضمون وغیرہ ۔

ظہیر الدین احمد ، کلکتہ

خط کتابت کے لئے جوابی خط یا خریداری نمبر ضرور لکھا کیجئے

ادھر اُدھر سے

لندن میں کپڑا دھونے کی ایک نئی مشین ایجاد ہوئی ہے ۔ یہ مشین کپڑے اچھی طرح دھوکر خود ہی تین بار نچوڑتی اور پھر سُکھا دیتی ہے یہ سب کام آدھے گھنٹے میں ہو جاتا ہے ۔ مشین میں معمولی سوتی، ریشمی اور نازک کپڑے بھی دُھل سکتے ہیں ۔

یورپ میں ایک کسان کو گھر کی چیزیں نگلنے کی عادت ہو گئی تھی ۔ آخر بیمار پڑ گیا ۔ پیٹ میں گولا سا معلوم ہوتا تھا ۔ اس گولے کو نکالنے کے لئے پیٹ میں آپریشن کیا گیا معلوم ہوا کہ بہت سی چیزوں نے گولے کی شکل اختیار کر لی تھی یہ چیزیں تعداد میں پانچ سو تھیں ۔ مثلاً ۱۸ پیچ اور کیلیں تھیں ۔ کچھ کانٹے، چاقو، قفل، چابیاں وغیرہ ۔

ایک عورت کا دو بار آپریشن کیا گیا، دونوں بار اسی طرح کی ایک ہزار چیزیں نکلیں ۔ یہ دوسرے آپریشن کے بعد بھی زندہ رہی ۔

لطیفے

عدالت :- تم نے یہ فاؤنٹین پن کیوں چرایا؟

ملزم :- حضور! اس پر "پارکر" لکھا ہوا تھا میں نے پار کر لیا

اللہ دیا :- یار پوریاں اکیلے ہی اکیلے کھا رہے ہو ۔

رحمن :- نہیں تو بھائی ، ترکاری کے ساتھ ۔

اصغری خانم ۔ لکھنؤ

مالک مکان :- دیکھئے یہ مکان کتنا اچھا اور آرام دہ ہے ۔ اوپر چڑھنے کی سیڑھیاں بھی ہیں ۔

کرایہ دار :- اور نیچے اُترنے کی ؟

نبی بخش :- (اداس ہوکر) بھئی کل میری نوکری چلی گئی ۔

رمضانی :- افسوس کی بات ہے، مجھے بتاؤ کس راستے سے گئی ہے ، ابھی پکڑے لاتا ہوں ۔

ظہیر الدین احمد، کلکتہ

ستاروں کی تلاش


(۵)

(۵)

جوں جوں صبح کی روشنی پھیلنا شروع ہوئی ستاروں کی چمک دمک پھیکی پڑنے لگی ننھا مینڈک بہت اداس ہو کر بولا ۔

"ارے ارے یہ تو جا رہے ہیں"


(۶)

(۶)

ایک سبز گھوڑلی کنارے پہ کھڑی پانی پی رہی تھی ، اس نے پوچھا ۔

"کیا چیز جا رہی ہے ننھے میاں"

ننھے میاں بولے : "ستارے ستارے"

(۷)



(۷)

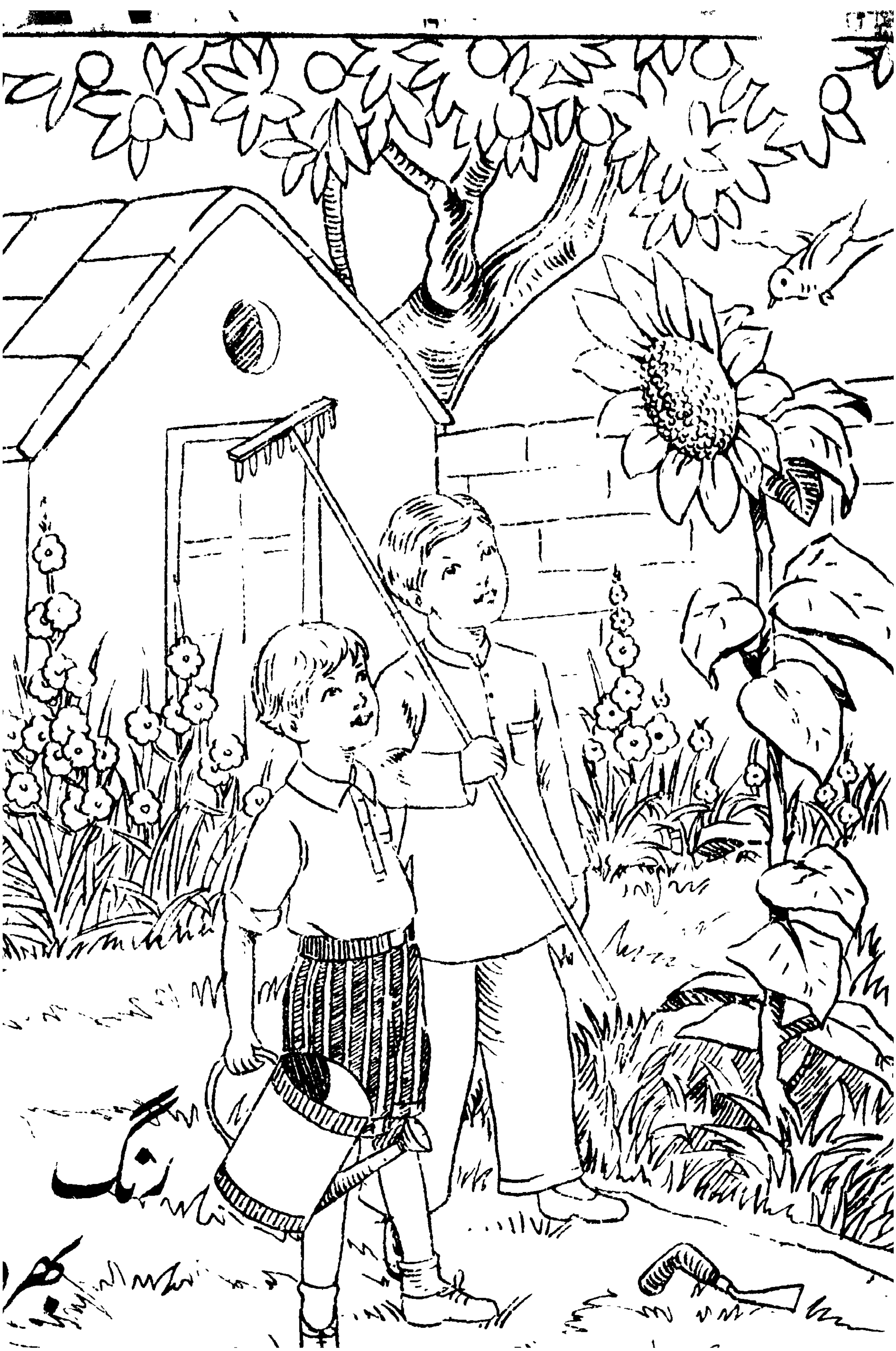
سبزہ گھوڑی نے مذاق میں کہا۔
"کیا سچ مچ! اچھا ذرا خود
اپنے تالاب کو تو غور سے دیکھو"
تالاب میں جگہ جگہ۔ پانی کے
پودوں کے پھول کھلے ہوئے تھے
بالکل ستاروں جیسے

(۸)



(۸)

اب تو ننھے میاں بہت خوش بہت
ہی خوش - اِنھی پھولوں کے بیچ میں
مست ہو ہو کر جھوم رہے ہیں - جھوم
رہے ہیں اور گا رہے ہیں ... ٹ...
ٹر.... ٹرٹرٹر.... ستارے ہمارے .....
ہمارے ستارے ..... ٹرٹرٹر .... ٹر....ٹر





[illegible] میں درخت پر ایک ہوٹل



سایہ



منھے میاں ذرا سنبھل کے!

پیام تعلیم





[illegible]



پہاڑی پر چڑھاؤ

پیامِ تعلیم
جامعہ نگر دہلی

ایڈیٹر
محمد حسین حسّان

قیمت سالانہ للعہ ـ فی پرچہ ۵ر

جلد ۲۲ | فہرست مضامین ماہ اکتوبر ۱۹۴۹ء | نمبر ۷

پرنٹر و پبلشر :- محمد حسین حسّان

مطبوعہ جید پریس دہلی



بچوں سے باتیں

اپنے آزاد دیس کے پیامیوں کو عید اور دسہرا مبارک

یہ دونوں تیوہار مذہبی ہیں۔ یوں کہو کہ دو اچھی اور سچی باتوں کی یادگاریں۔ ایک میں تو یہ کہ انسانیت اور راکھشش میں نیکی اور بدی میں کیسی کیسی لڑائی ہوئی، اور جیت؟ جیت آخر میں نیکی اور انسانیت کی!

اور دوسری میں یہ کہ کس طرح ایک نیک بندہ خدا کا رسول بار بار خواب دیکھتا ہے اور اس سچے خواب میں خدا کا اشارہ پاکر اپنے چہیتے بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دیتا ہے۔ یہی ہے سچا ایثار سچی قربانی۔ اپنے خدا کی خاطر دیس کے لئے یا قوم کے لئے۔

ہمارے آزاد دیس کے پیامی ان دونوں یادگاروں سے یہ اچھا سبق لیں تو وہ دونوں تیوہار منانے کے سچ مچ مستحق ہیں۔

ستمبر کا پیام تعلیم پیامیوں کو بہت پسند آیا۔ اس پرچے کی کہانیاں اور مضمون بھی انشاء اللہ تمھیں اچھے ہی لگیں گے۔ بادلوں کی چوری ایک نئے صاحب کا مضمون ہے۔ کیسا دلچسپ! اگلے پرچے میں ان کا ایک اور مضمون پڑھنا۔ "چاند کا سفر"

اس پرچے میں ایک سوال کا جواب چھپ رہا ہے۔ اس طرح کے معلوماتی سوال پیامی ہمیں لکھ بھیجیں۔ ان کا جواب دیا جائے گا۔ اس پرچے کا جواب تو یوں سمجھو کہ پروفیسر محمد عاقل صاحب کی رہنمائی سے لکھا گیا ہے۔

پیامی - انعامی مقابلوں کا اعلان ضرور پڑھیں اور مضمون لکھنا شروع کر دیں۔ اچھا پیامی پہلے "آزادی کے معنی" پر مضمون لکھیں سب سے اچھا مضمون پیام تعلیم میں چھپے گا۔



ساون کی گھٹا

اخگر مشتاق

ہر دل کی کلی چٹکاتی ہوئی باغوں سے چلی بدمست ہوا
بھابی کے سیہ بالوں کی طرح ہر سمت سے گھر کر ابر اٹھا
بارہ ہی بجے ہیں دن کے ابھی، عالم ہے مگر شام کا سا
اللہ رے یہ ساون کی گھٹا

تالاب میں لہریں اٹھنے لگیں، سبزہ بھی کمر لچکانے لگا
ہر شاخ نے سو سو بل کھائے، ہر پھول خوشی میں پھول گیا
پتوں پہ وہ بوندیں پڑنے لگیں، آنے لگی وہ کھن کھن کی صدا
اللہ رے یہ ساون کی گھٹا

لو زور کی بارش ہونے لگی، پہلے سے بھی زیادہ لطف بڑھا
وہ دور کہیں بجلی چمکی، موروں کا کہیں وہ شور اٹھا
پیڑوں پہ کہیں کوئل کوکی، بادل میں کہیں کوندا لپکا
اللہ رے یہ ساون کی گھٹا



پن قدم

بہت دنوں کی بات ہے ایک بچہ تھا، ہندی بچہ۔ ہمارے دیس کا نہیں شمالی امریکہ کا سرخ ہندی..... خوب بھورا رنگ۔ کالی کالی آنکھیں۔ لمبے لمبے سیدھے بال۔

بچپن میں ماں باپ اُسے پیار میں پاپوز[۱] کہتے۔ ننھا پاپوز جب کچھ بڑا ہوا تو گویا اصلی نام رکھنے کا وقت آیا۔ پاپوز کے ماں باپ بہت دنوں تک اس کی چال ڈھال اور عادتیں کو غور سے دیکھتے رہے۔ تاکہ نام جو رکھا جائے وہ اس بچے کے لئے بالکل موزوں ہو۔

آخر ایک دن اُس کا باپ کہنے لگا ہم نے اپنے پاپوز کا نام سوچ لیا ہے۔ ہم اسے "پانی پر قدموں کے نشان" کہہ کر پکارا کریں گے۔ ہمارا ننھا کتنا تیز دوڑتا ہے۔ اور پھر آہٹ تک نہیں ہوتی، جیسے کوئی پانی پر چلتا ہو۔

(۲)

ایک دن ننھے میاں کی ماں اپنے وگوام[۲] میں بیٹھی ڈلیا بُن رہی تھیں۔ باپ شکار کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ "پانی پر قدموں کے نشان" یا پن قدم پاس ہی جنگل میں تیر کمان سے نشانہ بازی کر رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر ایک ننھی سی گلہری پر پڑی

---

(۱) شمالی امریکہ کے سرخ ہندی بچپن میں اپنے بچوں کو پاپوز ہی کہتے ہیں۔
(۲) سرخ ہندیوں کے خیمے وگوام کہلاتے ہیں۔

کالی کالی چمک دار آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

پن قدم چلّایا:- "بی گلہری بی گلہری آؤ ہم تم کھیلیں۔ میرے کوئی بھائی بہن نہیں۔ تم ہی بن جاؤ۔"

مگر بی گلہری کو پن قدم کی بہن بننا کچھ پسند نہ تھا۔ وہ ایک دم مڑیں اور سر پر پیر رکھ کے بھاگیں۔

پن قدم بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ وہ اُسے کھیل میں اپنا ساتھی بنانا چاہتا تھا۔ بھائی بہنوں کے نہ ہونے سے وہ اپنے آپ کو کچھ اکیلا اکیلا محسوس کرتا تھا۔

وہ برابر دوڑے گیا دوڑے گیا۔ شاہ بلوط کے درخت سے بھی آگے نکل گیا۔ وہ بڑی چٹان بھی پیچھے رہ گئی جہاں ریچھوں کے کھانے پینے کا ٹھکانا تھا۔ آگے اور آگے بس دوڑتا ہی چلا گیا۔ آخر بی گلہری ایک پُرانے کھوکھلے لٹھے کے پاس پہنچیں۔ بڑی تیزی سے اس کھوکھلے سوراخ میں گھُسیں اور بات کہتے میں دوسری طرف سے نکل یہ جا وہ جا۔ میاں پن قدم بھی بے دھڑک گھستے



چلے گئے۔ مگر وہ ننھی سی گلہری تو تھے نہیں بیچ میں پھنس کے رہ گئے۔ باہر نکلنے کی بہت کوشش کی مگر جتنی کوشش کرتے اسی قدر اور پھنستے۔ اب پیچھے اب وہ نہ آگے بڑھ سکتے تھے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔

(۳)

اب شام ہو چکی تھی ۔ پن قدم کی ماں ڈلیا بُن چکیں اور چولھا جلا ، گوشت پکانے بیٹھ گئیں اور گرم گرم ہانڈی چولھے سے اُتار ہی رہی تھیں کہ پن قدم کا باپ شکار سے واپس آیا آتے ہی اس نے پن قدم کو پوچھا۔

ماں نے جواب دیا :۔ "یہیں جنگل میں ہوگا ۔ آواز دو آجائے گا "

باپ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بہت زور سے آواز لگائی ۔ننھے پ......ا......ا......ن......ق......ا د......ا......م......ننھے پن قدم ایک نہیں کئی آوازیں ! پر کوئی جواب نہیں ۔

اب تو ماں کو کچھ گھبراہٹ ہوئی ، کہنے لگی ، " وہ تو بہت دیر سے غائب ہے "

باپ نے کہا ، " ابھی جنگل میں جاکر ڈھونڈھتا ہوں ، جب تک ڈھونڈھ نہ نکالوں ، کھانا پینا

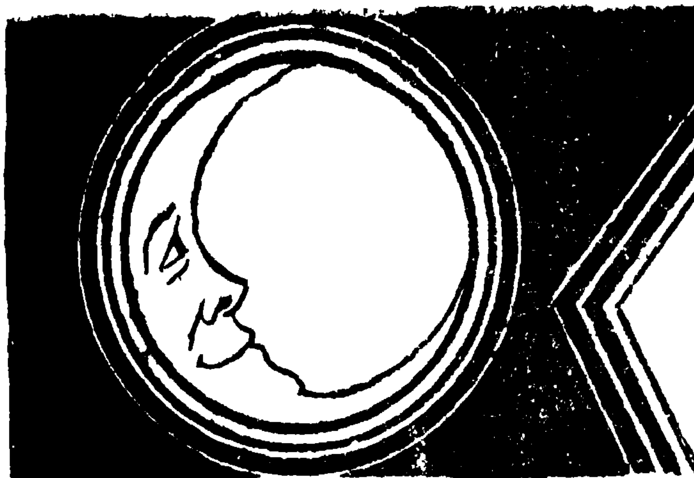
سونا سب حرام ہے "

اور پکا پکایا گوشت یوں ہی چھوڑ ، تیر کمان کندھے پہ ڈال جنگل میں گھس گیا ۔ کئی دن تک جنگل کی خاک چھانی ۔ ادھر ماں اس کے انتظار میں دگوام کے باہر بیٹھی چیختی چلاتی رہی مگر پن قدم کا کہیں پتہ نہ چلا

(۴)

پن قدم کو جب باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو خوب زور سے چلایا ۔ برابر چلاتا رہا وہ سمجھ رہا تھا کہ اب کوئی اسے باہر نکالنے آئے گا ۔ اچانک لٹھے کے پاس کٹ کٹ کی ایک عجیب سی آواز آئی ۔ بہت آہستہ آہستہ پھر کسی نے باریک اور تیز سی آواز سے پکارا :۔ "اے پن قدم ، او پن قدم کیا تو یہیں ہے ؟ یہیں ہے نا بیٹا ؟"

پن قدم زور سے چلایا :۔ " ہاں ہاں میں یہیں ہوں ، یہیں ہوں لٹھے میں پھنس کے رہ گیا ہوں



چاند کی شکلیں

ڈاکٹر سلامت اللہ ایم اے۔ پی ایچ ڈی

تم ہر مہینے، ایک بار نیا چاند دیکھتے ہو۔ درانتی یا ہنسیے کی طرح ٹیڑھا اور باریک۔ شام ہوتے ہی مغرب کی طرف دیکھو جہاں سورج ڈوبتا ہے۔ سورج کی بائیں طرف ننھا منا سا چاند نظر آتا ہے۔ اس کا بڑا حصہ تمھاری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ اس لئے وہ چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔

دوسرے دن شام کو پھر چاند دیکھو۔ آج یہ کچھ بڑا ہے اور ڈوبتے ہوئے سورج کی بائیں طرف زیادہ فاصلے پر نکلا ہے۔

اسی طرح روز بروز چاند کو دیکھتے رہو۔ یہاں تک کہ چودہ دن بعد پورا چاند دکھائی دے گا اور وہ ٹھیک مشرق سے نکلے گا جہاں سے سورج نکلتا ہے۔

اس کے بعد دوسرے دن شام کو سورج ڈوبتے ہی چاند نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ تھوڑی دیر بعد مشرق سے تھوڑا ہٹ کر چاند نکلے گا اور اس کی شکل پورے چاند سے کچھ چھوٹی ہوگی

اب چاند روز بروز گھٹتا جائے گا اور اس کے نکلنے میں زیادہ دیر ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ تمھیں پرانا چاند سورج نکلتے وقت دکھائی دے گا۔ اور

اس کی شکل نئے چاند جیسی ہوگی اس کے بعد دو ایک دن چاند بالکل دکھائی نہیں دے گا پھر نیا چاند شام کو نظر آئے گا۔

چاند کے اس طرح گھٹنے بڑھنے کی کیا وجہ ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے ایک کام کرو۔

اندھیرے کمرے میں میز پر موم بتّی جلا کر رکھو۔ فرض کرو یہ سورج ہے۔ ایک چھوٹی سی گیند لو۔ اسے چاند سمجھو۔ گیند کو موم بتی کے سامنے رکھو۔ گیند کے آدھے حصّے میں اُجالا ہو جائے گا

گیند کو اس طرح گھماؤ کہ تمھیں اس کے روشن حصّے کا صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا دکھائی دے۔ اس کی شکل کیسی معلوم ہوتی ہے؟ ہے نا نئے چاند جیسی؟

اس وقت تمھیں پورے کا پورا روشن حصّہ کیوں نظر نہیں آتا؟

اب گیند کو تھوڑا اور گھماؤ اس طرح کہ اس کا زیادہ حصّہ نظر آنے لگے۔ گویا کہ یہ بڑھتا ہوا چاند ہے۔

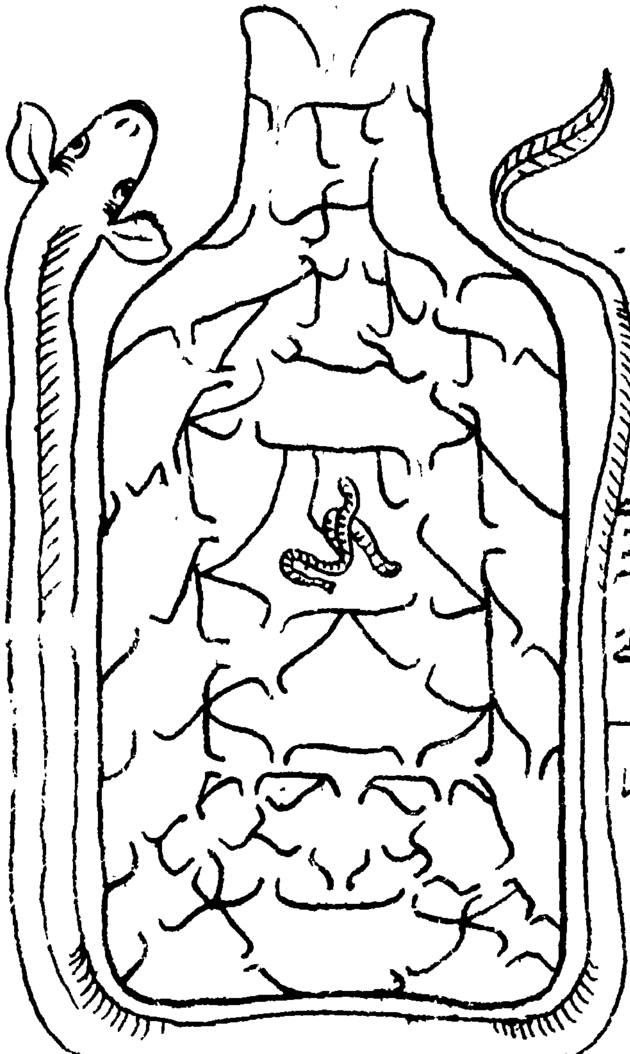
گیند کو اسی طرح گھماتے رہو یہاں تک کہ اس کا پورا روشن حصّہ تمھارے سامنے آجائے۔ یہ ہے پورا چاند۔

گیند کو اسی سمت میں ذرا اور گھماؤ تو تمھارے سامنے روشن حصّہ تھوڑا کم ہو جائے گا۔ گیند کو اسی طرح گھماتے رہو۔ یہاں تک کہ اسکا پتلا حصّہ روشن نظر آئے یہ ہے پرانا چاند۔ آخر میں یہ حصّہ بھی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا اور گیند کا کوئی حصّہ روشن دکھائی نہیں دے گا۔

پورا چاند سورج کے ٹھیک آمنے سامنے ہوتا ہے۔ اس لئے تمھیں اس کا پورا روشن حصّہ دکھائی دیتا ہے۔ اس

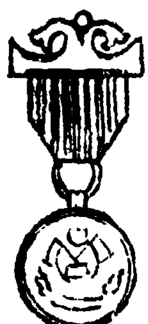
وقت اگر تمھارا منہ چاند کی طرف ہے تو سورج ٹھیک تمھاری پیٹھ کے پیچھے ہوگا۔ لیکن تمھیں سورج دکھائی نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ وہ اس وقت زمین کی دوسری طرف ہے۔

نیا چاند بہت چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔ کیوں کہ اس وقت چاند کا اندھیرا حصہ تمھارے اور چاند کے روشن حصے کے درمیان آجاتا ہے اور صرف تھوڑا سا روشن حصہ سامنے رہتا ہے۔



یہ بام مچھلی ہے۔ بہت بھوکی۔ بہت ہی بھوکی۔ اسے لو اسے ایک کیڑا نظر آیا۔ پر ہوش ٹھکانے نہیں۔ پھر راستہ بھی ٹیڑھا ترچھا ذرا کیجئے نا اس کی مدد! مگر بہت ہوشیاری سے جہاں راستہ ⇄ وہاں آپ گذر سکتے ہیں اور جہاں الٹا ⇆ اس شکل کا وہاں سے گذرنا منع ہے

جمیل اختر فاروقی
آرٹسٹ



تم بھول گئے!

(یہ اعلان صرف خریداروں کے لئے ہے)

اپریل کے پرچے میں ہم نے ایک اعلان کیا تھا **انعامی مقابلے** کا۔ سال بھر کے چھپے ہوئے مضمونوں میں جس پیامی کا مضمون سب سے اچھا ہوگا اسے ایک چاندی کا تمغہ انعام میں ملے گا۔ یہ انعام جناب نواب صاحب محمد گڑھ کی طرف سے ہے۔ پیامی شاید بھول گئے۔ ہم بھی یاد نہ دلا سکے۔ اب خیال رکھنا۔ ایسا نہ ہو تم پیچھے رہ جاؤ۔

ننھے پیامی بھی سُن لیں۔ جس پیامی کی کہانی مضمون یا نظم سب سے اچھی ہوگی اسے بھی انعام مِلے گا۔ یہ انعام پیامِ تعلیم کی طرف سے ہوگا اور پرچے میں چھپی ہوئی چیزوں پر۔ بہت ممکن ہے کہ اس سلسلے میں ہم چھوٹے چھوٹے کئی انعام دے سکیں۔

اس کے علاوہ ایک اعلان ہم اور کرنا چاہتے ہیں۔ جو پیامی اپنے پرچے کے پانچ خریدار بنا دیں گے اُنھیں سال بھر تک رسالہ مُفت بھیجا جائے گا اور وہ خریدار سمجھے جائیں گے، ان کے نام بھی رسالے میں چھاپ دئے جائیں گے۔



قطب شمالی کی روشنیاں

قیصر حسین زیدی لکچرر ٹریننگ کالج، علی گڑھ

عزیز کو مزے مزے کے قصّے کہانیاں پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ ایک مرتبہ مدرسے کی لائبریری سے وہ رنگین تصویروں کی ایک کتاب لے آیا۔ ان تصویروں میں سے ایک بچّے کی تصویر بہت انوکھی معلوم ہوئی۔ یہ بچّہ سر سے پاؤں تک رؤئیں دار کھال میں لپٹا ہوا تھا، بس ذرا سا مُنہ کُھلا تھا اچھا خاصا ریچھ کا بچّہ معلوم ہوتا تھا۔ عزیز اسے دیکھ کر دیر تک ہنستا رہا۔ اس کا حال پڑھا تو اور بھی حیرت ہوئی۔ یہ قطب شمالی کا رہنے والا تھا یہ علاقہ ہمیشہ برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ سمندر کے اِرد گِرد کی زمینوں اور ٹاپوؤں پر انسان بھی بستے ہیں۔ یہ اسکیمو کہلاتے ہیں۔ یہ بچّہ اسی قوم کا تھا

قطب شمالی پر چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے جہاں اسکیمو رہتے ہیں وہاں بھی چار چار پانچ پانچ مہینے سورج نہیں نکلتا۔ عزیز سوچ میں پڑ گیا یا اللہ یہ کیسا مُلک ہوگا۔ یہاں کے لوگ اتنی لمبی راتیں کیسے کاٹتے ہوں گے۔ اسکیمو بچے کھیل کود کو بھی ترس جاتے ہوں گے۔

انھی باتوں کو سوچتے سوچتے عزیز کی آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہی اسکیمو صاحبزادے سامنے کھڑے ہیں۔ انھیں دیکھتے ہی وہ پھر ہنس پڑا پر اب کے

تو اس اسکیمو بچے نے بھی ٹھٹھا مارا اور بولا: "آؤ چلو میں تمھیں اپنا ملک دکھا لاؤں تم میرے کپڑوں کی ہنسی اڑا رہے ہو نا! وہاں چل کے تمھیں ان کی قدر معلوم ہوگی۔ اچھا اب اپنی آنکھیں بند کر لو۔ ایک، دو، تین بس کھول دو۔"

عزیز کو ایک نئی دنیا نظر آئی۔ چاروں طرف برف ہی برف۔ کہنے کو تو رات پر ایسی روشن کہ دن کو شرمائے۔ عزیز نے آسمان پر ایسی تیز اور پیاری روشنیاں کبھی کاہے کو دیکھی تھیں۔ تاروں کی چمک رات کو دن بنا دیتی تھی مگر ان رنگ برنگی روشنیوں کے آگے وہ بھی ماند پڑ گئی تھی یہ روشنیاں آسمان پر دور تک چھائی ہوئی تھیں۔ زمین سے قریب دھنک جیسی کمانیں اور ان کمانوں میں سے ہزاروں تیروں کی طرح لال، نارنجی، بنفشئی ہرے اور دوسرے پیارے پیارے رنگوں کی کرنیں نکل کر آسمان پر دور تک پھیل گئی تھیں۔ گویا قدرت کا آتش باز رنگ برنگی ہوائیاں اور انار چھوڑ رہا ہے۔ کہیں کہیں ان رنگین دھاریوں کے ملنے سے پردے سے لہراتے معلوم ہوتے تھے۔

عزیز بالکل کھویا ہوا تھا۔ بچے کی چیخ پکار سے یک بیک چونک پڑا۔ اسکیمو بچے برف کی چھوٹی چھوٹی گیندیں بنا کر ایک دوسرے کو مار رہے تھے۔ عزیز کا جی للچایا، پر مارے ٹھنڈ کے دانت سے دانت بج رہے تھے۔ اس کا اسکیمو دوست مسکرایا، اور آنکھیں مٹکا کر بولا: "کیوں دوست اب تو تمھیں ہماری اس بے ڈھنگی گرم گرم پوستین کی قدر ہوئی ہوگی؟"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ برف کی گیند زور سے عزیز کی کمر میں لگی۔ نیند ہوا ہو گئی۔ آنکھ

کھلی تو امی کھڑی جگا رہی تھیں۔

آج عزیز کا دل مدرسے کے کام میں نہ لگا۔ خواب کا سماں آنکھوں میں پھر رہا تھا۔ جوں توں کرکے تفریح کا گھنٹہ بجا۔ اس نے ماسٹر صاحب سے اپنا خواب بیان کیا اور پوچھا۔ کیا سچ مچ قطب شمالی کے پاس ایسی روشنیاں ہوا کرتی ہیں۔

ماسٹر صاحب (حیرت سے) بھئی تمہارا خواب بالکل سچا ہے۔ یہ روشنیاں نہ ہوتیں تو ان بے چارے اسکیموؤں کی زندگی واقعی اجیرن ہو جاتی۔ یہ سب قدرت کے انتظامات ہیں۔

عزیز:۔ "جی اور کیا۔ یہاں تو ہم بجلی کے بلب جلا لیتے ہیں، گیس کے ہنڈے روشن کر لیتے ہیں، وہاں تو یہ کچھ بھی نہیں"

ماسٹر:۔ تم نے بجلی اور گیس کے ہنڈے کا ذکر خوب کیا۔ تمہاری خواب والی رنگ برنگی روشنیاں بجلی کے اثر سے کرۂ ہوائی کی گیسوں میں پیدا ہوتی ہیں۔

عزیز:۔ اور یہ بجلی کہاں سے آتی ہے؟

ماسٹر:۔ یہ سورج کی ان تیز شعاعوں میں ہوتی ہے جو ہر وقت زمین کی طرف آتی رہتی ہیں۔ سورج کو ایک بجلی گھر سمجھو۔ یہاں سے ہر طرف بجلی تقسیم ہوتی ہے۔ بجلی سے بھری یہ شعاعیں جب زمین کی طرف آتی ہیں تو زمین کی مقناطیسی طاقت انھیں کھینچ لیتی ہے۔ اور جب یہ ہوائی کرے کی اوپر کی گیسوں میں سے گزرتی ہیں۔ تو ان میں بھی بجلی کی لہریں دوڑا دیتی ہیں۔ تم نے کبھی بجلی کو دوڑتے دیکھا ہے؟

عزیز:۔ جی ہاں کبھی کبھی بادلوں میں لہراتی معلوم ہوتی ہے۔　　(باقی پھر)



امریکہ میں بچوں کا ایک میلا

ابھی تھوڑے دن ہوئے۔ امریکہ کے مشہور شہر واشنگٹن میں امریکن بچوں کا بہت بڑا میلا لگا تھا۔ یہ میلا اُن بچوں کا تھا، جنھیں سائنس سے دلچسپی تھی، اور خود ان بچوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں میلے میں رکھی گئی تھیں۔

یہ میلا یا نمائش امریکہ کے محکمۂ سائنس کے دفتر میں منعقد کی گئی تھی۔ ہر طالب علم کو اپنی بنائی ہوئی چیزیں رکھنے کے لئے آٹھ فٹ مربع جگہ دی گئی تھی ہر چیز پر بنانے والے کا نام پتہ اور ٹیلی فون کا نمبر لکھا تھا یہ بھی لکھا تھا کہ اس کے بنانے پر لاگت کتنی آئی ہے

اِن چیزوں پر انعام بھی رکھے گئے تھے اور جانچ کرنے والے امریکہ کے بڑے بڑے سائنس داں چنے گئے تھے۔ ڈرائنگ کا انعام چودہ سال کے ایک بچے کو ملا۔ یہ بڑا ہونہار بچہ ہے۔ ستاروں کے بارے میں اس کی معلومات بڑوں سے کم نہیں۔ ستاروں کا مشاہدہ کرنے والی کئی بڑی بڑی انجمنوں کا ممبر ہے۔ ایک خاص ستارے کے بارے میں تو اس کی واقفیت بہت زیادہ ہے۔ اس نے چاند کا دوربین سے مشاہدہ کیا تھا، اور اس مشاہدے کے بارہ نمونے اس نے نمائش میں پیش کئے تھے۔ یہ انعام اسے اسی سلسلے میں ملا تھا۔

اسی عمر کا ایک اور لڑکا ریڈیو آپریٹر تھا۔ اس نے چھ فٹ

کا ایک ہوائی جہاز دکھایا تھا۔ یہ جہاز دو ہزار فٹ کی اونچائی پر پانچ میل تک اڑ سکتا ہے۔ اسے ماڈل یا نمونے کا ہوائی جہاز اڑانے کی امریکن حکومت سے باقاعدہ اجازت ملی ہے۔ اس لڑکے کو بھی پہلا انعام ملا۔

پندرہ پندرہ برس کی دو بچیوں نے ایک اور تجربہ دکھایا بہت ہی دلچسپ۔ ایک پانی بھرے برتن میں انھوں نے چند سبزیاں اگائیں۔ اس پانی میں گندھک، نائٹروجن، فاسفورس، مگنیشیم، کلشیم اور پوٹاشیم ملا ہوا تھا۔ اس تجربے سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھیں کہ سبزیاں یا اناج اگانے کے لئے یہ چھ کیمیائی کھادیں خود زمین سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ ہمارے ہاں آج کل "اناج زیادہ اگاؤ" تحریک کا ہر طرف چرچا ہے۔ اس تحریک سے دلچسپی رکھنے والوں کو ان دونوں لڑکیوں کے تجربوں سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

میلے میں اور بھی بہت سی چیزیں تھیں۔ مثلاً بعض بچوں نے پودوں میں قلم یا پیوند لگانے کا تجربہ کیا تھا۔ کچھ بچوں نے گھریلو دوائیاں تیار کی تھیں وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ان بچوں کی قابلیت کا بہت اچھا نمونہ تھیں۔ اس میلے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آزاد دیس کے بچوں میں سائنس سے کیسی دلچسپی اور نئی چیزیں بنانے اور ایجاد کرنے کا کیسا حوصلہ اور امنگ ہوتی ہے اور آزاد حکومتیں اپنے بچوں کے اس حوصلے کو کس کس طرح بڑھاتی ہیں۔

ہمارا دیس بھی اب آزاد ہے۔ آزاد دیسوں کے بچوں کی طرح ہم بھی اب ایسے کام کریں گے جن کی بدولت ساری دنیا کو فائدہ پہنچے گا اور ہمارے دیس کا نام اونچا ہوگا۔



کمبا

افریقہ کی ایک کہانی

ایک لڑکا تھا، کمبا ۔ یہ افریقہ کے ایک گاؤں میں ایک کمہار کے گھر پیدا ہوا تھا جبھی تو ایسا عجیب و غریب نام تھا ۔ اور کچھ تھا بھی عجیب و غریب سب بچوں سے الگ، تھلگ رہتا اکیلا جنگلوں میں میدانوں میں مارا مارا پھرتا ۔ کسی سے بات نہ چیت ۔ جوں جوں بڑھتا، یہ عادتیں بھی ترقی کرتیں، بے چارے ماں باپ پریشان ! کیا کریں کیا نہ کریں !!

ایک تو آپ ماشاء اللہ تھے دُبلے پتلے، دوسرے عمر کو دیکھتے قد بھی چھوٹا تھا ۔ بستی کے بچوں کے ساتھ کھیلنا بھی شروع کیا تو اُن کا ساتھ نہ دے پائے وہ کھیل ہی کھیل میں اُنھیں ٹھونک دیتے یا چھیڑتے اور ستاتے، اور یہ کچھ نہ کر پاتے

انھی باتوں کی وجہ سے کمبا ساتھیوں سے الگ الگ رہنے لگا ۔ کوئی کھیل کھیلتا بھی تو اکیلا اُس کے دل میں ساتھیوں کا کچھ ڈر سا بیٹھ گیا تھا ۔ اور جوں جوں وہ اکیلا رہتا ۔ اس کا ڈر بڑھتا جاتا ۔

اُس کا جی بہت چاہتا کہ میں بھی کچھ بنوں ۔ کوئی کام کروں پر بے چارا کوئی ایسی بات

نہ کر پاتا کہ بچے اس کی طرف دھیان دیں۔

ہوتے ہوتے وہ بالکل نکما ہوگیا۔ کوئی کام کرتے اُسے ڈر جو لگتا تھا۔ کام خراب ہوگا۔ لوگ اُس کی ہنسی اُڑائیں گے۔

وہ اپنے باپ کی طرح معمولی معمولی برتن بھی بنانے کی کوشش نہ کرتا تھا بس اسی ڈر سے۔ باپ کہیں انھیں دیکھ کر مسکرا نہ دے۔ یہ نہ کہہ دے کہ کیسے بھدّے بنے ہیں یہ! باغ میں زمین بھی نہ کھودتا۔ کُھرپی یا پھاوڑا چلاتے بھی اس کا جی لرزتا۔ بس وہ تو بے سرے بچوں کی طرح جنگلوں میں کھیتوں میں مارا مارا پھرتا دن رات یہی شغل تھا۔ لیکن خواب ہمیشہ یہی دیکھتا کہ کسی نہ کسی دن وہ بھی بڑا آدمی بنے گا۔ پر یہ سوچتے اُسے ڈر لگتا کہ بڑا آدمی آخر بن کیسے پائے گا۔

بستی کے لوگ سر ہلا کر کہتے "کمبا بالکل نکما بالکل مورکھ ہوگا اس کے دماغ میں بھُس بھرا ہے"۔ پڑوسنیں اس کی ماں کو آ آ کر تسلّی دیتیں:- "بہن ناحق پریشان ہوتی ہو۔ تھوڑے دنوں بعد خدا تمھیں اور بچہ دے گا وہ اللہ نے کیا تو بستی کے اور بچوں جیسا ہوگا ذہین اور تیز"۔

پر تم جانو وہ تو ماں تھی وہ کہتی:- "نہیں بہن مجھے اور بچے کا ارمان نہیں، میں تو چاہتی ہوں کہ خدا اسی کو عقل اور سمجھ دے"۔

بستی کے مرد اس کے باپ کو سمجھاتے:- "میاں ابھی سے کیوں گھُلے جاتے ہو کمبا ابھی بچہ ہی تو ہے جب وقت آئے گا تو آپ ہی معلوم ہو جائے گا کہ سچ مچ بے وقوف ہی ہے یا کام کا آدمی بن سکتا ہے"۔

ایک بار رات کو کمبا بچھونے
پہ لیٹا تھا۔ ماں باپ سمجھے سو
گیا ہے، اسی کے بارے میں
باتیں ہونے لگیں۔ وہ بھوچکا
سا رہ گیا۔ یہ بات اسے آج
معلوم ہوئی کہ ——— ماں
ماں باپ اس کے بارے میں
اتنے فکر مند اتنے پریشان ہیں

ایک دن شام کو کمبا بہت
غم گین (بہت اداس) جنگل میں
گھوم رہا تھا، بالکل اکیلا
سورج بھی آسمان پر بہت نیچا
ہوگیا تھا۔ گھومتے گھومتے ایک
پہاڑی کے قریب آیا۔ سامنے
کھلا میدان تھا۔

کمبا ایک جگہ بیٹھ گیا منہ
ہاتھوں سے چھپا لیا۔ اس
وقت وہ رونا چاہتا تھا۔ خوب
چیخ چیخ کر۔ مگر چیخنے کی بھی
ہمت نہیں تھی۔

ارے لیجیے یہ کون جنگل سے
نکل کر آ رہا ہے اوہ یہ تو جنگل
کے بادشاہ سلامت ہیں شیر صاحب
جبھی ایسے بھاری بھر کم انداز
میں تشریف لا رہے ہیں۔ کمبا
کو جو یہاں بیٹھے دیکھا تو سیدھے
انھی کے پاس آئے۔ پوچھا "تم
یہاں کیا کر رہے ہو جی!"

کمبا:- میرا دل بہت غم گین ہے
میں عقل مند اور بڑا آدمی
بننا چاہتا ہوں۔ پر معلوم
نہیں مجھ میں کچھ تیزی اور
ذہانت ہے بھی یا نرا بدھو
ہوں۔

شیر:- بس اتنی سی بات! کیا
تم یہی سوچتے رہتے ہو؟

کمبا:- ہاں اور کیا۔ میں تو دن
رات یہی سوچتا رہتا ہوں۔

شیر:- تب تو تم سچ مچ بدھو
ہو، عقل مند اور سمجھ دار
لوگ تو یہ سوچتے ہیں کہ
وہ اپنے دیس کی کیا
خدمت کر سکتے ہیں"

اتنا کہہ، بادشاہ سلامت الٹے
پیروں جنگل کو لوٹ گئے۔

(باقی پھر)



بادلوں کی چوری

ڈاکٹر محمد امین ام ۔ اے ، پی ایچ ، ڈی

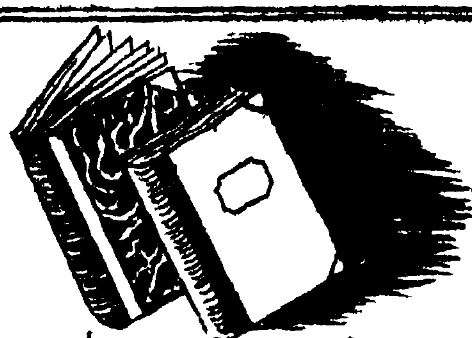
امریکہ بہت مشہور ملک ہے ۔ اس کا تھوڑا بہت حال تو تمھیں معلوم بھی ہوگا ۔ وہاں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لوگ نئے نئے تجربے کرنے نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے میں دن رات لگے رہتے ہیں ۔ ایٹم بم ، ٹیلی ویژن اصلی چور پکڑنے والی مشین اسی ملک کے لوگوں کی ایجاد ہے ۔

اچھا تم نے روپیوں کی چوری قلم کی چوری ، اور بھی کتابوں کی چوری تو سُنی ہوگی ، مگر بادلوں کی چوری ! آج یہ نئی بات تمھارے کانوں میں پڑی ہے ۔

تمھیں نہ جانے یہ بات بھی معلوم ہے یا نہیں کہ انسان اپنے سروں پر منڈلانے والے بادلوں سے بھی اپنا حکم منوا سکتا ہے ۔ بادل کبھی ہماری تمھاری مرضی کے مطابق تو برستے نہیں اس کا دارومدار تو اردگرد کی فضا پر ہے ۔ اگر ہم چاہیں کہ کہ بادل فلاں وقت میں فلاں جگہ برس جائیں تو کیا یہ ممکن ہو ہمارے بس کی بات تو معلوم نہیں ہوتی ۔

لیکن سائنس کی مدد سے یہ ممکن ہے ۔ تجربے سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ہوائی جہاز میں برف کے ٹکڑے بھر کر بادلوں کے اوپر لے جائیں اور اوپر ہی سے یہ برف کے ٹکڑے ان پر ڈال دیں تو اسی وقت بارش شروع ہو جائے گی ۔ امریکہ میں یہ تجربہ کئی بار کیا گیا ہے ۔ سائنس داں جس وقت اور جہاں چاہتے ہیں

بادلوں سے پانی نچوڑ لیتے ہیں۔
کسانوں کے لئے یہ بات بہت دلچسپ اور بہت مفید ہے۔ ہوائی جہاز اور برف کے ٹکڑوں کی مدد سے ہمارا کسان جب چاہے گا اپنے کھیت سیراب کرلے گا۔
ابھی تو دنیا کے لوگ اس ایجاد سے بہت خوش ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اس تجربے کو اور آگے بڑھا کر ہم دنیا کے بڑے بڑے ریگستانوں کو سرسبز و شاداب بنا سکتے ہیں مثلاً صحرائے اعظم افریقہ کو یا اور ریگستانوں کو، یہ بڑے بڑے ریتیلے میدان لہلہاتے کھیت بن جائیں گے، مگر ابھی اس میں وقت لگے گا۔
لیکن کچھ لوگوں کو فکر بھی پیدا ہوگئی ہے۔ خصوصاً خوش حال کسانوں کو جن کے کھیتوں میں وقت پر بارش ہوجاتی ہے۔ اب مثلاً ایک ضلع میں ایک حصّے پر بادل گھرے ہیں اور دوسرے حصّے پر آسمان صاف ہے۔ بارش کی ضرورت اسی ایک حصّے پر زیادہ ہے تو بھی اس علاقے کے کسان تو یہی کوشش کریں گے کہ یہ بادل ان کی طرف کھنچ آئیں امریکہ والوں کو بادل کے ٹکڑے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے یا گھسیٹ لانے کی ترکیب بھی معلوم ہوگئی ہے، اور بس جبھی سے لوگوں کو ایک طرح کی پریشانی ہوگئی ہے۔ امریکہ میں اس وقت دولت اور مال کی طرح بادلوں کی حفاظت کا مسئلہ بہت اہم ہولیا ہے۔
بڑے بڑے خوش حال کسانوں کو یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کم بارش والے علاقے سرسبز و شاداب ہوجائیں گے اور زیادہ بارش والے حصّے بنجر اور ریگستان بن جائیں گے۔ لیکن سب کسان حکومت کی مدد سے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں تو ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق بادلوں سے پانی مل سکتا ہے یا یہ کہ اور دوسری چیزوں کی طرح بادلوں کی بھی راشننگ کی جاسکتی ہے۔



کتابوں کی باتیں

غوث انصاری

آؤ بھئی آج تمھیں کچھ کام کی باتیں اردو کی کتابوں کے بارے میں بتائیں ــــــ تم اردو کی کسی دکان پر بھی چلے جاؤ تو تمھیں اپنے مطلب کی یا یوں کہو کہ اپنے کام کی بہت سی کتابیں مل جائیں گی، خوب صورت اور اچھی چھپی ہوئی۔ کہانیوں کی بھی اور معلومات کی بھی۔ اب تو اچھے اچھے لکھنے والوں نے یہی طے کر لیا ہے کہ وہ بس تمھارے ہی لئے لکھیں گے۔

اب سے کوئی تیس چالیس برس پہلے بچوں کے لئے خاص طریقے سے کتابیں نہیں چھاپی جاتی تھیں۔ بس ہوتا یہ تھا کہ اِدھر نانی اماں یا دادی اماں کو بستر پر جاتے دیکھا اور گھر کے سب بچوں نے اُن کو گھیر لیا۔ نانی اماں کہانی سنائیے۔ اور اُن کا یہ حال ہے کہ روز کی طرح پہلے تو انھوں نے انکار کیا پھر ڈانٹا۔ پھر جب دیکھا کہ بچے اب کہانی سُنے بغیر نہیں مانیں گے تو رٹے ہوئے سبق کی طرح اسی طرح کی کہانی سنانی شروع کر دی۔ کہ ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمھارا خدا بادشاہ اور اس بادشاہ کے سات بیٹے تھے یا آٹھ بیویاں تھیں۔ غرض کہ بالکل بے معنی اور بے مقصد کہانی ہوتی تھی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اِدھر تو کہانی ہو رہی ہے اور اِدھر سب خراٹے لے رہے ہیں۔ ان کہانیوں میں کچھ اچھی بھی ہوتی

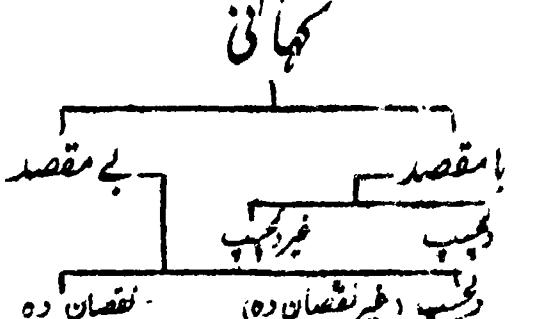
کتھیں چھوٹے بچے اُنھیں سُن کر بہت سے لفظ یاد کر لیتے تھے بعض میں نصیحتیں ہوتی تھیں مگر کوئی پچیس سال سے بعض لکھنے والوں نے بچوں کی ضروریات پر بھی دھیان دینا شروع کیا ساتھ ہی ساتھ دارالاشاعت لاہور اور اُس کے بعد دہلی کی جامعہ ملیہ نے بچوں کے لئے کتابیں چھاپنے کا خاص طور سے اہتمام کیا۔ اچھے اچھے لکھنے والوں سے کہانیاں اور مضامین لکھوائے پھر کیا تھا، کچھ ہی عرصے کے بعد حیدر آباد، بمبئی اور جانے کہاں کہاں سے بچوں کی کتابیں چھپنے لگیں۔ بس یوں سمجھو کہ صرف کہانیوں ہی کی کتابیں آج اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ تمھاری ننھی سی الماری بھر جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ کہنے کو تو اتنی بہت سی کتابیں ہیں، مگر ان میں اچھی اور بُری سبھی قسم کی ہیں۔ تو آؤ ہم تمھیں بتائیں کہ اچھی کتابیں کس قسم کی ہیں تمھارے لیے جو اچھی

اچھی کہانیاں اچھے اچھے لکھنے والے لکھتے ہیں، وہ کسی خاص مقصد کو لے کر لکھتے ہیں۔ اب مثلاً کسی کہانی میں تو یہ بتلاتے ہیں کہ آدمی بغیر محنت کئے ہنسی خوشی کی زندگی نہیں بسر کرسکتا، یا دوسروں کی مدد کرنے سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور ضرورت کے وقت دوسرے لوگ بھی اس کی مدد کرتے ہیں۔ غرض ہر اچھی کہانی پڑھنے کے بعد کوئی نہ کوئی اچھا سبق ہاتھ آجاتا ہے۔ بہت سی کہانیاں ایسی بھی ملیں گی جن میں چاہے کسی اچھی بات کا سبق نہ ملے مگر کہانی ہوتی دلچسپ ہے دلچسپ کہانی کا یہی فائدہ کیا کم ہے کہ جب تک تم گھر میں رہو اپنے چھوٹے بھائی بہنوں سے لڑنے کے بجائے کہانیاں ہی پڑھتے رہو ـــــــ مگر بھئی بہت سی کہانیاں ایسی ملیں گی جن کو پڑھنے

سے نقصان ہی نقصان ہوتا ہے۔
اب مثلاً تم میں سے بہت سے
بچوں نے علاء الدین کے چراغ کی کہانی
پڑھی ہوگی ... جس میں یہ ہے
کہ علاء الدین ایک لڑکا تھا اور اس
کو جادو کا ایک چراغ ہاتھ لگ
گیا تھا۔ بس وہ اس جادو کے
چراغ کے ذریعے جن کو بلا کر
خوب روپیہ پیسہ منگواتا تھا اور
آرام کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اب
اس قسم کی کہانیاں پڑھتے وقت
تمھیں اندازہ نہ ہو، مگر جانتے
ہو اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اس
کا اثر یہ پڑتا ہے کہ بچے بس ایسی
ہی کسی چیز کے خواب دیکھنے لگتے
ہیں خوب خوب دعائیں مانگتے ہیں
کہ ہم کو بھی علاء الدین کا چراغ
مل جائے۔ پھر تو ہم ٹھاٹ کریں
اس طرح بچے کاہل اور کم زور
ہوجاتے ہیں۔ بڑے ہونے پر زندگی
اپنے اور دوسروں کے لئے عذاب
کرلیتے ہیں۔ غرض کہ ایسی بہت
سی کہانیاں ملیں گی۔

آؤ اب ہم تمھاری کہانیوں کو
اس طرح تقسیم کرسکتے ہیں:-



اس کو یوں سمجھو کہ پہلے تو
ہم کہانیوں کو دو خانوں میں تقسیم
کرسکتے ہیں۔ یعنی
(۱) با مقصد اور
(۲) بے مقصد۔ با مقصد
کہانیوں سے مطلب یہ ہے کہ
کہانی کسی خاص مقصد سے لکھی
گئی ہے، مثلاً کہانی ہی کہانی میں
کوئی اچھی سی بات بتلانا مقصود
ہو مگر ایسی کہانیاں بھی دو قسم
کی ہوتی ہیں۔ ایک تو دلچسپ
یعنی تم پڑھتے پڑھتے اکتا نہ جاؤ
اور جب پڑھ چکو تب معلوم
ہو کہ "ارے دوسروں کے ساتھ
اچھائی کرنے میں اتنا فائدہ ہوتا
ہے" یا اچھے لڑکے کو سبھی

پسند کرتے ہیں " وغیرہ ۔ اور کچھ کہانیاں غیر دلچسپ ہوتی ہیں ایسی کہانیوں کو پڑھتے وقت مزہ تو خاک آتا ہے ۔ بس یہی جان پڑتا ہے ، جیسے اسکول میں کسی سبق کو یاد کر رہے ہوں ۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کہانی پڑھنے میں تمھارا دل نہیں لگتا اب آؤ بے مقصد کہانیوں کو اسی طرح الگ کرکے دیکھیں ۔ایسی کہانیوں کی بھی دو قسمیں ہیں ۔ پہلی تو دلچسپ اور غیر نقصان دہ دوسری نقصان دہ —— پہلی قسم کی کہانیاں چونکہ دلچسپ ہوتی ہیں ۔ اس لئے تمھیں پڑھنے میں بے حد مزہ آتا ہے اور تم ایک ہی کہانی کو کئی کئی بار پڑھتے ہو ۔ اور چونکہ یہ نقصان پہنچانے والی نہیں ہوتی ہیں اس لئے ایسی کہانیوں کا سب سے بڑا فائدہ تو یہی ہے کہ تم اپنے فرصت کے اوقات میں دوسروں سے لڑنے ، جھگڑنے یا تنگ کرنے کے بجائے کہانیاں ہی پڑھتے رہو ۔ دوسری قسم کی کہانیاں وہ ہیں جو تمھیں نقصان پہنچاتی ہیں ۔ اس قسم کی کہانیوں کا تذکرہ ہم مضمون کے شروع کرچکے ہیں ۔ جیسے علاء الدین اور اس کے چراغ کی کہانی وغیرہ ہم کسی اگلے مضمون میں تمھیں یہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ ایسی کہانیاں کس کس طرح سے تم پر اپنا خراب اثر ڈال کر تم کو کاہل ، کام چور اور خیالی دنیا میں رہنے والا انسان بنا ڈالتی ہیں ، اور تمھارے بڑے ہونے پر یہی اثرات کس طرح تم کو زندگی میں ناکام بنا دیتے ہیں ◆

بنک تین دن کیوں بند رہے؟

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم
ستمبر کے مہینے میں (۱۹، ۲۰، ۲۱) تین دن بنک برابر بند رہے۔ کہتے ہیں اخباروں میں بھی اس کا بہت چرچا رہا ہے۔ میں نے اس بات کو سمجھنے کی بہت کوشش کی۔ پر صاحب ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ کچھ آپ ہی بتائیے۔
عزیز الحسن پرتاب گڈھ

عزیز میاں یہ باتیں اصل میں بڑوں کے سمجھنے کی ہیں پر ہم تمھیں بھی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں دیکھو بنک روپئے کا لین دین کرتے ہیں اور روپے سے ہمارے دیس میں سب چیزوں کا لین دین ہوتا ہے روپے سے چیزوں کی اہمیت معلوم کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے کوئی چیز زیادہ اہم ہے تو زیادہ روپوں کی۔ کم اہم ہے تو کم روپوں کی۔ گویا روپیہ گز اور سیر کا کام بھی کرتا ہے۔ گز سولہ گرہ کا ہوتا ہے۔ سبھی یہ بات جانتے ہیں جب وہ ایک گز کپڑا لیتے یا دیتے ہیں تو انھیں اطمینان ہوتا ہے کہ ہمیں سولہ گرہ کپڑا لینا یا دینا پڑے گا۔ لیکن فرض کرو سرکار کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جائے کہ کپڑے کا بھاؤ تو وہی پہلے کا رہے گا۔ لیکن ایک گز سولہ گرہ کی جگہ اب صرف دس گرہ کا ہوا کرے گا تو بازار میں کھلبلی مچ جائے۔ بیچنے والوں کے مزے آ جائیں۔ اور بھئی خریدنے والے رونے چلّانے لگیں
پوری ایسی بات تو نہیں لیکن اس سے ملتی جلتی بات ہمارے روپے کے ساتھ ہوئی ہے۔ دیس

کے اندر جو لین دین ہوتا ہے، اس کے واسطے تو ہمارا روپیہ جیسا پہلے سونے آنے کا تھا اب بھی ویسا ہی ہے انگلستان سے لین دین کے معاملے میں بھی اس کی قیمت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ البتہ امریکہ سے جو لین دین ہوتا ہے۔ اس کے لئے جو روپیہ پہلے ۳۰ سنٹ کا ہوتا تھا اب صرف ۲۱ سنٹ کا رہ گیا۔ امریکہ سے ہمارا لین دین بہت کم ہے اس لئے اس کمی کا ہمارے روز مرہ کے معمولی لین دین پر کوئی زیادہ اثر نہ پڑنا چاہیئے لیکن لوگوں کو تم جانتے ہو بات کا تبنگڑ بناتے ہیں غلط اور بے بنیاد افواہیں پھیلاتے ہیں اور رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں سرکار نے اس خیال سے کہ روپے کی قیمت میں ذرا سی تبدیلی سے دکھ امریکہ سے مال منگانے میں روپیہ صرف ۱۰ ار کا رہ گیا ہی کہیں لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ سب کاموں کے لئے روپیہ صرف دس آنے کا رہ گیا ہے۔ اور گھبراہٹ میں بنکوں ڈاک خانوں وغیرہ سے روپیہ نکلوانا اور اس سے مال جائداد خریدنا شروع کر دیں اس سے چیزوں کے دام بڑھیں۔ روپے والوں کے ہاں ان کے ڈھیر لگ جائیں۔ غریب اُن سے بالکل محروم ہو جائیں اور چور بازاری کو ترقی ہو۔ بس اس لئے بنک اور ڈاک خانے تین دن کے لئے بند کر دیئے گئے تاکہ ان تین دنوں میں لوگ ٹھنڈے دل سے اس تبدیلی کے بارے میں سوچ لیں آپس میں بات چیت کرلیں۔ سمجھ سمجھا لیں۔ اس عرصے میں بنک بھی اپنے آپ کو روپیہ ادا کرنے کے لئے تیار کرلیں۔ یہ تین دن کی چھٹی اسی لئے کی گئی کہ گھبرائے ہوئے لوگوں کی بے وقوفی سے ملک میں ابتری نہ پیدا ہو جائے۔

ایسا سبھی ملکوں میں کیا گیا، اور یہ بڑی عقل مندی اور دور اندیشی کی بات تھی۔

آدھی ملاقات

(بہت سے خطوں میں سے چند خط ۔ اور خط اس لئے نہ چھپ سکے کہ لمبے زیادہ تھے ۔)

جناب ایڈیٹر صاحب ۔ السّلام علیکم
آپ کے پرچے میں اور تو سب باتیں اچھی ہیں بس یہ خدا کرے وقت پر چھپنے لگے ۔ اس کی خریداری بھی بڑھ جائے گی ۔ دو پرچے ایک ساتھ نکال دیجئے ۔

نصیر الدین ۔ کوئٹہ

(اب یہ انشاء اللہ وقت ہی پر چھپے گا ۔ یہ پرچہ تھیں اور پرچوں کے مقابلے میں بہت جلد مل جائے گا ۔) (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب ، تسلیم ۔ اب کے تو آپکا رسالہ چھپنے کے اندر ہی ہمیں مل گیا ۔ اسی طرح آہستہ آہستہ اسے وقت پر لے آیئے ۔ رنگ اب کے پہلے سے نکھرا ہوا ہے ۔ مضامین بھی بہت خوب ہیں ۔ سورج مکھی ۔ چانگ کنگ وادا کے اور لندن کے خط ، آزادی کے معنی ، غرض سبھی مضمون اچھے ہیں ۔ خالد وہاب خاں

بھائی نے بہت کھری کھری مگر سچی باتیں کہی ہیں ۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے جس جس نے پڑھا اس کے دل پر بہت اثر ہوا ۔ ہمیں بھی بس ایسا ہی ملنا چاہیئے

ابوالحسن ، کلکتہ

جناب ایڈیٹر صاحب ، تسلیم
آپ نے بہت اچھا کیا کہ پیام تعلیم کے ذریعے اور سب پیامی بھائیوں سے آدھی ملاقات کا انتظام کر دیا ۔ ستمبر کا پرچہ تو اگست سے بڑھ چڑھ کر ! میری طرف سے مبارک باد قبول کیجئے ۔ میرے اور ساتھیوں نے بھی بہت پسند کیا ۔ میں خریدار بنانے کی کوشش کر رہا ہوں

مصلح الدین ، مدراس

(مصلح الدین میاں ، خدا آپ کی کوششوں کو کامیاب کرے ۔ "پیام تعلیم" کے خریدار جس قدر

بڑھائیں گے، اسی قدر یہ اچھا نکل سکے گا (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم۔
آپ کا رسالہ ابھی ابھی مِلا۔ ناصر بھائی نے وصول کیا، اور جب تک پورا پڑھ نہ لیا ہمیں نہیں دیا۔ کچھ نہ پوچھئے، کتنی بے چینی رہی پر کیا کر سکتے تھے، اور جب پڑھا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ اہا بھئی کارٹون! کیا اچھا ہے! ابھی ابھی خود مجھ پر یہی کیفیت گذر چکی تھی۔ ناصر بھائی نے بھی خوب لطف لیا۔ مضامین کی کیا تعریف کروں! بس اب تو ہمیں یہ چاہیے کہ جہاں تک بھی ممکن ہو آپ کے لئے خریدار فراہم کریں۔

آپ کا نصیر، بجواڑہ

(خدا تمھارے ارادے کو کامیاب کرے آمین) (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم
آپ کا خط بہت پہلے مل گیا تھا۔ بیماری کی وجہ سے فوراً جواب نہ دے سکا۔ اب اچھا ہوں۔ آپ اپنے رسالے میں لطیفے، انعامی معمّے پہیلیاں، رنگ بھرنے کی تصویریں وغیرہ یہ سب کچھ دیجئے۔ مگر بس ایک رسالے میں تو یہ سب چیزیں آ نہیں سکتیں۔ اس لئے کسی رسالے میں کچھ دے دیا کسی میں کچھ۔ میں بھی کچھ بھیجنے کی کوشش کروں گا۔

صغیر احمد، بریلی

(صغیر میاں۔ خدا تمھیں بالکل تندرست کردے۔ تمھارا مشورہ بہت اچھا ہے۔ اسی رسالے میں کسی دوسری جگہ ہمارا اعلان پڑھو) (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم
مجھے ستمبر کا رسالہ مِل گیا، سبھی مضمون اچھے تھے مگر خالد وہاب بھائی کا مضمون تو بہت خوب ہے۔ اپنے آس پاس کے لوگوں کو دیکھتا ہوں، اور پھر اس مضمون کو پڑھتا ہوں، تو دل میں بڑا جوش پیدا ہوتا ہے۔ خدا ہم سب کو اس آزاد دیس کے شایانِ شان بنائے۔ ایک بھائی نے بہت اچھا مشورہ دیا ہے۔ اس مضمون یعنی "آزادی کے معنی" پر انعامی مقابلہ کرا دیجئے۔

عزیز الدین، احمد نگر

(عزیز میاں "بچوں سے باتیں" پڑھو اور تمھیں مضمون لکھنے کا شوق ہے تو اس عنوان پر ضرور کچھ لکھ کر بھیجو۔)

اِدھر اُدھر سے

ایک پوری بستی کی بستی - بکسوں میں بند، سمندری جہاز کے ذریعے انگلستان سے ارجنٹائن بھیجی جا رہی ہے - تیل کی پیمائش کرنے والے ماہروں اور ان کے کنبوں کے رہنے سہنے کے لئے - ان ڈبوں میں کل دو سو عمارتیں ہیں - اِن میں رہنے کے گھر، کارخانے، دفتر، اسٹور غرض ضرورت کی سبھی چیزیں ہیں ایک سنیما گھر بھی ہے - یہ مکان المونیم اور اس کی ساتھی دھاتوں کے بنے ہوئے ہیں -

---

گاندھی جینتی کے سلسلے میں دلّی کے بچّوں نے کشمیری گیٹ میونسپل اسکول میں ایک نمائش منعقد کی ہے بچّوں کی انجمن بالکن جی باڑی کے اہتمام میں

نمائش میں باپو کی زندگی ان کے فلسفے، امن اور میل ملاپ کے لئے ان کی کوششوں کو کوئی چار سو تصویروں کے ذریعے دکھایا گیا ہے - اُن میں فوٹوگراف بھی ہیں ہاتھ کی بنی ہوئی رنگین تصویریں بھی - پنسل اسکیچ بھی - ان میں اکثر تصویریں ان بچّوں ہی نے جمع کی ہیں - اور بہت سی تصویریں نقشے وغیرہ خود بچّوں نے خصوصاً جامعہ ملّیہ کے بچّوں نے بنائے ہیں -

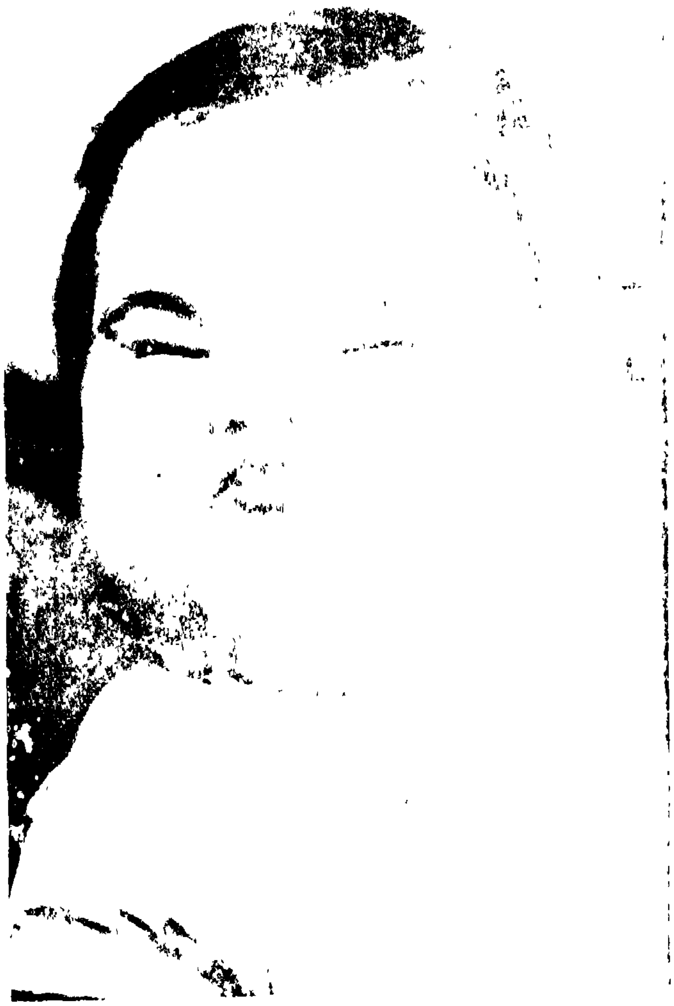
---

آسام کے جنگل میں اژدہے اور سانپ میں لڑائی ہو پڑی - اژدہا تین گز لمبا تھا اُس نے ایک ہاتھی کے بچّے پر حملہ کیا - بچّے نے شور مچایا - اپنے بچّے کی چیخ پکار سُن کر ہتھنی دوڑی دوڑی آئی اور دو منٹ کے اندر اژدہے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے -


رنگ بھرو



یہ ھائی جمپ بھی ہے اور پول جمپ بھی ہے ... کہہ سکتے ہیں



اس تصویر کا کیا عنوان ہوگا؟

Title printed by Calcutta Art Press, Katra ... Delhi

پیام تعلیم



ہمارے شیخ الجامعہ ڈاکٹر صاحب قبلہ
ہماری جامعہ انھی کی رہنمائی میں پروان چڑھی



ہمارے پہلے شیخ الجامعہ مولانا محمد علی مرحوم



مطبوعہ: جید پریس دہلی
پرنٹر و پبلشر: محمد حسین حسان

بچّوں سے باتیں

پیامیوں کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ بچّوں کی برادری کو پنڈت جواہر لال نہرو نے ڈھائی ہزار روپے مرحمت فرمائے ہیں۔

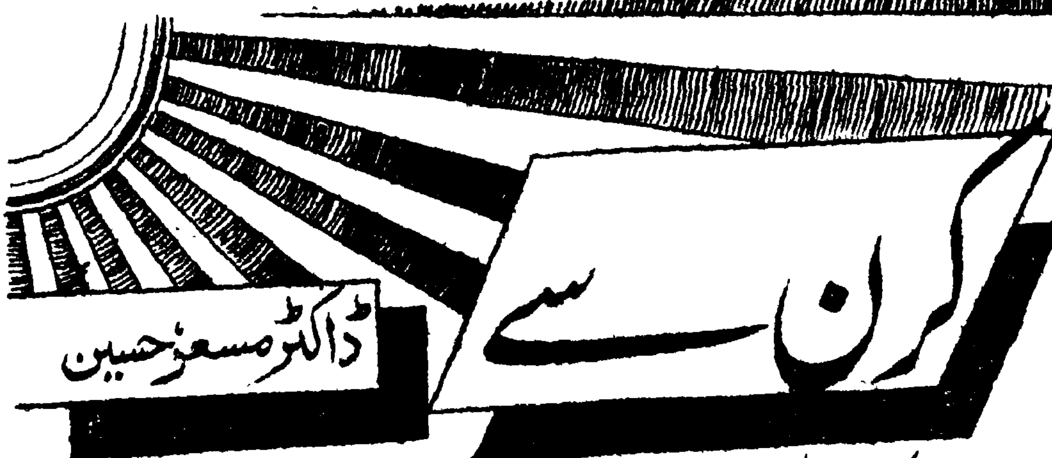
برادری کے سلسلے میں ہمارے پاس بہت خط آتے رہتے ہیں۔ ہم نے پیامیوں کو پتہ بھی بتا دیا تھا۔ مگر اب اس برادری کا صدر دفتر قائم ہوگیا ہے۔ کرشن ورما (رام لال نہیں) اس کے جنرل سکریٹری ہیں۔ اب پیامی اس پتے سے خط کتابت کریں۔ کرشن ورما جنرل سکریٹری۔ صدر دفتر بچوں کی برادری تعلیمی مرکز بیری الا باغ دہلی

> ہمارے پُرانے مضمون نگار، ہماری جامعہ کے اہم رکن جناب ماسٹر عبدالحیٔ صاحب کے حقیقی بھائی کا انتقال ہوگیا۔ ہمیں اس حادثے میں جناب ماسٹر صاحب اور مرحوم کے دوسرے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ آمین

عالی جناب نواب صابر علی خاں صاحب والی ریاست محمد گڑھ نے ازراہِ قدردانی ایڈیٹر پیام تعلیم کو "بچوں کے ادیب" کا لقب اور درجہ اول کا نقرئی تمغہ مرحمت فرمایا ہے۔ اس حوصلہ افزائی کا دلی شکریہ۔

۲۹ر اکتوبر کو جامعہ نگر میں یوم تاسیس بہت اہتمام سے منایا گیا۔ صبح ۹ بجے جھنڈا لہرایا گیا۔ پھر حضرت مولانا اسلم جیراجپوری کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ اس کے بعد نمائش کا افتتاح ہوا۔ تین بجے سے مدرسہ ابتدائی کے بچوں کے کھیل دکھلائے گئے۔ یہ ایک غیر معمولی چیز تھی۔ ان کھیلوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بچے کی ورزش بھی اچھی طرح ہوجاتی ہے۔ لوگوں نے شروع سے آخر تک ان کھیلوں کو بہت دلچسپی سے دیکھا۔ ہم اس کامیابی پر سید حسن صاحب بی ایس سی جامعہ نگران مدرسہ ابتدائی کو مبارکباد دیتے ہیں۔

بعض اہم مضامین کی وجہ سے بہت اچھے اچھے مضمون اس مرتبہ چھپنے سے رہ گئے۔ کمبا والا مضمون، جس کا بچوں کو انتظار ہوگا۔ خط کتابت، سیدہ فرحت کا مضمون اور نظمیں وغیرہ۔ یہ اب اگلے پرچے میں چھپیں گے۔



رات کی مالا ٹوٹ رہی تھی   تیری ہنسی تب پھوٹ رہی تھی
چھیر کر اُس کا آنچل چل دی   لالی اُس کے مُنہ پر مل دی
ہائے یہ کیا کر ڈالا چنچل   گر گئے اُس کے آنسو چھل چھل

اُوپر سے تو اُتری آکر
پھول کی چھاتی کے موتی پر

اُن تھک دُور سے تو آئی ہے   کیا سندیسہ تو لاتی ہے
کیا رُوٹھے کو منانے آئی   ایک سُنہری سیڑھی لائی
تیری سیڑھی پر چڑھ جاؤں   کیا اس رستے اُن تک جاؤں
پر، دُھتکارا کیوں کر لوٹے   دیس نکالا کیوں کر لوٹے

اب وہ اس بستی میں آئیں
اُتریں اِس پستی میں آئیں

ہماری جامعہ کے انتیس سال

آج اکتوبر کی ۲۹ تاریخ ہے۔ ہماری جامعہ خیر سے اب انتیس برس کی ہوگئی۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو اس کی بنیاد پڑی تھی، یہ مدت کوئی بڑی بات مدت نہیں، مگر اس تھوڑے سے زمانے میں اس نے بڑے بڑے انقلاب دیکھے، بڑے بڑے ہچکولے کھائے۔

۲۹ اکتوبر کا دن بھی کیسا مبارک دن تھا۔ اسی دن حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پودا ایک مسجد میں بیٹھ کر لگایا تھا۔ سابق امیر جامعہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم، سابق امیر جامعہ ڈاکٹر انصاری مرحوم، مولانا محمد علی مرحوم، اور دوسرے بڑے بڑے لوگ اس نیک کام میں شریک تھے۔

یہ زمانہ بہت جوش کا تھا۔ پورا دیس باپو کی رہنمائی میں انگریزی حکومت کے خلاف پُرامن (یا اہمسائی) لڑائی لڑ رہا تھا۔ لڑکے سرکاری اسکولوں، کالجوں کا بائیکاٹ کر رہے تھے۔ سرکار سے امداد لینے والے اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں سے امداد بند کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

علی گڑھ یونیورسٹی نے یہ درخواست ٹھکرادی تو یہاں کے چند اُستادوں اور بہت سے لڑکوں نے اپنے لیڈروں کی رہنمائی میں ایک الگ یونیورسٹی قائم کرلی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نام رکھا گیا۔

مولانا محمد علی اس کے پہلے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ طالب علموں اور استادوں کے لئے کچھ ٹاٹ مل گئیں، کچھ خیمے لگ گئے۔ شروع شروع میں اس کا کام بہت اچھا چلا، کیا استاد، کیا طالب علم سب میں ایک جوش اور جوش سے زیادہ خلوص تھا۔ پُرانے جامعی بھائی اس زمانے کو یاد کرتے ہیں اور آنکھوں میں آنسو بھر لاتے ہیں۔

مگر تھوڑے دنوں بعد قومی تحریک ٹھنڈی پڑی۔ خلافت کمیٹی[ل] اپنی مدد سے ہاتھ کھینچنے پر مجبور ہوئی جامعہ کی پریشانیوں کے دن آگئے۔ یہ پریشانیاں برابر بڑھتی رہیں۔ جامعہ کے اُستاد اور طالب علم

ل خلافت کمیٹی اس وقت سارے ہندوستان پر چھائی ہوئی تھی۔ پر اب اس کی یادگار فقط ایک عمارت "خلافت ہاؤس" کے نام سے بمبئی میں ...

اس وقت ہمت اور استقلال سے کام نہ لیتے تو نتیجہ معلوم تھا۔

آخر حکیم اجمل خاں مرحوم ڈاکٹر انصاری مرحوم اور دوسرے لیڈروں کی رائے سے یہ علی گڑھ سے دلی قرول باغ، آگئی۔ حکیم صاحب مرحوم نے اس کی سرپرستی فرمائی۔ باپو نے بھی روپے سے اس کی مدد کی۔

اتنے، جامعہ کے پرانے طالب علم اور استاد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر واپس آئے۔ یہ اپنے ساتھ دو اور ساتھی (ڈاکٹر) سید عابد حسین صاحب اور پروفیسر محمد مجیب صاحب کو بھی لائے۔

اب تینوں نے جامعہ کے استادوں کے ساتھ مل کر پڑھائی کی طرف زیادہ دھیان دیا۔ مالی پریشانیوں کے باوجود ذاکر صاحب کی رہنمائی میں کام برابر آگے بڑھتا رہا۔ حکیم صاحب مرحوم جیسے تیسے اس کی مالی مدد کرتے رہے۔

لے لیجئے تھوڑے دنوں میں حکیم صاحب بھی اللہ کو پیارے ہوئے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا، پر ذاکر صاحب نے جامعہ کی کشتی کو ڈگمگانے نہ دیا۔ قدم برابر آگے ہی بڑھتے رہے۔ شروع میں کالج ہی کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ اب ابتدائی اور ثانوی تعلیم کو بھی اہمیت دی گئی۔ قرول باغ میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے دو الگ الگ مدرسے قائم ہو گئے۔

ان کے علاوہ چندے کے سلسلے میں ہمدردان جامعہ کا ایک شعبہ کھولا گیا۔ ان پڑھ بالغوں کی تعلیم کے لئے "تعلیم و ترقی" کا ادارہ کھولا گیا۔ استادوں کی تعلیم کے لئے استادوں کا مدرسہ جامعہ کا کام بہت آگے بڑھ رہا تھا، بہت آگے۔

حکیم صاحب مرحوم کے بعد ڈاکٹر انصاری مرحوم امیر جامعہ ہوئے۔ انھوں نے ہندوستان سے باہر کے بڑے بڑے لوگوں کو جامعہ میں بلوا کر ان سے تقریریں کرائیں۔ جامعہ کو قرول باغ سے اوکھلے لانے کی بات انھی کے زمانے میں پکی ہوئی۔ ایک عمارت کا بنیادی پتھر بھی انھی کے زمانے میں رکھا گیا۔ یہ عمارت آدھی بن پائی تھی کہ ڈاکٹر انصاری بھی اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ مگر اب جامعہ کی بنیادیں بہت مضبوط ہو چکی تھیں۔ کام برابر آگے بڑھتا رہا۔

آخر اوکھلے میں پہلی، پھر دوسری عمارت تیار ہو گئی۔ ابتدائی پھر ثانوی مدرسے یہیں آ گئے۔ پھر

جوں جوں عمارتیں بنتی گئیں دوسرے شعبے بھی یہیں آتے گئے۔ بس تعلیمی مرکز (مدرسہ ابتدائی) مکتبہ جامعہ تعلیم و ترقی اور ہاں کتب خانہ قرول باغ میں رہ گیا۔

دیکھتے دیکھتے ۱۹۴۵ء آ گیا۔ جامعہ کو قائم ہوئے ۲۵ برس گذر گئے، سلور جوبلی کی تیاریاں ہونے لگیں ۱۹۴۶ء کے آخر میں جوبلی بہت اہتمام سے منائی گئی۔

۱۹۴۷ء میں ایک بڑا بھونچال آیا۔ ہندوستان کو آزادی ملی۔ ملک تقسیم ہوا۔ آزادی اپنے ساتھ بربادی بھی لائی۔ ہندو، مسلمان، سکھ آپس میں گتھ گئے۔ اور پھر وہ ہوا جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جامعہ بھی اس کے اثر سے نہ بچ سکی۔ قرول باغ میں مکتبہ جامعہ، تعلیم و ترقی، تعلیمی مرکز کتب خانہ، سب تباہ ہو گئے۔ جامعہ نگر اوکھلا بھی بہت دنوں تک نرغے میں رہا۔ مگر جامعہ والے ایک خدا سے ڈرتے تھے، اس لئے کسی اور کا ڈر اُن کے دل میں نہیں سمایا۔ اُن کی زندگی کا ایک مقصد تھا۔ نئے نئے تعلیمی تجربے، اور دیس کے بچوں کو اچھا شہری بنانا۔ اس مقصد کی خاطر انھوں نے اتنی کھکیڑیں اٹھائی تھیں۔ اسی لئے طوفان سر سے گزر گیا، اور ان کے قدم مضبوطی سے جمے رہے۔

اور جوں ہی فضا کچھ بہتر ہوئی، سارے کام پھر اسی تندہی سے شروع ہو گئے۔ تعلیم و ترقی کا کام جناب شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی کی نگرانی میں پہلے سے دس گنا بڑھ گیا، اور اب تو شہر کے بچوں کی تربیت بھی اس نے اپنے ذمّے لے لی ہے۔ بچوں کی برادری اس کی سرپرستی میں خوب ترقی کر رہی ہے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کمپنی کی شکل میں نمودار ہو رہا ہے۔ استادوں کے مدرسے کا بورڈنگ بہت تیزی سے بن رہا ہے، اُستادوں کے مکان الگ بن رہے ہیں۔ غرض ہر طرف ترقی ہی ترقی ہے، اور ان سب باتوں میں ذاکر صاحب اور اُن کے سب اچھے ساتھیوں کا جتنا ہاتھ ہے سب جانتے ہیں۔

تم کیا کرو!

ہمارے دیس کو آزاد ہوئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں، غلامی کی بُرائیاں ابھی جوں کی توں باقی ہیں - یہ یوں ہی تھوڑی دور ہو جائیں گی - ہم تم بچے بڑے سب مل کر کوشش کریں گے تبھی ان سے نجات ملے گی -

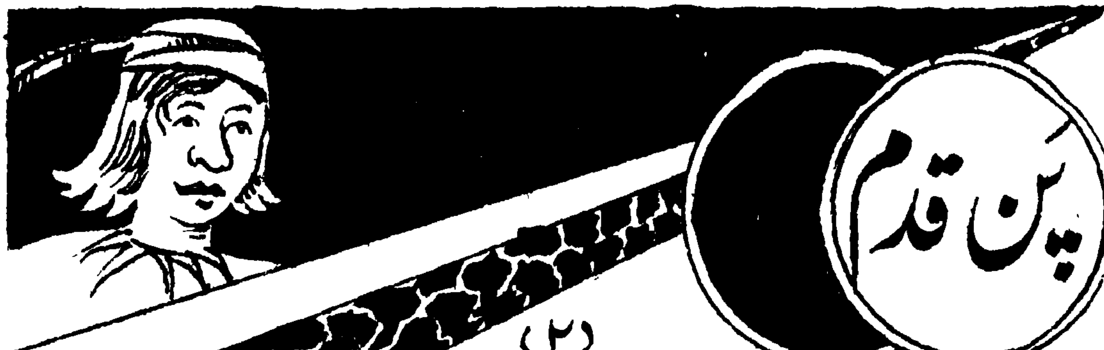
پر دیس کی ایک بُرائی تو ایسی ہے کہ اس کا خیال آتے ہی ہماری گردن شرم سے جھک جاتی ہے، یہ ہے جہالت - دیس کے کروڑوں بچے، بوڑھے اَن پڑھ ہیں نسل اَن پڑھ

بچوں کو پڑھانے کا تو دیس کی حکومت جیسے تیسے سبیتا کر رہی ہے پر ان ۔وں کا کیا ہو؟

اس کام میں تو تم بھی ہاتھ بٹا سکتے ہو، کوئی اَن پڑھ تمھارے گھر میں ہو، آس پڑوس میں ہو تو تم آج ہی سے طے کر لو کہ ہم اسے پڑھا کر چھوڑیں گے، اچھا یہ ہے کہ ایک برادری اور ایک پروگرام طے کر کے یہ کام شروع کرو -

چین میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے اور بہت کامیاب رہا بہت ہی کامیاب -

بچوں کی برادری، یہ کام بہت اچھی طرح کر سکتی ہے -



پن قدم

(۲)

اب تینوں چاروں نے لٹھے کے آخری سرے پر کھرچنا شروع کیا اچھا خاصا شور سا ہونے لگا۔ پاس ہی ایک ریچھنی رہتی تھی وہ باہر نکل آئی یہ دیکھنے کہ کیا نئی مصیبت آگئی۔ قریب آئی تو اس نے بھی یہی کام شروع کر دیا. اسے لو میاں بھیڑئے بھی کہیں سے آگئے سمجھے ہوں نہ ہوں لٹھے میں کوئی کھانے پینے کی چیز ہے اور خود ہی اس کام میں لگ گئے۔

اہا بھئی، بارہ سنگھے بھائی بھی نہ جانے کہاں سے آ پہنچے۔ انھیں یہ کہانی سنائی گئی تو انھوں نے بھی اپنے کھر اس نیک کام میں لگا دئے۔ مل جل کر کوئی کام کیا جائے تو پہاڑ اپنی



جگہ سے ہٹ جاتے ہیں یہ تو گلا ہوا کھوکھلا لٹھا تھا۔ آخر بیچ

میں سے پھٹ گیا۔ اور بھائی پن قدم ایسے نکل آئے جیسے کوئی مرغی کا بچہ انڈے میں سے نکلتا ہے۔

پن قدم کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ نئی زندگی پائی۔ تالیاں بجا رہا تھا اور ناچ رہا تھا۔ ذرا حواس ٹھیک ہوئے تو اپنے چاروں طرف ایک جمگھٹا دیکھا۔ سیہی دادی تھیں۔ ان کے تینوں پوتے تھے ریچھنی اماں تھیں، میاں بھیڑیے تھے، اور بارہ سنگھے بھائی تھے۔

سیہی دادی بولیں: "جب تک ننھے میاں کے ماں باپ کا پتہ نہ لگے، اسے ایک ماں کی ضرورت ہے کون اس کی ماں بننا چاہتا ہے؟"

بارہ سنگھے بھائی آگے بڑھے:

"میں بننا چاہتا ہوں"

سیہی دادی:- "نہیں بھائی تمہارے پیروں میں تو چکر ہے۔ کہیں ایک جگہ قرار نہیں۔ جاڑوں میں بچے کو خاص کر ٹھکانے کی ضرورت ہوگی ورنہ اسے بہت تکلیف ہوگی"

بھیڑیے میاں:- "اور میں کیسا رہوں گا؟"

سیہی دادی:- "بُرے بہت ہی بُرے۔ تمہارے دانت بہت تیز ہیں تم بھی اس قابل نہیں"

ریچھنی اماں:- "تو پھر بڑی بی میں اس کی ماں بنوں گی میرا گھر چٹانوں میں ہے اور خوب گرم رہتا ہے۔ آج کی رات ہی میں اتنی گوندنیاں اور گری دار پھل لائی ہوں کہ ایک درجن بچوں کے لئے کافی ہوں گے"

سیہی دادی:- "ہاں تم ننھے پن قدم کی ماں بن سکتی ہو، پر دیکھو ایک بات کا خیال رکھنا۔ تمہارے بچے ننھے پن قدم کو کوئی ایسی ویسی بات نہ سکھانے پائیں"

ریچھنی اماں نے پن قدم کا ہاتھ پکڑا۔ دونوں نے سیہی دادی اور دوسرے ساتھیوں کو سلام کیا اور گھر کی طرف چلے۔ گھر کیا تھا چٹانوں میں ایک غار تھا، ہاں اس میں کمرے ایسے تھے جیسے

سچ مچ کے گھر میں ہوں۔

راستے میں پن قدم نے رکھپنی اماں سے بہت سی باتیں پوچھیں، رکھپنی اماں ان سب کا جواب دیتی رہیں۔

گھر پہنچ کر اماں نے اپنے مُنّوں بچّوں کی طرف اشارہ کیا: "لو بیٹے پن قدم یہ میرا سب سے چھوٹا بچہ ہے۔ جتنا چھوٹا ہے اتنا ہی اچھا ہے۔ تمھیں بھی یہ ضرور اچھا لگے گا۔ یہ اُس کی بہن ہے اور یہ بڑا بچہ ہے یہ سب کے سب تمھارے ساتھ محبت اور پریم سے رہیں گے۔ لڑیں بھڑیں گے نہیں کیوں بیٹا سمجھ گئے نا میری بات"

پن قدم بولا: "جی میں سمجھ گیا"۔ ادھر اماں کے تینوں بچے ادب سے جھک گئے۔ گویا جیسے امی کہہ رہی ہیں ویسا ہی ہوگا۔

رکھپنی اماں نے سب کو کھلایا پلایا اور بچھونوں پر لٹا دیا۔ ایک دن سب کے سب پھل اور میوے چننے جنگل میں گئے پھلوں کی افراط تھی۔ سب سے چھوٹے بچے نے بھی اپنا تھیلا بھر لیا۔ رکھپنی اماں کے پاس دو تھیلے تھے۔ ایک اُنھوں نے اپنے کاندھے پر ڈال لیا، چھوٹا والا ہاتھ میں تھامے تھیں۔

جونہی سورج چٹانوں کے پیچھے ڈوبنے لگا۔ سب نے گھر جانے کی تیاری شروع کی۔ سب کے سب لدے پھندے جا رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی چھائی تھی رکھپنی اماں سوچ رہی تھیں اتنی محنت اور تھکن کے بعد بستر پر لیٹنے میں کیسا مزا آئے گا۔

گھر کے قریب ایک چٹان کے سامنے آجانے سے راستہ مڑ گیا تھا جونہی یہ قافلہ اس موڑ پر پہنچا اچانک ایک شکاری کود کر سامنے آگیا۔ رکھپنی اماں نے اپنا چھوٹا سا تھیلا اس کی طرف پھینکا، مگر بے کار اُس نے اماں کی طرف تیر کا نشانہ لگایا اور بے چاری اماں زمین پر گر پڑیں۔ بات کہتے میں کیا سے کیا ہوگیا!

ننھا پن قدم دَوڑا دوڑا اس کی مدد کو آیا اَور بچّے بھی اماں کے چاروں طرف جمع ہوگئے بےچارے بلک بلک کے رو رہے تھے۔
پن قدم بھی ضبط نہ کر سکا بڑی زور سے چیخا "میری پیاری امّاں پھر وہ اس آدمی کی طرف مڑا: تم بڑے ظالم اَور وحشی ہو؛ میری امّاں کو زخمی کردیا۔
آدمی اس کی طرف تیزی سے جھپٹا:۔ "میرا بچّہ۔ میرا ننھا" آہ ہا یہ تو ننھے پن قدم کے باپ ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو لپٹ گئے۔ مگر وہ اب تک چیخ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ امّاں زخمی ہوگئی ہیں۔ اُس کا باپ بولا:۔ "کیوں بٹیا کیوں چیخنے ہو، تمھاری ریچھنی امّاں تو بالکل ٹھیک ہیں۔ یہ دیکھو تیر اس تھیلے میں پھنس گیا ہے۔ ریچھنی امّاں کے خراش تک نہیں آئی ہے۔"
اے لیجئے ریچھنی امّاں بھی اُٹھ کھڑی ہوئیں بولیں:۔ "نہیں نہیں بیٹے میں بالکل ٹھیک ہوں، بس ذرا بے ہوش ہوگئی تھی۔ تھیلے نے مجھے بچا لیا۔"
پن قدم باپ کو اپنی بپتا سُنانے لگا:۔ ارے ابّا میں ایک کالی آنکھوں والی گلہری کے پیچھے دَوڑا تھا، وہ بھاگتے بھاگتے ایک کھوکھلے لٹھے میں گھس گئی تو میں بھی گھس گیا اور بس اس میں پھنس کے رہ گیا۔ وہ تو کہئے سیہی دادی نے چیخنے کی آواز سُن لی اَور اُن کی اَور اُن کے تینوں پوتوں کی کوششوں سے میں اِس میں سے نکل سکا۔ پھر ریچھنی امّاں مجھے اپنے گھر سے لے آئیں۔ اَور بہت ہی محبت اَور پیار سے اپنے ہاں رکھا۔"
پن قدم کا باپ بولا:۔ "بی ریچھنی میں تمھارا بہت احسان مند ہوں کہ تُم نے میرے بچّے کا پتہ لگایا اَور اسے اپنے کلیجے سے لگا رکھا۔ میری دلی خواہش ہے کہ ایک

دن تم تینوں بچوں سمیت میرے وگوام میں آئے پر اب اس بچے کو اجازت دو کہ اپنی ماں سے جاکر ملے وہ اس کی جدائی میں بہت بے چین ہے۔"

پن قدم بولا، "ہاں رِیچھنی اماں اب مجھے اپنی اصلی اماں کے پاس جانے کی اجازت دیجئے۔ اچھا سلام۔"

رِیچھنی اماں اور اُن کے تینوں بچوں نے ننھے پن قدم کو خوب خوب پیار کیا اور پن قدم بہت خوش خوش وہاں سے رخصت ہوا۔

پن قدم کے ماں باپ سبھی دادی اور رِیچھنی اماں کا احسان کبھی نہ بھولے۔ پن قدم بچوں کے ساتھ کھیلنے، رِیچھنی اماں کے غار تک پہنچ جاتا۔

(انگریزی سے)





ڈاکٹر سلامت اللہ ایم اے۔ پی ایچ ڈی

(۲)

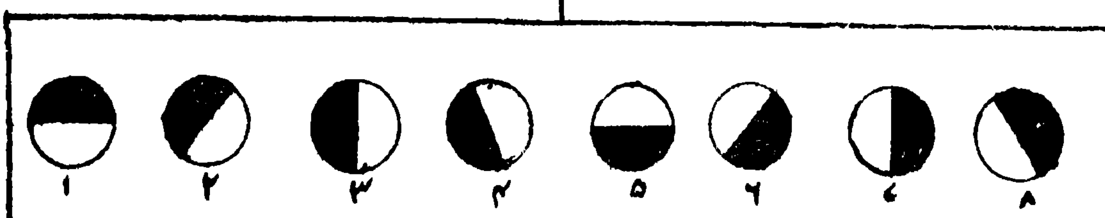
جس طرح ہماری زمین سورج کے چاروں طرف ہمیشہ گھومتی رہتی ہے۔ اسی طرح چاند زمین کے چاروں طرف گھومتا رہتا ہے۔ چاند کو زمین کے گرد پورا ایک چکر لگانے میں کچھ کم ایک مہینہ لگ جاتا ہے۔

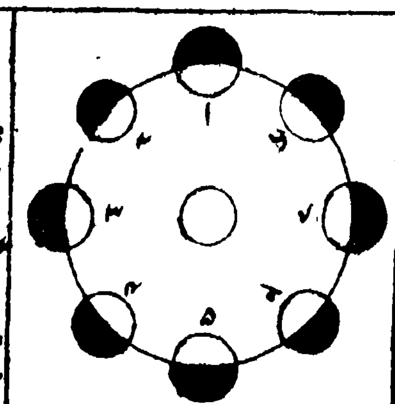
چاند کے اندر تمھیں کالے کالے دھبے سے دکھائی دیتے ہیں یہ کیا ہیں؟ تم نے اپنی بڑی اماں سے سنا ہوگا کہ چاند میں ایک بڑھیا بیٹھی چرخا کات رہی ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے اصل میں یہ چاند کے پہاڑ ہیں جو دھبے سے نظر آتے ہیں۔ چاند کو غور سے دیکھو، کیا نظر آتا ہے؟ اس کی ایک تصویر بناؤ۔ تصویر نیچے کی تصویر جیسی ہوگی



روزانہ رات کو دیکھو چاند کے یہ پہاڑ کیسے دکھائی دیتے ہیں؟

تمھیں ان کی ہمیشہ ایک ہی شکل
نظر آئے گی ۔ اس سے چاند کے
بارے میں کیا معلوم ہوتا ہے؟
چاند کی ایک ہی طرف ہمیشہ
ہمارے سامنے رہتی ہے ہمیں
کبھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس
کی دوسری طرف کیا ہے ۔





آسمان کا علم جاننے
والے کہتے ہیں کہ چاند
بھی ہماری زمین کی
طرح اپنی کیلی پر
گھوم رہا ہے ، اگر
ایسا ہے تو پھر ہمیں
چاند کی دونوں طرفیں دکھائی
دینی چاہئیں ۔ کبھی ایک طرف
ہمارے سامنے آنی چاہیے تو
کبھی دوسری طرف ۔
پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ
ہمیں چاند کی ہمیشہ ایک ہی طرف
دکھائی دیتی ہے ؟
اصل میں بات یہ ہے کہ چاند
کی دو چالیں ہیں ۔ وہ زمین کے
چاروں طرف بھی گھومتا ہے اور
اپنی کیلی پر بھی چکر لگاتا ہے
اور ان دونوں گردشوں میں
برابر برابر وقت لگتا ہے ۔

چاند کو جتنا وقت
زمین کے چاروں طرف
ایک پورا چکر کرنے میں
لگتا ہے اتنے ہی وقت
میں وہ اپنی کیلی پر
ایک بار گھومتا ہے ۔
اس طرح چاند کا ایک دن رات
کچھ کم ایک مہینے کے برابر ہوتا
ہے ۔ چاند کے ہر حصے میں
دو ہفتے کا دن ہوتا ہے اور
دو ہفتے کی رات ہوتی ہے !
اگر تم چاند پر کسی طرح

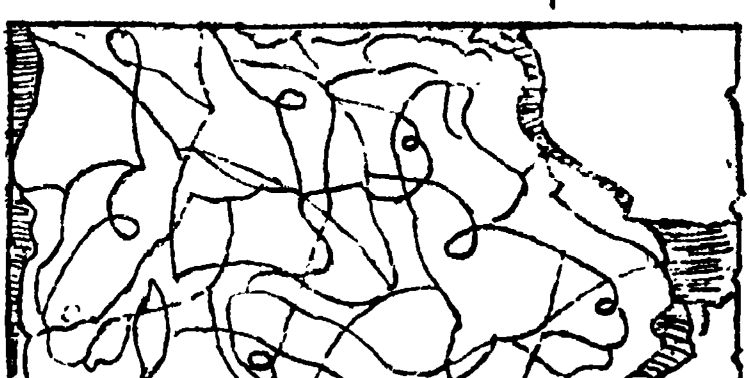
پہنچ جاؤ تو اتنے اتنے بڑے دن اور رات سے کیا تمھارا جی گھبرا نہ جائے گا!

اچھا اب یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو کہ ہمیں چاند کا ہمیشہ ایک ہی حصّہ کیوں دکھائی دیتا ہے۔

اپنی کیلی پر گھومتے ہوئے چاند کی یہ آٹھ تصویریں ہیں ہر تصویر میں چاند کی ایک ایک حالت دکھائی گئی ہے۔ کالا رنگا ہوا حصّہ وہ ہے جو ہماری طرف نہیں ہے اور ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔

شروع میں چاند حالت نمبر ۱ میں ہے۔ پھر یہ گھوم کر حالت نمبر ۲ میں آجاتا ہے پھر گھومتا ہوا باری باری سے نمبر ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸ کی حالتیں اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ حالت نمبر ۱ میں واپس آجاتا ہے۔

ان تصویروں کو زمین کے چاروں طرف اپنی اپنی جگہ رکھو۔ اس طرح کہ چاند زمین کے چاروں طرف اتنے ہی وقت میں گھومے جتنے وقت میں وہ اپنی کیلی پر گھومتا ہے۔ تم دیکھو گے کہ کالا رنگا ہوا حصہ ہمیشہ تمھاری نظر سے اوجھل رہے گا۔



کتنے گھوڑے ہیں تلاش کیجیے



اونٹوں کی کھیتی

غوث انصاری

کام کرنے والے

(۱) بُدھو
(۲) نورو } تین بے وقوف، جن کی مضحکہ خیز صورتیں ہیں۔
(۳) شیرو
(۴) شہر کا قاضی
(۵) خیراتی، قاضی کا نوکر
(۶) قافلے کے دو افراد

زمانہ:۔ ۱۸۴۰ء

مقام:۔ دکھنی ہندوستان کا ایک شہر

پہلا ایکٹ

پہلا سین

مقام:۔ بدھو کا گھر
وقت:۔ صبح

ایک معمولی سا مکان، دروازے پر ٹاٹ کا پردہ پڑا ہے۔

نورو اور شیرو آتے ہیں

نورو:۔ (کنڈی کھٹکھٹاتے ہوئے) بدھو! بدھو!! ارے او بدھو!!!

بدھو:۔ (اندر سے) کون ہے؟........ ارے کون ہے بھائی؟؟

نورو:۔ میاں، باہر بھی نکلو گے یا اندر ہی سے پوچھے جاؤ گے۔

ٔ یہ ڈراما پاکستان براڈکاسٹنگ سروس پشاور سے نشر ہو چکا ہے۔ اب کچھ لیبوں کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔

(بدھو پردہ ہٹا کر باہر آتا ہے۔)

بدھو :- اوہو! میاں نورو ہیں!! کیسے بھول پڑے؟ اور شیرو بھی ....

نورو شیرو :- تمھارے ہی پاس آئے تھے۔

بدھو :- کیوں بھائی خیریت ؟

نورو :- بدھو بھائی! ہم نے یہ سوچا ہے کہ یوں خالی پڑے پڑے کب تک کام چلے گا۔ کچھ کھیتی باڑی کی جائے۔

بدھو :- .... بات تو ٹھیک ہے۔ مگر .... کھیتی اناج کی ہوگی یا ترکاریوں کی؟ بھئی میری مانو تو، امرود بوئے جائیں تھوڑے بہت کھانے میں تو آئیں گے۔

نورو :- (بگڑ کر) تم بھی سوچو گے تو اناج اور امرود کی۔ محنت زیادہ کرنا پڑے اور روپے کم ملیں

بدھو :- پھر ؟

نورو :- (رازدارانہ لہجے میں) اماں ہم نے سوچا ہے کیوں نہ اونٹ بوئے جائیں۔

بدھو :- (تعجب سے) اونٹ !

نورو :- ہاں ہاں اونٹ!! ابھی تک کسی کا خیال اس طرف نہیں گیا۔ یہ بڑی فائدہ مند کھیتی ہوگی۔ میاں مال دار ہو جاؤ گے۔ تمھارے اس کچے مکان کی جگہ محل کھڑا ہوگا محل!

بدھو :- بھئی جیسی تم لوگوں کی مرضی۔

نورو :- تو بس ہم تینوں آدمی روپیہ ملائیں، اور آج ہی زمین لے لی جائے۔

بدھو :- تو کتنا روپیہ ہونا چاہیے ؟

نورو :- زیادہ نہیں۔ بس تیس روپے۔ دس تم دو دس میں دوں اور دس شیرو دیں۔

بدھو :- تو ابھی سے لو (گھر کے اندر سے روپے لاتا ہے۔ شیرو بھی روپے نکال کر نورو کو دے دیتا ہے)

شیرو :- ہاں بھئی روپے تو جمع ہو گئے۔ چلو بھئی ابھی قاضی جی کے یہاں۔ ہاں بھئی زمین کا معاملہ فوراً ٹھیک کرلیں بھئی۔ (تینوں ایک طرف کو چلے جاتے ہیں)

(پردہ)

دوسرا سین

مقام :- قاضی کا مکان

وقت :- ایک گھنٹہ بعد

(ایک عالی شان مکان ہے۔ بڑا سا پھاٹک ایک جانب سے نورو اور شیرو اور بدھو داخل ہوتے ہیں)

نورو :۔ قاضی جی کو خبر کیسے کرائی جائے۔ یہاں
تو کوئی دربان بھی نہیں ہے (بدھو سے)،
میاں بدھو ! تم ذرا آواز دینا۔

بدھو :۔ (شیرو سے)، شیرو بھائی ! اس کام
میں تم بہت ٹھیک ہو۔

شیرو :۔ (نورو سے)، بھئی نورو تم کیوں نہیں
پکارتے ہو بھئی۔

نورو : بڑے آدمیوں کا معاملہ ہے خفا ہو جائیں
تو پھر جیل خانے ہی میں جا کر کھیتی کرنا پڑے
گی !

بدھو :۔ تو یہیں ٹھہرو، کوئی نہ کوئی تو باہر
نکلے گا۔

(تھوڑی دیر کے بعد خیراتی باہر آتا ہے۔
ان تینوں کو کھڑا دیکھ کر ڈانٹتا ہے)

خیراتی :۔ کاہے کے لئے تم لوگ کھڑے ہو

نورو :۔ (سلام کر کے) جمعدار صاحب ! ہم
لوگ قاضی صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔

خیراتی :۔ کیا کام ہے ؟

نورو :۔ کھیتی کے لئے زمین لینا چاہتے ہیں۔

خیراتی :۔ اس وقت قاضی صاحب شہر کا گشت
لگانے جا رہے ہیں۔ شام کو آنا۔
(اتنے میں قاضی صاحب باہر نکلتے ہیں
ان کو کھڑا دیکھ کر پوچھتے ہیں۔)

قاضی :۔ کیا چاہتے ہو ؟

نورو :۔ سرکار ہم کھیتی کرنا چاہتے ہیں۔ حضور
کے پاس زمین کے لئے آئے ہیں۔

قاضی :۔ زمین .... (سوچ کر) اچھا
شہر کے باہر تھوڑی سی زمین تم کو دی جا سکتی
ہے۔ اس کا لگان بیس روپے سالانہ ہے۔

نورو :۔ بہت خوب سرکار

قاضی :۔ جا کر روپیہ سرکاری خزانے میں جمع
کر دو .... اور ہاں سرکاری رجسٹروں
میں یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ کاشت کس
چیز کی ہوگی۔

نورو :۔ حضور ہم لوگ اونٹ بوئیں گے۔

قاضی :۔ اونٹ ...... کیا پاگل ہو گئے ہو آج
تک کسی جاندار چیز کی بھی کھیتی ہوئی ہے۔

نورو :۔ حضور قسمت آزماتے ہیں۔ کیا معلوم
کہ سچ مچ اُگ ہی آئیں۔

قاضی :۔ خیر .... جاؤ، روپیہ کماؤ۔

نورو :۔ بہت خوب سرکار۔
(تینوں چلے جاتے ہیں، قاضی کھڑے
رہتے ہیں۔)

قاضی :۔ (بڑبڑاتے ہیں) بے وقوف ! اونٹ
بوئیں گے !! ان تینوں کی بے وقوفی سے
سارا شہر عاجز ہے (پردہ)

(باقی آئندہ)

قطب شمالی کی روشنیاں



پروفیسر قیصر حسین زیدی لکچرر ٹریننگ کالج

(۲)

ماسٹر:- بادلوں ہی میں نہیں زمین پر بجلی کے تاروں میں بھی بجلی لپکتی دکھائی دیتی ہے کبھی کبھی ہوا تیز ہو یا کھمبے ہلنے لگیں تو بجلی کے تار ایک دوسرے کے نزدیک آجاتے ہیں اور اُن میں سے آگ کی لپٹ سی اُٹھتی ہے ساتھ ہی چٹ چٹ کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ اصل میں بجلی دو طرح کی ہوتی ہے مثبت (POSITIVE) اور منفی (NAGATIVE) یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آجاتی ہیں تو مثبت بجلی لپک کر منفی سے مل جاتی ہے۔ اس ملاپ سے روشنی اور آواز دونوں پیدا ہوتے ہیں جیسے دو دوست مدت کے بعد کہیں مل جائیں اور دونوں کی نگاہیں ملتے ہی محبت کا شعلہ بھڑک اُٹھے۔ بجلی کے تار ہوں یا بادل کے ٹکڑے دونوں میں مثبت اور منفی بجلی کے ملاپ سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح بجلی سے بھری ہوئی شعاعیں ہوا میں سے گذرتی ہیں تو اسے بھی روشن کردیتی ہیں۔ یہ روشنی تو تمہیں نظر آجاتی ہے مگر تڑاخے کی آواز نہیں سنائی دی۔

عزیز:- مگر ماسٹر صاحب بجلی کی

روشنی تو ہمیشہ زرد رنگ کی ہوتی ہے اور خواب میں تو مجھے قطب کی روشنیاں کئی رنگ کی نظر آئیں :- لال نیلی ، سبز ، نارنجی ۔

ماسٹر:- ٹھیک ہے ! اچھا تم نے دکانوں یا سڑکوں کے نام بجلی کے حرفوں میں لکھے دیکھے ہیں ؟

عزیز:- جی دیکھے ہیں ۔ اکثر نارنجی اور ہلکی ، نیلی روشنیوں سے لکھے جاتے ہیں ۔

ماسٹر:- مگر دن میں تمھیں بے رنگ شیشوں کی خالی نلکیوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آئے گا ۔ ہاں نلکیوں کے آخری سروں پر بجلی کے دو تار نکلتے دکھائی دیں گے ۔ ان نلکیوں میں ایک گیس (NEONGAS) بھری رہتی ہے ۔ اور گیسوں کی طرح یہ بھی نہیں دکھائی دیتی ۔ لیکن جب بجلی کے تاروں سے اس میں بجلی پہنچتی ہے تو یہ چمکنے لگتی ہے۔

عزیز:- اور نیلے سبز رنگ کی روشنی کیسے پیدا ہوتی ہے ؟

ماسٹر:- یہ رنگ (NEONGAS) گیس میں تھوڑا سا پارہ شامل کر دینے سے پیدا ہو جاتا ہے (NEONGAS) میں اور دوسرے گیس ملا کر مختلف رنگ پیدا کئے جاتے ہیں ، ہر گیس کا جس میں سے بجلی گذاری جاتی ہے اپنا خاص رنگ ہوتا ہے۔ مثلاً آکسیجن گیس اور نائٹروجن گیس کا بنفشئی رنگ ۔ ہوا میں یہ دونوں کافی مقدار میں ہیں ۔ چنانچہ قطبی روشنیوں میں لال ہرے اور بنفشئی رنگ کی دھاریاں سب سے زیادہ روشن ہوتی ہیں ۔ کبھی کبھی تو رنگ اتنا تیز ہوتا ہے جیسے آسمان پر خون کی ندیاں بہتی ہوں ۔ پرانے زمانے میں شمالی یورپ کے لوگوں کو یہ روشنیاں کبھی کبھی دکھائی دیتی تھیں اور وہ سمجھتے تھے کہ آسمان پر بھوت

پریتوں میں جنگ ہو رہی ہے اور دنیا پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔

عزیز:- ماسٹر صاحب یہ روشنیاں ہمیں تو دکھائی نہیں دیتیں!

ماسٹر:- بھئی ہم شمالی قطبوں سے اتنی دور جو ہیں۔ میں بتا چکا ہوں کہ روشنی پیدا کرنے والی شعاعیں مقناطیسی اثر سے زمین کی طرف کھنچ آتی ہیں۔ ہماری زمین کو ایک زبردست مقناطیس سمجھو۔ مقناطیس کے ٹکڑے میں سب سے زیادہ کشش اس کے سروں میں ہوتی ہے اسی طرح زمین کے دونوں قطبوں قطبِ شمالی اور قطبِ جنوبی میں مقناطیسی قوت کے دوسرے حصوں سے کہیں زیادہ ہے۔

عزیز:- جی ہاں ماسٹر صاحب یہ تو ہم نے تجربہ بھی کیا ہے۔ اگر ہم مقناطیس کی سلاخ کے چاروں طرف لوہے کا برادہ چھڑک دیں تو یہ مقناطیس کے سروں پر جمع جاتا ہے بیچ کے حصوں کے پاس کم

ماسٹر:- زمین کی کشش کا بھی یہی حال سمجھو۔ سورج کی کرنیں بجلی سے بھری ہوتی ہیں، مقناطیس کی طرح سروں یعنی قطبوں کی طرف زیادہ زور سے کھنچتی ہیں۔ سیدھی زمین کی طرف آنے کی بجائے قطبوں کی طرف مڑ جاتی ہیں اور ہوا کے کرے کے اس حصے کو روشن کرتی ہیں جو قطبوں کے نزدیک ہے قطب جنوبی میں بھی یہ روشنیاں اسی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ کبھی کبھی یہ شعاعیں زیادہ مقدار میں نکلتی ہیں اور بہت سی (قطبوں کے علاوہ) پاس کے ملکوں کی طرف بھی آتی ہیں اور ان کے اوپر کی ہوا کو روشن کردیتی ہیں۔ ستمبر ۱۹۴۱ء میں یہ روشنیاں سنگاپور تک دیکھی گئی ہیں۔ لے لیجئے، تفریح کا گھنٹہ ختم ہوگیا

عزیز اپنے درجے میں چلا گیا پر اس کے دل میں ایک خلش سی تھی کاش ۴

۴ یہ روشنیاں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا۔ خواب نہیں بیداری میں ؟

چند گھنٹے مجیب صاحب کی خدمت میں

محمد عبد الرؤف (بی۔اے جامعہ)

پیامیوں کو یہ تو معلوم ہے کہ ہمارے محترم بزرگ قبلہ محمد مجیب صاحب حکومت ہند کے کاموں کے سلسلے میں آج کل امریکہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ ہندوستان سے جاتے وقت مجیب صاحب چند دن لندن میں بھی ٹھیرے تھے وہاں انھوں نے جامعہ کے دو طالب علموں محمد اکرام صاحب اور عبد الرؤف صاحب سے بھی ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں کی دلچسپ تفصیل رؤف صاحب نے ہمیں بھی بھیجی ہے اور ہم اسے پیامیوں کی دلچسپی کے لئے یہاں نقل کرتے ہیں :

ستمبر کی تیسری تاریخ تھی مجھے اور اکرام صاحب کو لندن پہنچے ہوئے پورا ایک مہینہ گذر چکا تھا دو پہر کے کھانے سے فارغ ہوکر میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ یکایک کسی نے دروازے پر گھنٹی بجائی۔ جاکر دیکھا تو ایک لڑکا جس کی عمر مشکل سے تیرہ چودہ سال کی ہوگی ایک ارجنٹ تار لئے کھڑا تھا۔ میں حیران تھا کہ یہ ارجنٹ تار کہاں سے آیا اور اتنے کم عمر لڑکے کو یہ تار کس نے دے دیا۔ فوراً ہی لفافہ چاک کیا تو اس میں لکھا تھا :-

"کل کینسنگٹن پیلس منشن
میں ملئے" محمد مجیب

تار پڑھ کر اور بھی حیرت ہوئی، مجیب صاحب کے لندن آنے کی پہلے

؎ نوٹ اگلے صفحہ پر پڑھو:-

سے کوئی اطلاع نہیں تھی لندن میں ان دنوں کوئی ایسی کانفرنس بھی نہیں ہو رہی تھی اس لئے یہ خیال آیا کہ ممکن ہے تار دینے والے مجیب صاحب وہ نہ ہوں جو جامعہ میں قائم مقام شیخ الجامعہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں لیکن کنسنگٹن پیلس کی وجہ سے۔ جو ایک مشہور ہوٹل ہے یہ خیال ہوتا تھا کہ ہو نہ ہو مجیب صاحب جامعہ ہی سے تشریف لائے ہیں۔

مجیب صاحب نے ملنے کے لئے دوسرے روز بلایا تھا مگر اتنا انتظار اور صبر کسی طرح ممکن نہ تھا۔ میں اور اکرام صاحب فوراً ہی اُن کی قیام گاہ پر پہنچے اور یہ دیکھ کر ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ یہ وہی مجیب صاحب تھے جن سے ملنے کی آرزو تھی۔ مجیب صاحب کو گذشتہ دس سال کے عرصے میں آج پہلی بار ہم لوگوں نے مغربی لباس میں دیکھا تھا اس وقت وہ ہوٹل کے دروازے پر ایک ٹیکسی کے قریب کھڑے تھے مسٹر چارلی جو ایک ہندوستانی طالب علم ہیں، اتفاق سے ہوائی جہاز میں مجیب صاحب کے ہم سفر تھے انھیں ہوسٹل تک اپنے ہمراہ لئے جا رہے تھے۔

ایک دوسرے سے بغل گیر ہونے کے بعد ہم چاروں ٹیکسی میں سوار ہوگئے۔ رلستے میں ہم نے مجیب صاحب

دلچسپ یہ سلسلہ صفحہ | دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ لڑکا قریب ہی کے ایک اسکول میں پڑھتا ہے۔ اس زمانے میں چونکہ اسکولوں میں چھٹیاں تھیں اس لئے ایک مہینے کے لئے اس نے تار گھر میں ملازمت کر لی تھی، اس نے بتایا کہ اسکول کھل جانے کے بعد اُمید ہے کہ اسے کوئی اور کام مل جائے گا۔ اس طرح وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے کھانے پینے کا خرچ بھی جہاں تک ہو سکے خود برداشت کرے اور والدین پر بوجھ نہ ڈالے۔

سے ان کے لندن تشریف لانے کا سبب اور جامعہ والوں کے حالات دریافت کئے۔

مسٹر چارلی کو ان کے ہوسٹل میں چھوڑ کر ہم لوگ مجیب صاحب کو اپنی قیام گاہ پر لائے یہاں ڈاکٹر صاحب سے جن کے یہاں ہم لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اُن کی ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں حضرات کچھ دیر تک باغیچے میں بیٹھے گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد ہم لوگ چائے سے فارغ ہوکر مجیب صاحب کے ساتھ اُن کے ہوسٹل گئے اور ڈنر (رات کا کھانا) انھی کے ساتھ کھایا۔ کھانے کے دوران میں جب ہم نے ویٹر سے پانی لانے کے لئے کہا تو اسے بڑا تعجب ہوا، کیوں کہ ایسے موقعوں پر وہ شراب لانے کا عادی تھا۔ کھانے کے بعد مجیب صاحب سے اُن کے کمرے پر بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔

ساڑھے نو بجے ہم دونوں وہاں سے رخصت ہوئے

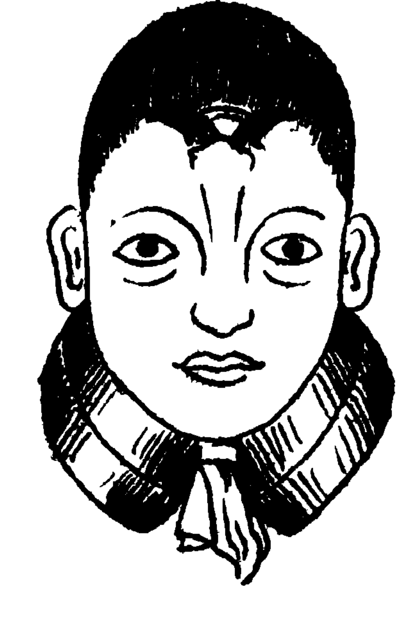
باقی آئندہ

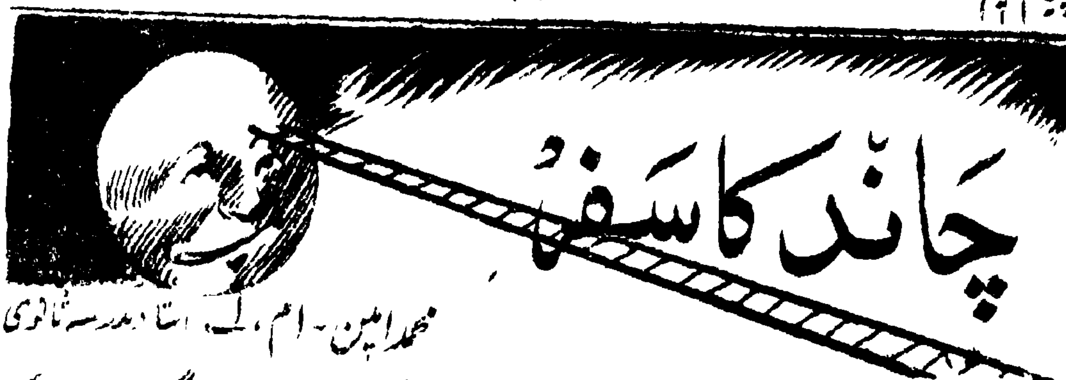
کایا پلٹ

ابھی تو آپ جوان ہیں۔ خوش نہ ہوجیئے، ذرا الٹ کر دیکھیے۔

ارے، آپ تو بڈھے بن بیٹھے۔

شکیل اختر





چاند کا سفر

محمد امین - ایم، اے، استاد مدرسہ ثانوی

ابھی تو نہیں مگر پچاس ساٹھ سال میں ہم غالباً چاند کی سیر کرسکیں گے آپ کو اتنی بات تو معلوم ہوگی کہ چاند ہم سے کتنی دور ہے! بس یہی کوئی .... ۲۴ میل - اچھا خاصا لمبا سفر ہے - اسے طے کرنا کوئی آسان بات نہیں - آج کل کے ہوائی جہاز تو ابھی اتنے تیز اڑتے نہیں کہ انھی کی مدد سے ہم اتنا اوپر اڑ سکیں -

پر ہاں جب ہم ایٹمی طاقت (ایٹامک انرجی) کو اپنی ضرورتوں کے لیے استعمال کرنے کے قابل ہوجائیں گے - تو پھر اسے ہوائی جہاز چلانے میں بھی استعمال کریں گے اور ایک گھنٹے میں ہزاروں میل اڑ سکیں گے - انگلستان کے ایک سائنس داں کا خیال ہے کہ راکٹ کی مدد سے اگر ہم امریکہ اور انگلستان کے درمیان سفر کرسکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ستاروں کا سفر نہ کرسکیں -

عام طور پر یہ خیال ہے کہ پہلے پہل انسان چاند پر قدم رکھے گا تو اسے بس لاوا دکھائی دے گا یا ٹھوس اور نکیلی چٹانیں کوئی جاندار نظر نہ آئے گا - نہ پودے، نہ نباتات - مگر ایک بات ہے دھاتیں یا معدنیات کسے کثرت سے ملیں گی اور کچھ کیا عجب جو کوئی ایسی دھات بھی مل جائے جس کی مدد سے انسان آکسیجن بنا سکے اور پھر اپنی زندگی دیر تک قائم رکھ سکے یا موت کے چنگل سے بالکل ہی چھٹکارا پالے -

مگر یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ ہماری زمین میں کشش یا اپنی طرف کھینچنے کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ پھر ہم کوئی ڈھائی لاکھ میل اوپر کیسے پہنچ پائیں گے۔ تو بھئی زمین کی حکومت تو ایک خاص اونچائی تک ہے۔ اس سے آگے اس کے کھینچنے کی طاقت جواب دے جاتی ہے۔ جب ہم اس خاص حد یا سطح سے اوپر اٹھ جائیں گے تو پھر ہمارا ہوائی جہاز آپ سے آپ اُڑ کر چاند تک پہنچ جائے گا۔ بس ہمیں رُخ ٹھیک رکھنے کے لئے اس کے کل پرزوں کو اِدھر اُدھر گھمانا پڑے گا۔

لگ بھگ سو برس کی بات ہے۔ حکیموں ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ ساٹھ میل فی گھنٹہ کی اُڑان میں انسان کے دل کی حرکت بند ہو جائے گی۔ جہاز کے رواج کے بعد بڑے بڑے فوجی کہتے تھے کہ فوجی کاموں کے لئے تو یہ ہوائی جہاز استعمال ہو ہی نہیں سکتے۔ پر یہ باتیں تو غلط ثابت ہوئیں۔ ہوائی جہاز ایک ہزار میل فی گھنٹہ تک اُڑ لیتے ہیں اور ان میں بیٹھ کر انسان کا دل جوں کا توں رہتا ہے اور پچھلی بڑی لڑائی میں تو تم نے خود دیکھا کہ لڑائی کی ہار جیت ہی ہوائی جہازوں پر تھی۔ اسی طرح آج سے پچاس سال بعد ہم چاند تک آسانی سے آ جا سکیں گے۔ اس وقت لوگ اس خیال پر ہنستے ہوں تو ہنسا کریں۔



پنڈت جواہر لال امریکہ کیوں گئے؟

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب ، آداب

پنڈت جواہر لال جی آج کل امریکہ گئے ہوئے ہیں۔ وہاں اُن کی خاطریں بھی خوب خوب ہو رہی ہیں ، کوئی خاص بات ہوگی جبھی تو گئے ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہوگی۔ ہمیں بھی بتا دیجئے

آپ کا

اوم پرکاش ، فیض آباد

بھئی ایک بات تو کھلی ہوئی ہے۔ امریکہ کے صدر مسٹر ٹرومین نے پنڈت جی کو امریکہ آنے کی دعوت دی تھی۔ پنڈت جی نے یہ بُلاوا قبول کر لیا تھا ، اور اکتوبر میں وہاں جانے کا وعدہ کیا تھا تو بس وہ اسی وعدے کو پورا کرنے امریکہ گئے ہیں۔

اِس کے علاوہ ایک بات اور ہے۔ تمھیں معلوم ہے چین میں سالہا سال سے آپس میں سخت لڑائی چھڑی ہوئی ہے۔ ایک طرف کمیونسٹ ہیں ، دوسری طرف نیشنلسٹ۔ جنرل چیانگ کائی شک اِسی نیشنلسٹ حکومت کے صدر تھے۔

امریکہ نیشنلسٹوں کی مدد کر رہا تھا۔ کروڑوں بلکہ اربوں روپے سے ، مگر لڑائی کمیونسٹوں کے ہاتھ رہی۔ امریکہ کی اتنی زبردست اِمداد پر بھی نیشنلسٹوں کے بنائے

کچھ نہ بنا۔

کمیونسٹوں کی اِس کامیابی کا اثر دوسرے مُلکوں پر بھی پڑ رہا ہے۔ امریکہ کو اِس سے بہت پریشانی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس خطرے کو روکنے کے لئے چین ہی جیسے بڑے اور اہم ملک سے معاملہ کرے۔ ایشیا میں اس وقت ہندوستان سے بڑا اور کون مُلک ہوگا۔ اسی لئے وہ اِس طرف جُھک رہا ہے۔

اِدھر ہندوستان نیا نیا آزاد ہوا ہے۔ چاہتا ہے کہ دیس میں صنعت و حرفت کو ترقّی ہو۔ نئے نئے کارخانے کُھلیں۔ جو چیزیں باہر سے منگانا پڑتی ہیں، گھر ہی میں بننے لگیں۔ دیس میں خوش حالی بڑھے، لوگ امن چین سے رہیں۔

پر اِس کے لئے چاہیے روپیہ پیسہ؛ یہ کہاں سے آئے، یہ تو بس امریکہ کے پاس ہے تو بھئی ہندوستان کی غرض بھی اٹکی ہوئی ہے۔ کیا عجب جو پنڈت جی کے امریکہ جانے سے دونوں ملکوں کو اپنے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوجائے۔

مگر ہمیں اعتبار ہے کہ اِس طرح کے کِسی سمجھوتے سے دیس کی آزادی پر اک ذرا حرف نہ آئے گا۔

رہا خاطر تواضع کا معاملہ تو بھئی تمھارے ہاں کوئی ایسا ہی بڑا مہمان آ جائے تو تُم کیا کچھ نہ کروگے۔ یہ تو صاحب اپنی اپنی انسانیت، شرافت اور سب سے بڑھ کر اپنی عزّت اور دیس کی آبرو کا معاملہ ہے ✦

بچّوں کی کوششیں

مہاتما گاندھی (گاندھی جینتی کے سلسلے میں)

مہاتما گاندھی ہمارے ملک میں نامور ہستی تھے۔ آپ اکتوبر ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن پور بندر میں گذرا، پھر اپنے والد کے ساتھ راج کوٹ آئے اور اسکول میں پڑھنے لگے۔ ایک دن انسپکٹر اسکول کا معائنہ کرنے آیا، اُس نے پانچ لفظ لکھنے کو کہے۔ آپ کا ایک لفظ غلط تھا۔ ماسٹر نے اشارے سے کہا نقل کرلو۔ مگر آپ نے اُسے پسند نہیں کیا۔

پھر آپ انگلستان چلے گئے وہاں سے بیرسٹر ہوکر آئے تو والد کا انتقال ہوگیا تھا۔ کچھ دن بعد جنوبی افریقہ گئے۔ وہاں ہندوستانیوں پر بہت ظلم ہوتا تھا۔ آپ نے اس ظلم کے خلاف ستیہ گرہ کی اور کامیاب ہوئے۔ پھر ہندوستان لوٹے یہاں ابھی انگریزوں کی حکومت تھی۔ اُنھوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے کام شروع کردیا۔ آخر ۱۵ر اگست کو ہندوستان آزاد ہوگیا آزادی ملتے ہی کچھ فرقہ پرستوں نے فساد شروع کردیا۔ گاندھی جی نے منع کیا تو پہلے ایک آدمی نے بم سے ان پر حملہ کیا اور ۳۰ر جنوری کو ایک اور فرقہ پرست نے ان کو ہمیشہ کے لئے ہم سے جُدا کردیا۔

خورشید جمال قدوائی

دُنیا میں اندھے زیادہ ہیں

اکبر کے نورتن تو بہت مشہور ہیں۔ ان میں بیربل بھی تھے ایک دن

بادشاہ نے بیربل سے پوچھا کہ بیربل بتاؤ دنیا میں اندھے کم ہیں یا زیادہ بیربل نے جواب دیا " اندھے زیادہ ہیں "

ایک روز بیربل سڑک کے کنارے چار پائی بن رہے تھے۔ اب ہر شخص آ آکر پوچھتا، بھائی بیربل کیا کر رہے ہو۔ بیربل ان کا نام اندھوں میں لکھ لیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد اکبر بادشاہ کی سواری اُدھر سے گذری انھوں نے بھی پوچھا کہ بیربل کیا کر رہے ہو۔ بیربل نے بادشاہ کا نام بھی اندھوں میں لکھ لیا۔

محمد اظہر تقی

سفید لکھائی

تھوڑا سا گڑ گھول لیجئے۔ ایسا کہ روشنائی سی بن جائے۔ اب نرے کا قلم لیجئے اور آپ کو جو کچھ لکھنا ہو کاغذ پر اس روشنائی سے لکھئے پھر توے کی سیاہی پورے کاغذ پر پھیر دیجئے اور پانی کا چھینٹا دیجئے اب کالے کاغذ پر سفید لکھائی نظر آنے لگے گی۔

مگر یہ لکھائی تھوڑی دیر کے بعد دھندلی ہو جاتی ہے اگر آپ انڈے کی سفیدی برش سے پورے کاغذ پر پھیر دیں تو کاغذ بھی چمکنے لگے اور لکھائی بھی پکی ہو جائے

ام خالد وہاب خاں رام پور

لطیفہ

استاد:۔ منوہر کل کے سوالات لگا لائے؟

منوہر:۔ جی نہیں

استاد:۔ تو پھر مُرغا بنو

منوہر:۔ یہ کام تو آپ نے بتایا ہی نہیں کیسے بنوں؟

مشتاق احمد نقوی

پہیلیاں

(۱) چار یار چلے بازار، ایک کے سر پہ ٹوپی ایک کے سر پہ بال۔ ایک کے پیٹ میں پانی ایک کے ایک کے پیٹ میں دانہ۔

(۲) ایک چیز ایسی جو آسمان پر نہیں، ایک چیز ایسی جو زمین پر نہیں، ایک چیز ایسی جو زبان پر نہیں، ایک چیز ایسی جو قرآن میں نہیں۔

اِدھر اُدھر سے

پیرس کی خبر ہے کہ جرمنی کی پن ڈبی سولہ دن مسلسل نیچے پانی میں رہنے کے بعد برلن پہنچی۔ یہ کشتی پچھلی بڑی لڑائی کے آخر میں جرمنوں نے بنائی تھی۔ عام طور سے ایسی کشتی زیادہ سے زیادہ بارہ چودہ گھنٹے پانی میں رہ سکتی ہے اس کشتی کا ۱۶ دن تک پانی میں رہنا حیرت انگیز ایجاد ہے۔

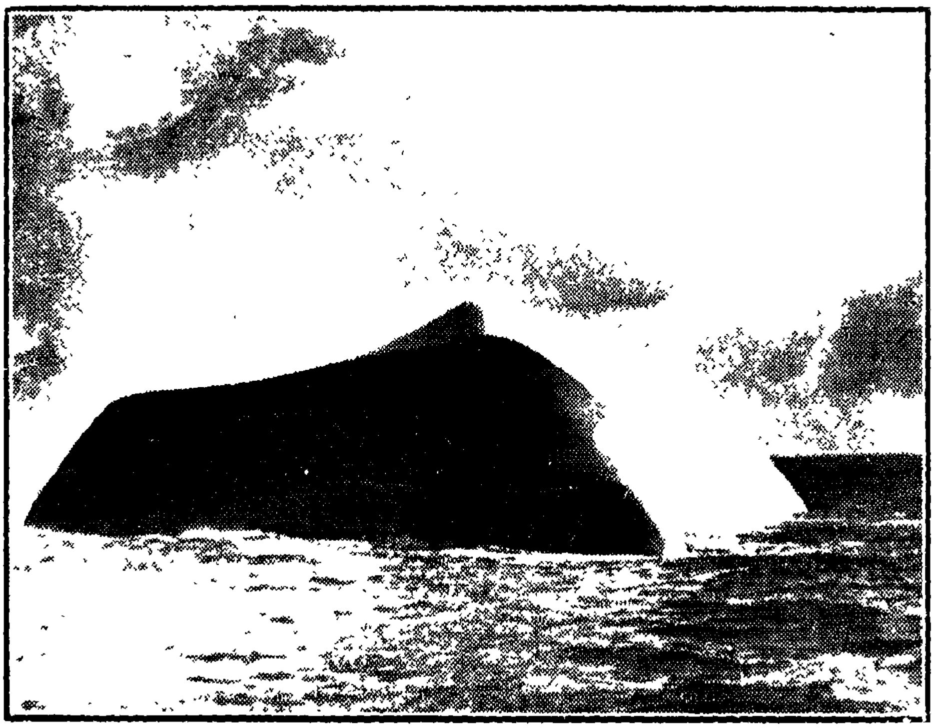
برف، پانی ہی کی تو ایک شکل ہے۔ لیکن برف بننے کے بعد اس کی تمام خاصیتیں بدل جاتی ہیں ایک تو یہ پانی سے ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے سمندر میں بڑے بڑے پہاڑ تیرتے پھرتے ہیں۔ دوسری عجیب بات اس کی مضبوطی ہے برف کی ڈیڑھ انچ موٹی چادر ایک انسان کا وزن آسانی سے سنبھال سکتی ہے یہ پرت چار انچ موٹا ہو تو ایک سوار اس پر بے خطر چل سکتا ہے۔ پانچ انچ ہو تو بھری ہوئی لاری کا۔ دس انچ ہو تو پوری فوج کا اور اٹھارہ انچ ہو تو پوری ریل گاڑی کا وزن سنبھال سکتا ہے۔

سان فرانسسکو میں ۲۸۰ منزلوں کی ایک عمارت بنانے کی تجویز ہے یہ ایک میل اونچی ہوگی اور ایک لاکھ رہنے کے گھر ہوں گے اسکول سینما اور اسپتال ان کے علاوہ ہوں گے۔

افغانستان میں کھدائی کے بعد ایک نیا شہر برآمد ہوا ہے۔ اس کی عمارتیں نہریں، چشمے وغیرہ جوں کے توں باقی ہیں۔ اس شہر کا نام پشاورن تھا۔

رنگ بھرو





برف پانی سے ہلکا ہے اسی لئے برف کے پہاڑ سمندر میں تیرتے پھرتے ہیں



کیسے بیٹھے ہیں ماٹو' !

پیام تعلیم



مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر کے بچے نہر کے کنارے
اپنے استادوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہیں







پیامِ تعلیم

جامعہ نگر دہلی

فہرست مضامین۔ دسمبر ۱۹۴۹ء

جلد ۲۲ نمبر ۹

قیمت سالانہ للعہ

فی پرچہ ۶ر

ایڈیٹر

محمد حسین حسّان

پرنٹر و پبلشر: محمد حسین حسّان مطبوعہ:۔ جیّد پریس، دہلی

بچّوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

پچھلا رسالہ پیامیوں نے خاص طور سے پسند کیا۔ انھوں نے بھی، اُن کے بڑوں نے بھی۔ شکر ہے ہماری کوششیں کامیاب ہو رہی ہیں۔

حضرت اخگر مُشتاق رحیم آبادی، راسے صاحب منشی سورج نرائن (الٰہ آباد) اور دوسرے بزرگوں کی قدردانی نے ہمارے حوصلے بہت بڑھا دیے ہیں۔

پر بھئی خالی خولی تعریف سے تو کام چلے گا نہیں کچھ ہماری مدد بھی کرو۔ مدد کے بہت سے طریقے ہیں رسالے کے خریدار بڑھاؤ۔ تمھارے مدرسے کی لائبریری میں رسالہ نہیں آتا ہے تو ہیڈ ماسٹر صاحب سے درخواست کر کے منگواؤ۔

ہاں ایک بات اور یاد آئی۔ تمھارے قصبے اور شہر میں اخباروں کے ایجنٹ تو ضرور ہوں گے ان سے کہو کہ پیام تعلیم منگوائیں، مگر یہ نیوز ایجنٹ معلوم

کے اچھے ہوں، اس کا اطمینان کر لینا۔

کہیں دوسری جگہ اعلان ہے، اسی سلسلے میں اسے ضرور پڑھنا۔

بچّوں کی برادری دہلی میں بہت ترقی کر رہی ہے یہاں کی بہت سی شاخیں کھل گئی ہیں۔ بہت سے کلب اس کے ماتحت قائم ہو گئے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے شہر میں اسکاؤٹ میلا ہوا تھا۔ برادری کے ممبر اس میں بھی شریک ہوئے اور بہت اچھا کام کیا۔

تم بھی کسی برادری میں شامل ہو؟ اگر ہو تو بہت اچھی بات ہے۔ نہیں ہو تو کرشن ورما جی سکریٹری بچّوں کی برادری بیری والا باغ دہلی سے خط کتابت کرو۔

ابھی ابھی عزیزہ زہرا اقبال، نواب زادی شاہ زماں بیگم (محمد گڑھ) کا خط آیا ہے وی پی کے لئے ۵ پتے لکھے ہیں۔ دلی شکریہ۔ دیکھیں اور پیامی کب جوش میں آتے ہیں



علم و عمل کا شوق بڑھاتے رہیں گے ہم — سوئے ہوئے دلوں کو جگاتے رہیں گے ہم

پرچم اُڑا اُڑا کے فضاؤں میں دوستو — بیداریوں کے گیت سناتے رہیں گے ہم

حیوانیت کی آندھیاں چلتی ہیں تو چلیں — انسانیت کی شمع جلاتے رہیں گے ہم

شیریں کلامیاں ہی مسرت کے پھول ہیں — یہ پھول ہر قدم پہ کھلاتے رہیں گے ہم

گرتے ہوؤں کو بڑھ کے اُٹھانا ہے خاک سے — ذرّوں کو آفتاب بناتے رہیں گے ہم

اپنوں ہی سے جو رسم محبت رہی تو کیا — غیروں کو بھی گلے سے لگاتے رہیں گے ہم

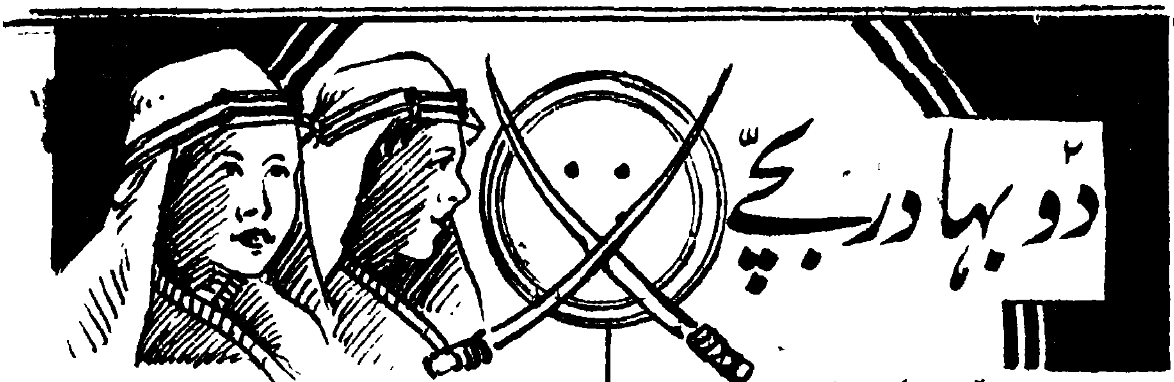
ہر موڑ پہ جلا کے ہدایت کی مشعلیں! — بھٹکے ہوؤں کو راہ پہ لاتے رہیں گے ہم

اپنے پڑوسیوں کی بھی لازم ہیں خدمتیں — یہ فرض سب کو یاد دلاتے رہیں گے ہم

آنکھیں دکھائیں برق و بلا شوق سے ہمیں — برق و بلا سے آنکھ ملاتے رہیں گے ہم

کیسے ہی سخت مرحلے پیش آئیں، کچھ بھی ہو — اپنی ہی دھن میں جھومتے گاتے رہیں گے ہم

القصہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف !
بڑھتے رہیں گے، سب کو بڑھاتے رہیں گے ہم



دو بہادر بچّے

آؤ آج تمھیں ایک کہانی سنائیں۔

اب سے کوئی تیرہ سو برس پہلے کی کہانی نہیں بالکل سچّا واقعہ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا نام تو تم نے سنا ہوگا یہ ہمارے رسولؐ کے نواسے تھے۔ حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے یہ دونوں بچّے عون اور محمّد حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن حضرت زینبؓ کے صاحب زادے تھے اُن کی عُمریں بھی ہوں گی کوئی دس بارہ سال کی۔

ایک بات اور سُن لو اس زمانے میں یزید مسلمانوں کا خلیفہ تھا، بس کچھ مت پوچھو جیسا کچھ وہ تھا۔ ظالم، خون خوار اسلام کی تمام باتوں سے پھرا ہوا۔ اس زمانے کے کچھ مسلمان اُس کے ڈر سے اس کی خلافت ماننے لگے تھے بہت سے مخالف بھی تھے حضرت امامؑ بھی انھی میں سے تھے

یزید نے سوچا اِن سے یعنی حضرت امام علیہ السّلام سے کسی طرح خلافت منوالی جائے۔ سارے مسلمان انھیں بزرگ سمجھتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی سب مجھے خلیفہ ماننے لگیں گے

مگر حضرت امام حُسین علیہ السّلام ایسے ظالم اور اسلام کے دشمن کی خلافت کیوں ماننے لگے۔ اُن کا تو کام یہ تھا کہ سچّی اور اچھی باتوں کو پھیلائیں بُری باتوں کو روکیں۔ اب تو یزید کو بھی ضد ہوگئی آخر کربلا کے میدان میں یزید کی فوج نے حضرت امام حسین علیہ السّلام پر حملہ کردیا۔ اُدھر ٹڈّی دل فوج اور اِدھر حضرت امامؑ کے گھرانے کے چند اِنے گِنے لوگ۔ ذرا غور کرو حضرت امامؑ کے لئے یہ کیسا نازک وقت ہوگا۔ گرمیوں

کا موسم تپتا ہوا ریتیلا میدان / دشمن نے کھانا پانی تک بند کر دیا تھا اور کوئی ہوتا تو ظلم کے آگے جھک جاتا مگر توبہ کیجیے اُن کی ایمانی قوت تو اور بھی جوش پر تھی۔ بڑوں ہی میں نہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں میں بھی۔ بھوک پیاس سے نڈھال تھے مگر دشمنوں کے چھکّے چھڑا دئے تھے۔

حضرت زینب رضؓ کے یہ دونوں بچے بڑے جوش میں تھے۔ آپس میں بھی یہی بات چیت کرتے کہ نہ جانے ماموں اور اُمّی ہمیں بھی لڑائی میں جانے کی اجازت دیں گی یا نہیں اِدھر حضرت زینب بھی یہی سوچ رہی تھیں کہ دیکھو میرے بچّوں کی باری کب آتی ہے۔ اتنے میں یہ دونوں بچّے ان کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ کہ امّی دیکھئے تو سہی آج سبھی بہادر اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے ہیں اور لڑائی میں شہید ہو رہے ہیں ہم بھی تو آخر اسی بہادر خاندان کے بہادر بچے ہیں۔ ہمیں بھی لڑائی کی اجازت ملنا چاہیے۔ یہ سُن کر تو حضرت زینب کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے۔ دونوں بیٹوں کو ساتھ لے، حضرت امام حسینؑ کے پاس آئیں۔ اور بولیں "بھیّا میرے بچّوں کو بھی میدان میں جانے کی اجازت دیجئے" حضرت امامؓ نے فرمایا:- بہن یہ تو ابھی بہت چھوٹے ہیں کیوں انھیں خطرے میں ڈالتی ہو حضرت زینب نے جواب دیا:- "بھائی ان بچّوں کی عمریں کم ہیں پر ان کے حوصلے بڑے ہیں۔ ان کا دل میلا نہ کیجئے اجازت دے دیجئے" امام حسینؑ مجبور ہوگئے، اور اجازت دے دی۔

یہ دونوں بہادر بچے اُنؑ سے رخصت ہوکر جنگ کے میدان میں پہنچے۔ خوب بہادری سے لڑے اُن وقتوں میں عرب دیس میں بچّوں کو بھی لڑائی کے طریقے سکھائے جاتے تھے، یہ بھی جانتے تھے پر کہاں یہ بھوکی پیاسی ننھّی جانیں، کہاں یزید کی پوری کی پوری فوج آخر زخموں سے چور ہوکر گھوڑوں پر سے گر پڑے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ راجِعُون۔

ماں نے اُن کی شہادت کی خبر سُنی تو بے اختیار دِل بھر آیا، آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آسمان کی طرف آنکھ اُٹھا کر فرمایا:-

"یا اللہ تیرا شُکر ہے تونے مجھے ایسے بہادر بچّے دیئے جو سچّائی کی راہ میں کام آئے۔

مبارک ہیں وہ بچّے جنھوں نے حق اور سچّائی کے لئے اپنی جان دی اور مُبارک ہیں وہ مائیں جو حق اور سچّائی پر اپنے بچّوں کو یوں قربان کر دیں

اپنے آزاد دیس کو ایسے بہادر سپوتوں اور ایسی ہی اچھی ماؤں کی ضرورت ہے۔

بھلا یہ بھی کوئی بات ہے!

اتنے دنوں میں نہ جانے تمہارے کتنے خط آچکے ہیں۔ بے شمار۔ اپنے پیامِ تعلیم کو تم بے حد پسند کر رہے ہو بے حد پسند۔ تو بھئی کوئی چیز جبھی تو اچھی بنتی ہے، جب اس کے لئے خوب محنت کی جائے۔ اس کے لئے خوب جی لگا کے کام کیا جائے۔

تو صاحب ہم تو اپنی جیسی کر رہے ہیں پر اب تم بتاؤ، تم کیا کر رہے ہو اپنے رسالے کے لئے۔

ہم جو محنت کر رہے ہیں، بس وہی تو کافی نہیں، ایک بات اور بھی ضروری ہے، بہت ہی ضروری بہت ہی اہم۔ رسالے کے خریدار بڑھیں، قاری وال زیادہ ہوں، آمدنی بڑھے، جیسے جیسے آمدنی بڑھے گی اتنا ہی ہم کام کو آگے بڑھائیں گے۔ رسالے کو اور اچھا بنائیں گے، اور اچھا، خوب اچھا!

ہم اس کے لئے پہلے بھی رسالے میں لکھ چکے ہیں، یہاں تک لکھ چکے ہیں کہ پانچ خریدار بنانے والوں کو سال بھر تک رسالہ مفت!

شاید تم نے اس پر دھیان نہیں دیا، غور نہیں کیا، اچھا، اب سہی ایک کوشش کر ڈالو، ہم انتظار کر رہے ہیں، دیکھیں کتنے پیامیوں کے خط آتے ہیں۔



لڑکیوں کے لئے

بی منہاری

آؤ بی منہاری تم تو عید کا چاند ہوگئیں - بچیوں کے ہاتھ ننگے ہوگئے - میری چوڑیاں ٹوٹ گئیں - مگر تمھیں اس سے کیا - تم تو وہی دو دو تین تین مہینے بعد آتی ہو - اب میں دوسری منہاری کو بلوا لیا کروں گی - شکایت نہ کرنا ، خیر اب آئی ہو تو پہنائے جاؤ ارے سعیدہ ، عائشہ ، جمیلہ چلو چوڑیاں پہن لو - منہاری کو گھیر کے مت بیٹھو - نہ چوڑیوں کو چھوؤ - شاہد میاں تم بھی ٹوکرے سے الگ رہو بچیو! اپنی اپنی پسند کی چوڑیاں پہننا - بعد میں میں کسی کی شکایت نہ سنوں ، دیکھو

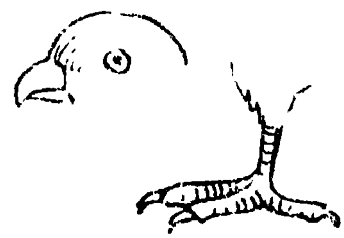
یہ بانکیں ہیں ، یہ ریشمی چوڑیاں ہیں - یہ مسالے کی ہیں - یہ جاپانی ہیں - یہ فیروز آباد کی ہیں - یہ لاکھ کے کڑے ہیں مسالے کی چوڑیاں مجھے بالکل پسند نہیں - کھانا پکاتے میں کہیں آگ کی لپٹ لگ جائے تو فوراً جل اُٹھیں - بی منہاری تم مجھے تو فیروز آباد کی چوڑیاں پہنا دو - اوئی اللہ - کیسے پہناتی ہو - میرا تو ہاتھ چھل گیا - ذرا بڑی چوڑیاں پہنا دو - ہاں اب ٹھیک ہے -

اچھا ، اب ان چوڑیوں کے دام بتاؤ - دو روپے تو بہت زیادہ ہیں تم ہمیشہ دام زیادہ بتاتی ہو - اب

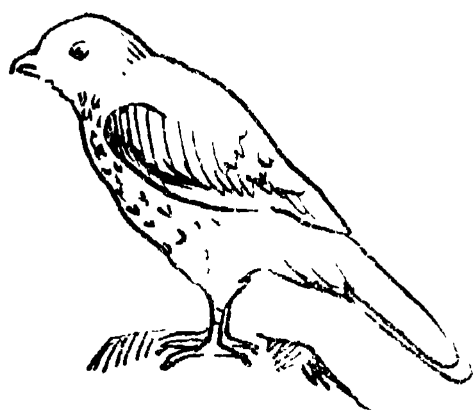
پہلے سے ٹھہرا لیا کروں گی۔
اِن چڑیوں کا بس ڈیڑھ
روپیہ دوں گی - اس سے
زیادہ کی مجھے نہیں جچتیں۔ اور
دیکھو مہینے میں ایک پھیرا
ضرور کر جایا کرو۔ ؎

شاہین

شیخ عبدالکریم بی ، اس ، سی ، بی ، ٹی
اُردو ٹریننگ کالج پونا ۔ حال استادوں کا مدرسہ جامعہ نگر



میں ہوں اک شاہین بچہ پرواز میرا کام ہے
ساری دنیا میں مرا اُڑنے میں اونچا نام ہے

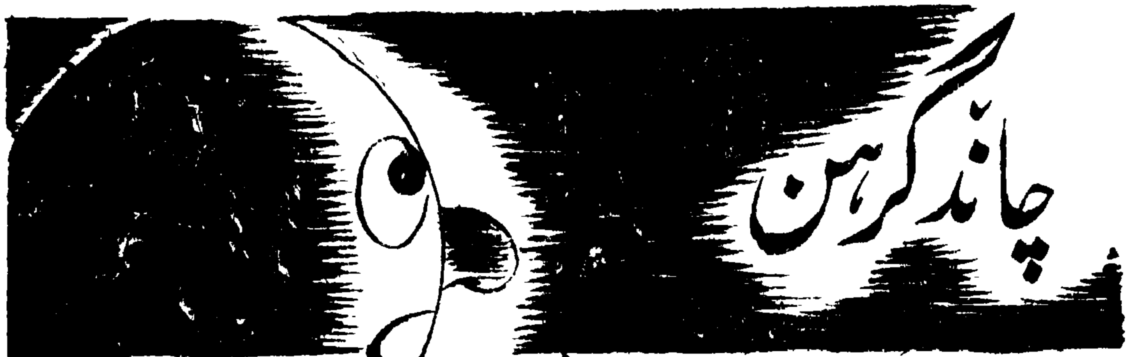


چونچ ہے خم دار میری، تیز ہے میری نگاہ
میرے پنجے سخت ہیں ناخن ہیں میرے بے پناہ

اک جھپٹے میں کبوتر کو پکڑ لیتا ہوں میں
اپنے اِن مضبوط پنجوں میں جکڑ لیتا ہوں میں



پھر پرندے کا مزے سے ناشتہ کرتا ہوں میں
بیٹھ کر اُس [illegible] الگ [illegible] ہوں میں



چاند گرہن

کیا تم نے کبھی چاند گرہن دیکھا ہے؟ اب کی چاند گرہن ہو تو ضرور دیکھنا

چودھویں رات کا پورا چاند چمک رہا ہے کہ یکایک اس کی روشنی کم ہونے لگتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے چاند کو ڈھکنا شروع کردیا ہو دھیرے دھیرے چاند کا اور حصّہ چھپتا جاتا ہے، اور روشنی کم ہوتی جاتی ہے۔ کبھی کبھی پورا چاند ہی غائب ہوجاتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اکثر چاند کا کچھ حصّہ چھپ جاتا ہے اور کچھ دکھائی دیتا رہتا ہے

جب ایسا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ چاند کو گرہن لگا ہے۔

چاند کو کون چھپا لیتا ہے؟

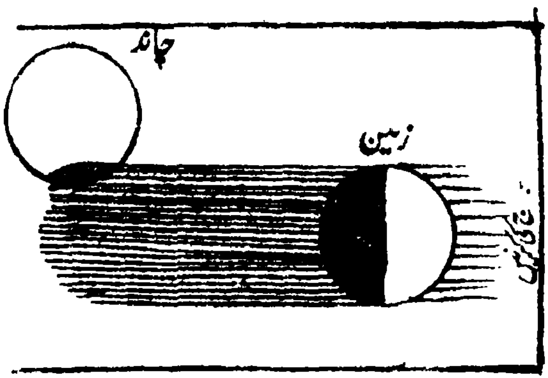
چاند گرہن کی کیا وجہ ہے؟

ذرا غور سے دیکھو جو چیز چاند کو ڈھکے ہوئے ہے اس کی شکل کیسی ہے؟ گول، دائرے کے ایک حصّے کی طرح۔

جب تم روشنی میں ہوتے ہو، تو تمھارا سایہ پڑتا ہے زمین بھی اپنا سایہ ڈالتی ہے۔ ہر ایک رات کو تم زمین کے سائے میں ہوتے ہو۔

کبھی کبھی چاند زمین کے سائے میں آجاتا ہے۔ جب بھی ایسا ہوتا ہے تو چاند پورا ہوتا ہے۔ اس وقت ہماری زمین سورج اور چاند کے بیچ میں آجاتی ہے۔ اس لئے اس کا سایہ چاند پر پڑتا ہے، اور چاند کا وہ حصّہ چھپ جاتا ہے جو کہ زمین کے

سایے میں ہوتا ہے۔ باقی نظر آتا رہتا ہے۔ جب پورا چاند سایے کے اندر آجاتا ہے تو وہ ہمیں بالکل دکھائی نہیں دیتا۔ اس وقت پورا چاند گرہن ہوتا ہے۔



اب تم سمجھے کہ گرہن کے وقت چاند کے ڈھکے ہوئے حصے کی شکل دائرے جیسی کیوں ہوتی ہے۔ زمین گول ہے اس لئے اس کا سایہ بھی گول ہوتا ہے جو چاند میں دائرے کی شکل کا دکھائی دیتا ہے۔ زمین کے گول ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے۔

مختلف شکلوں کی چیزیں لو گتے کا چوکور بکس، چپٹی تشتری، پپیتا گیند۔ روشنی میں لے جاکر ہر چیز کا سایہ دیکھو۔ ان میں سے کس چیز کا سایہ گول ہے؟

پیسے کا سایہ ایک حالت میں گول ہوسکتا ہے۔ لیکن اسے تھوڑا سا گھما دو تو سایے کی شکل بدل جائے گی۔ انڈے جیسی ہوگی یا کدو جیسی یا صرف ایک لکیر کی طرح۔ گیند کا سایہ ہر صورت میں گول ہوتا ہے گیند کو چاہے جس طرح گھماؤ اس کا سایہ ہمیشہ گول ہی رہے گا۔

چاند گرہن کے وقت زمین کا سایہ چاند پر پڑتا ہے سایے کی شکل ہمیشہ گول نظر آتی ہے اس لئے ہماری زمین گیند جیسی گول ہونی چاہیے

چاند گرہن صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ چاند پورا ہو۔ لیکن پورا چاند تو ہر مہینے میں ایک بار دکھائی دیتا ہے مگر چاند گرہن ہر مہینے نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے؟

دو گیندیں لو۔ ایک چھوٹی ایک بڑی۔ فرض کرو کہ چھوٹی گیند چاند ہے اور بڑی گیند زمین۔ بڑی

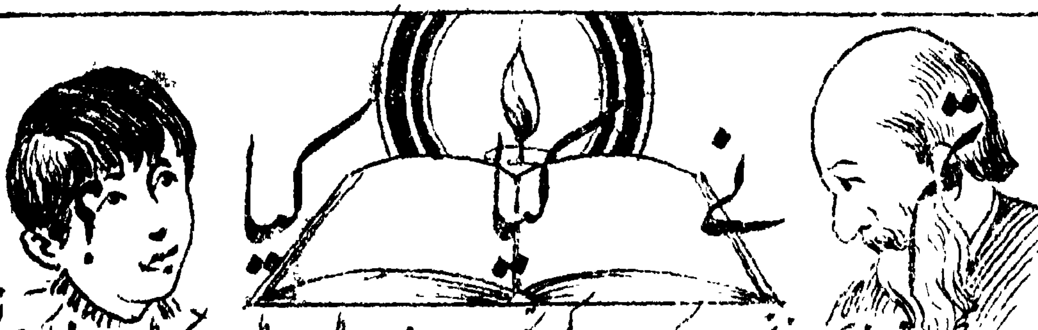
گیند کو روشنی میں رکھو ۔ سامنے کا آدھا حصہ روشن ہے ۔ یہ دن ہے ۔ پیچھے کا آدھا حصہ سایے میں ہے ۔ یہ رات ہے ۔ چھوٹی گیند کو سایے کے پاس لے جاؤ لیکن ذرا اونچا اٹھاکر رکھو ۔ چاند کا وہ حصہ جو زمین کی طرف ہے روشن ہے ۔ یہ چودھویں رات کا پورا چاند ہے ۔

اب چاند کو ذرا نیچے کی طرف سایے میں لے جاؤ ۔ چاند پر زمین کا سایہ دیکھو ۔ چاند کا کچھ حصہ سائے میں آگیا ہے ۔ یہ چاند گرہن ہے ۔ چاند کو ذرا اور نیچے لے جاؤ کہ پورے کا پورا سائے میں آجائے یہ پورا چاند گرہن ہے

اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ ہر مہینے میں چودھویں رات کے چاند کو گرہن کیوں نہیں لگتا ۔

زمین سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے ۔ اس کا ایک راستہ ہے ۔ چاند زمین کے چاروں طرف گھومتا ہے اس کا بھی ایک راستہ ہے ۔ یہ دونوں راستے ایک ہی سطح پر نہیں ہیں ۔ چاند کا راستہ زمین کے راستے سے کچھ جھکا ہوا ہے اس لئے ہر مہینے کا پورا چاند زمین کے سایے سے نہیں آتا اور اسے گرہن نہیں لگتا ۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چودھویں رات کو سورج زمین اور چاند تینوں ایک سیدھ میں آجاتے ہیں اس وقت چاند گرہن ہوتا ہے ۔

بعض سال ایک بار بھی چاند کو گرہن نہیں لگتا لیکن کسی کسی سال میں تین تین چاند گرہن ہو جاتے ہیں ۔ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے ۔

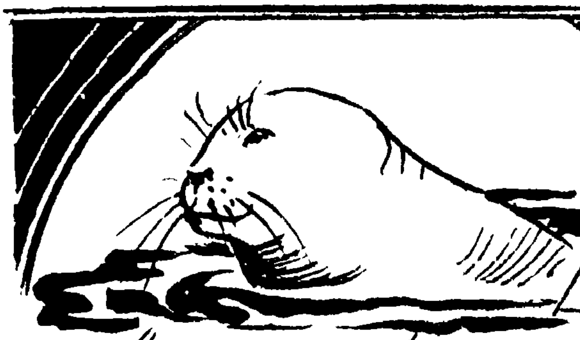


پچھلے مہینے ہم نے تم سے ایک بات کہی تھی - اپنے ان پڑھ بڑوں کو پڑھانے لکھانے کی - ایک مہینہ بیت چکا ہے - تم نے کیا کیا ؟

آزاد دیس کے آزاد لوگوں کے لئے ایک بات تو بہت ضروری ہے - انھیں دیس کے فائدے کی کوئی تدبیر بتائی جائے تو اسے سوچیں، سمجھیں، پرکھیں تولیں - اُن کے جی میں بیٹھ جائے تو اس کے پیچھے لگ جائیں - رکاوٹوں کو دھیان میں نہ لائیں - قدم پیچھے نہ ہٹائیں - کامیابی اُن کے قدم چومے گی -

تو بھئی تم نے اس ایک مہینے میں کیا کیا - شاید کچھ بھی نہیں - کرتے تو ہمیں ضرور بتاتے - شاید کام کرنے کا ڈھنگ تمھاری سمجھ میں نہیں آیا -

ایک بات تو ہماری سمجھ میں آئی ہے - کام شروع کرنے سے پہلے اندازہ لگا لو یہ دیکھ لو کہ تمھارے گھر میں یا آس پڑوس میں کتنے ان پڑھ ہیں - پھر انھیں اپنے ساتھیوں میں بانٹ لو - ایک وقت مقرر کر لو - انھیں پڑھانے کا - اس وقت کی پابندی کرو - پھر دیکھو نتیجہ کتنا اچھا نکلتا ہے - ہمیں بھی اپنے کام کا حال لکھتے رہو، اسے ہم "پیام تعلیم" میں چھاپ دیں گے ٭



چلبلا سیل

قیصر حسین زیدی لکچرر ٹریننگ کالج، علی گڑھ

ہمارے دیس سے دور بہت ہی دور، دنیا کے اتر میں ایک کنبہ رہتا تھا، بہت بڑا۔ بڑے سکھ اور پریم سے۔ اس کنبے میں بوڑھے بچے جوان سبھی تھے۔ بوڑھوں میں بڑی بڑی مونچھوں والے گنجے بھی تھے۔ دُہری دُہری ٹھوڑیوں والے اونگھتے سوتے۔ بڈھے کھونس بھی، اور کبھی۔ ان میں بانکے سجیلے نوجوان بھی تھے ہٹے کٹے جوان مرد بھی۔ بچوں میں شریر اور نٹ کھٹ بھی تھے۔ دودھ پیتے معصوم بھی۔ مگر تھے سب چٹے، سفید، روئی کا گالا۔

پر ایک عجیب بات تھی۔ یہ بچے جیسے جیسے بڑھتے، اُن کا رنگ سانولا پڑتا جاتا جوانی دِوانی آتے ہی سارے بدن کی رنگت خوش نما نیلی ہو جاتی۔ کمر پر خوب صورت خوب صورت سیاہی کے گل بن جاتے مگر بڑھاپا بُرا آیا۔ ان پیارے رنگوں کو بگاڑ دیتا۔ نیلا رنگ دھوپ کی سیاہی جیسا بھدا ہو جاتا۔ کمر کے خوش نما سیاہ گل پھیل کر سیاہ دھبّے بن جاتے اور اس کے بیچ کے حصّے میں لمبے لمبے غار نکل آتے۔

تمھیں یہ سُن کر اچنبھا ہوا ہوگا! یہ کیسے لوگ ہیں گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ بھلا کہیں آدمیوں کا رنگ نیلا ہوتا ہے! پر کبھی یہ آدمیوں کا تو ذکر

بھی نہیں ۔ یہ تو مچھلیوں کی بات ہورہی ہے سیل مچھلیوں کی ۔ یہ قطب شمالی کے سمندروں میں رہتی ہیں اُن کا مُنہ تو کچھ کچھ شیر سے مِلتا جُلتا ، باقی دھڑ مچھلیوں جیسا ۔ چھوٹے چھوٹے چاروں ہاتھ پیر بھی بالکل چپوؤں جیسے ۔ اِن سے تیرنے میں بہت مدد ملتی ہے ۔ اور ہاں سیل صاحب اِنھی کے بل پر کھڑے ہوتے اور اُٹھتے بیٹھتے ہیں ۔

سیل مچھلی کا منہ تو شیر جیسا پر اس پر نرمی ہوتی ہے جیسی انسانوں کے مُنہ پر ، بوڑھے سیلوں پر تو اکثر لمبی لمبی لٹکی ہوئی مونچھیں اور مچی مچی آنکھوں والے چینیوں کا دھوکا ہوتا ہے ۔ چنانچہ اس خاندان کا سب سے بوڑھا "کلّو دادا" اپنے پاؤں کے بل کھڑے ہوکر اور چپوؤں جیسے ہاتھ ٹکا کر اِدھر اُدھر نظر ڈالتا تو عین مین چینی گیانی معلوم ہوتا ۔

کلّو دادا تھے بھی بڑے سوجھ بوجھ والے کسی کو کوئی مشکل پیش آتی تو وہ دوڑا دوڑا کلّو دادا کے پاس آتا ۔ آپس کے لڑائی جھگڑوں میں دادا کو پنچ بنایا جاتا ۔ سب مل کر سیر و شکار کو جاتے تو وہی سب سے آگے کمان کرتے ۔ سب اُن کی آواز پر کان لگائے رہتے اِنھی کے اشاروں پر چلتے ۔

کلّو دادا بچّوں کو بہت چاہتے تھے ۔ اُنھیں اُچھلتے کودتے اور غوطے کھاتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ۔ ان کی چیخ پکار اور کلکاریوں کو سُن کر اکثر ہنس پڑتے ۔ انھیں کام کی باتیں بھی بتاتے ۔ اُنھیں چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو شکار کرنے کے داؤں گھات سکھاتے ۔ مگر دادا کو زیادہ لگاؤ اپنے پرپوتے سجیلے سے تھا ۔ تھا بھی وہ بلا کا تیز اور پھرتیلا ۔ مچھلیاں پکڑنے میں تو وہ تیر کی سی تیزی دکھاتا تھا ۔ اور بھی بڑی بڑی خون خوار مچھلیاں

اس کا بال بیکا نہ کرسکتیں۔ وہیل شارک اور دوسری بڑی بڑی مچھلیاں جو سیل کو کچا چبا جاتی ہیں، اس پر دانت پیستی رہ جاتیں۔ وہ انھیں خوب چرکے دیتا۔ اور اُن کے مُنہ میں جا کر صاف نکل آتا۔ ویسے بھی وہ بہت سجیلا اور خوب صورت تھا۔ جدھر سے نکل جاتا مچھلیوں کی نظریں اس پر جم جاتیں گھر گھر اس کی پھرتی اور خوب صورتی کا چرچا ہوتا۔

اوچلبے کے ساتھی بھی ایک سے ایک تھے، اُن میں "کھوجی" "جاں باز" "جنگ جو" اور "نجمی" سایے کی طرح اُس کے ساتھ رہتے۔ جاں باز تو ان سب میں بانکا اور نڈر تھا۔ جھگڑوں میں پڑنے میں اسے بڑا مزا آتا تھا۔ اپنے ساتھیوں کو طرح طرح کے خطرناک کاموں کے لئے اکساتا رہتا۔ سمندر کی رونق کا حال اُسے خوب معلوم تھا۔ اُس کے نڈر ہونے کی وجہ ایک یہ بھی تھی۔ وہ اُن کے بہاؤ کے ساتھ خوب تیرا کرتا۔

(باقی اگلے پرچے میں)

خوب صورت کونا



از
شمس الہدیٰ
جماعت نہم



کام کیجئے

ضائع نہ وقت یوں سحر و شام کیجئے
اُٹھئے جناب اُٹھ کے کوئی کام کیجئے

اک ایسا روگ ہے مرے بھائی نکما پن
جس کو لگے پنپ نہیں سکتا کبھی جتن

پائے وہ تندرستی کی نعمت محال ہے
بیمار ہو کے جینا بھی کیسا وبال ہے

ڈالو گے کام کرنے کی عادت نہ تم اگر
پڑھ لکھ کے بھی کرو گے ترقی نہ عمر بھر

بے کار رہ کے تم کبھی راحت نہ پاؤ گے
دولت نہ ہاتھ آئے گی عزت گنواؤ گے

محتاج دوسروں کے رہو گے تمام عمر
دکھ اور ذلتیں ہی سہو گے تمام عمر

گر چاہتے ہو راحت و عزت ملے تمھیں
محنت سے منہ چرانا نہ پھر چاہیے تمھیں

(سیدہ فرحت)



اونٹوں کی کھیتی

غوث انصاری

(۲)

تیسرا سین

مقام :- ایک میدان

وقت :- دوپہر

نورو، شیرو اور بدھو کندھوں پر پھاوڑے رکھے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔

شیرو :- ہاں بھئی آج ہی سے کام شروع کر دیا جائے بھئی - ہاں بھئی -

(تینوں پھاوڑے زمین پر رکھ کر گھوم پھر کر زمین کا جائزہ لیتے ہیں سرے پر ایک جگہ ٹھہر جاتے ہیں)

بدھو :- بس یہیں سے کام شروع ہو -

(تینوں جاکر اپنے پھاوڑے اٹھالاتے ہیں، اور کھودنا شروع کر دیتے ہیں)

شیرو :- ہاں بھئی زمین تو آج ہی تیار ہو جائے گی بھئی۔ ہاں بھئی بس اونٹوں کی کھوپڑیاں لاکر بو دینا ہے بھئی -

نورو :- ہاں ہاں - آج ہی کھوپڑیاں بھی آجائیں گی -

بدھو :- اور سال بھر کے اندر اندر فصل تیار ہو جائے گی (خوشی میں تالی بجاکر) آہاہا پھر تو مزے ہی مزے ہوں گے -

نورو :- جاؤ میاں بدھو! تم کھوپڑیاں جمع کر لاؤ -

بدھو :- (خوشی سے) ہاں میں جاتا ہوں، .... مگر لاؤں کہاں سے؟

نورو :- ارے بھیا! پاس کے میدان میں اونٹوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں ہی کھوپڑیاں پڑی ہیں۔ جاکر اٹھالاؤ۔

شیرو :- ہاں بھئی۔ زیادہ سے زیادہ جمع کرکے لانا بھئی۔

بدھو :- (خوشی سے اچکتا پھاندتا چلا جاتا ہے) یہ دونوں اپنے کام میں لگے رہتے ہیں

تھوڑی دیر کے بعد بدھو ایک بڑی
سی گٹھری لئے ہوئے داخل ہوتا ہے)

شیرو :- (خوشی میں چلا کر) ہاں بھئی - واہ بھئی
بدھو بھائی - لے آئے بھئی -

بدھو :- صرف دس کھوپڑیاں ملیں -

شیرو :- ارے بھئی یہی بہت ہیں بھئی - دس سے
دس سو اونٹ پیدا ہوں گے -

نورو :- (خوشی سے) اور دس سو اونٹ
دس ہزار روپے میں بکیں گے -

بدھو :- مگر دس ہزار روپے میں تین حصے
کیسے ہوں گے ؟

نورو :- اونہہ ، تین حصے کرنے کے لئے ہم دس
ہزار کے بجائے نو ہی ہزار میں بیچیں گے - ایک
ہزار چھوڑ دیں گے - بس ہر ایک کے حصے
میں تین ہزار روپے آئیں گے -

شیرو :- ہاں بھئی ، ہاں بھئی -

(تینوں گٹھری کھولنے میں لگ جاتے
ہیں - پردہ گر جاتا ہے -)

دوسرا ایکٹ

پہلا سین

(تین مہینے بعد - پہلے ایکٹ میں یہ لوگ
ٹھنڈے کپڑے پہنتے ہیں - اس مرتبہ یہ گرم کپڑے
پہنے ہیں ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جاڑے
کا موسم ہے)

مقام :- وہی میدان

وقت :- صبح سویرے

(نورو ، شیرو اور بدھو گٹھرے لئے
داخل ہوتے ہیں - سردی کی وجہ سے
تینوں کپکپا رہے ہیں -)

شیرو :- ہاں بھئی ، میاں نورو ، آج تین مہینے
ہو گئے بھئی - ابھی تک تو بھئی کوئی پودا
تک نہیں اُگا بھئی !

بدھو :- اور روز صبح صبح پانی دینے آنا پڑتا ہے
یہ اور مصیبت ہے -

نورو :- خیر بھیا ، دیکھیں گے کہ کب تک فصل
تیار نہیں ہوتی ، کبھی تو اونٹوں کے پیڑ
اُگیں گے -

شیرو :- اور بھئی اگر کوئی بھی اونٹ نہ اُگا تو ؟

نورو :- یہ تو ہو ہی نہیں سکتا - محنت کا پھل تو
ضرور ہی ملتا ہے -

شیرو :- بھئی اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض
کر لو کہ کچھ بھی نہ ہوا تو بھئی ؟

نورو :- تو اور کچھ سوچیں گے ، پھر گھوڑوں کو
بو کر دیکھیں گے - اگر وہ بھی نہ اُگے تو بکریاں

بکریاں بھی نہ اُگیں تو مُرغیاں اور اگر مُرغیاں بھی نہ اُگیں تو انڈے کے پیڑ ضرور ہوں گے۔

بدھو:۔ بس بس بس۔ انڈے ٹھیک رہیں گے۔ انڈے! (چٹخارہ لے کر) روز ایک کھانے میں آئے گا۔

نورو:۔ اور جو روپیہ ملے گا وہ گھاتے میں۔

بدھو:۔ (آپ ہی آپ مزے لے لے کر بکنے لگتا ہے) بس جب انڈوں کے بکنے کے بعد نو ہزار روپیہ ہو جائے گا تو میں اپنے تین ہزار روپے لے کر تجارت شروع کر دوں گا۔ ہوتے ہوتے میں بہت بڑا تاجر ہو جاؤں گا۔ پھر میں اپنا نام بدھو کے بجائے نواب بدر خاں رکھوں گا۔ اس کے بعد بادشاہ مجھے بلا کر اپنا وزیر مقرر کرلے گا۔ بس جب میں وزیر ہو جاؤں گا تو اپنے پُرانے جھگڑو کو بلاؤں گا۔ اُس سے کہوں گا کہ اب بتا، تو مجھے بہت تنگ کرتا تھا۔ وہ خوشامد کرنے لگے گا، مگر میں ایک نہ سنوں گا، اور تان کے ایک تھپڑ اس کے دوں گا (یہ کہتے کہتے اسی قوت سے اس نے تھپڑ شیرو کے مار دیا)

شیرو:۔ (بگڑ کر) ابے او بُدھو کے بچے کیا تیرا دماغ ٹھکانے نہیں؟

بدھو:۔ (چونک کر) اوہ شیرو بھائی معاف کرنا............ میں............ میں نے جان کر تھوڑا ہی مارا تھا۔

شیرو:۔ (تیز آواز میں) جان کر مارا ہو یا بے جانے مگر میرے چوٹ تو آئی۔

بُدھو:۔ (خوشامدانہ لہجے میں) میں نے اپنے خیال میں وزیر بن کر جھگڑو کو مارا تھا۔ مگر لگ گیا تمہارے۔

شیرو:۔ (اسی لہجے میں) تو تو وزیر بن جائے گا، اور میں یوں ہی رہ جاؤں گا.. .... میں بھی........

نورو:۔ (دونوں میں صلح کراتے ہوئے) بس بس ختم بھی کرو لڑائی۔ اب گھر چلو۔ راستے میں اونٹ کا بھاؤ بھی تو معلوم کرنا ہے۔

شیرو، بُدھو:۔ ہاں ہاں۔ چلو، چلو۔ (تینوں چلے جاتے ہیں)

پردہ

باقی آیندہ

چند گھنٹے مجیب صاحب کی خدمت میں

(۲)

محمد عبدالرؤف بی۔اے (جامعہ)

دوسرے روز ہم لوگ مجیب صاحب سے ملنے کے لئے پھر کینگنگٹن پیلس منشن گئے۔ چارلی صاحب بھی وقت مقررہ پر وہاں پہنچ گئے تھے۔ ہوٹل سے ہم سب لوگ پان امریکن ایر ویز کے دفتر میں گئے۔ بہت بڑا اور شان دار دفتر ہے۔ اس کی دیوار پر دنیا کے ایک بہت بڑے نقشے میں جاپان، ہندوستان، برطانیہ، نیویارک اور سین فرانسسکو پر پانچ گھڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان گھڑیوں سے ان مقامات کا صحیح ریلوے ٹائم معلوم ہوتا رہتا ہے۔ لندن کی گھڑی میں اس وقت صبح کے دس بجے تھے اور ہندوستان کی گھڑی میں سہ پہر کے ۳ بج کر ۱۰ منٹ۔

اس کے بعد بازار کی سیر کرتے ہوئے ہم لوگ ہائڈ پارک پہنچے۔ لندن کا بہت خوب صورت اور مشہور پارک ہے اس میں ایک جھیل بھی ہے جس میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں چلتی ہیں۔ یہاں سے روانہ ہوکر ہم لوگ بکنگھم پیلس کے (جہاں بادشاہ رہتا ہے) قریب سے گذرے اور لائنس کارنر ہوٹل پہنچے۔ اس راستے میں مجیب صاحب ہی ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ تیس سال کی طویل مدت گذرنے کے بعد بھی انھیں یہاں کا جغرافیہ بخوبی یاد ہے۔ ہوٹل میں لنچ سے فارغ ہوکر ہم لوگ مجیب صاحب اور چارلی صاحب کو اپنی قیام گاہ پر لائے۔ یہاں چلئے

پی اور پھر بیٹرسی پارک کی سیر کرنے چلے گئے۔ اس پارک میں بھی ایک جھیل ہے جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کئی مصنوعی جزیرے بنا لئے ہیں۔ لوگ سیر کرنے کی غرض سے چھوٹی چھوٹی کشتیاں کرائے پر لے کر ان جزیروں پر جاتے ہیں۔ ہمارا بھی ارادہ تھا کہ ایک کشتی لے کر جھیل اور ان جزیروں کی سیر کریں۔ مگر اتفاق سے اتوار کی وجہ سے بہت زیادہ بھیڑ تھی۔ اور کشتیوں کے لئے بہت لمبا کیو (Q) بنا ہوا تھا۔ اس لئے ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ پارک کی سیر کرنے کے بعد ہم لوگ مسٹر چارلی کو پہنچانے کے لئے روانہ ہوئے واپسی پر مجیب صاحب کے ساتھ اُن کے ہوٹل پر گئے۔ یہاں بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور آخرکار رات کے سوا نو بجے ہم لوگ اپنے مکان کو واپس ہوئے۔

تیسرے روز صبح کے ۹ بجے کے قریب ہم لوگ پھر مجیب صاحب سے ملنے گئے۔ آج وہ کانفرنس میں شرکت کی غرض سے کینیڈا کے لئے روانہ ہونے والے تھے چنانچہ ہم تینوں ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر برٹش ہوائی سروس کے دفتر میں پہنچے۔ یہاں مجیب صاحب نے اپنا سامان جہاز والوں کے سپرد کیا۔ اس کے بعد ہم لوگ انڈیا ہاؤس گئے۔ کیونکہ مجیب صاحب کو یہاں کچھ لوگوں سے ملنا تھا۔ دوپہر کا کھانا ہم سب نے یہیں کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر بازار سے کچھ سامان خریدتے ہوئے ہم لوگ پھر برٹش ہوائی سروس کے دفتر میں پہنچے۔ یہاں بہت دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ ۴½ بجے کے قریب معلوم ہوا کہ جہاز وقت مقررہ سے کچھ دیر بعد روانہ ہوگا۔ اس لئے مجیب صاحب نے ہم لوگوں سے اصرار کیا کہ ہمیں اب زیادہ دیر تک ان کی روانگی کا انتظار نہ کرنا چاہئے کیونکہ چارلی صاحب نے ڈنر ہمارے ساتھ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس

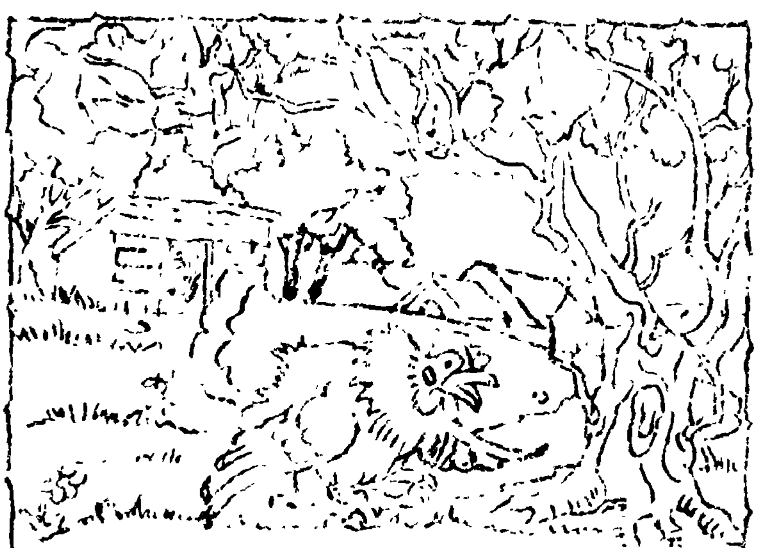
طرح ہم لوگ ۵ بجے کے قریب بادل ناخواستہ وہاں سے واپس ہوئے۔

مجیب صاحب حکومتِ ہند کے نمائندے کی حیثیت سے کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے کینیڈا تشریف لے گئے ہیں۔ یہ اس قسم کی چوتھی کانفرنس ہے جو ۸ ستمبر سے ۱۸ ستمبر تک کینیڈا میں ہوئی۔ اس کا اہم کام برطانوی کامن ویلتھ کی سیاسی تہذیبی اور معاشی حالت پر تبادلۂ خیالات کرنا اور اس کی ترقی کی تدبیریں سوچنا۔ ہندوستان کی طرف سے مجیب صاحب کے علاوہ شیوراؤجی ڈاکٹر وی، کے، آر، وی، راؤ اور وجے راگھو آچاریہ صاحبان بھی اس کانفرنس میں نمائندے کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں۔ یہ ڈیلی گیشن آخر نومبر تک نیو یارک میں رہے گا۔ تاکہ وہاں یو، این او میں مختلف مسائل پر گفتگو کرسکے۔ انگلستان کے سب سے مشہور اور بلند پایہ اخبار ٹائمز نے اپنے ایک آرٹیکل میں لکھا، پاکستان اور بالخصوص ہندوستان کے ڈیلی گیشن کی بڑی تعریف کی ہے اور کانفرنس کی کامیابی کے تین اہم اسباب میں ایک سبب اُن کی نمایندگی کو قرار دیا ہے۔

مجیب صاحب نومبر کے آخری یا دسمبر کے پہلے ہفتے میں امریکہ سے واپسی پر لندن تشریف لائیں گے اور خیال ہے کہ دس پندرہ روز تک یہاں قیام کرنے کے بعد ہندوستان کو واپس ہوں گے۔

اب سے تقریباً ۳۰ سال پہلے کی بات ہے کہ مجیب صاحب ہندوستان سے سینیر کیمبرج کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۲۱ اگست ۱۹۱۹ء کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ایک طالب علم کی حیثیت سے لندن تشریف لائے تھے۔ اس وقت اُن کی عمر صرف ۱۷ سال کی تھی۔ انھوں نے اسی سال آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لیا

اور تین سال بعد ۱۹۲۲ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد وہ ۱۹۲۲ء سال جرمنی چلے گئے اور وہاں پر چار سال تک پریس کا کام سیکھتے رہے، جرمنی کے دورانِ قیام میں مجیب صاحب کی ملاقات عابد صاحب اور ذاکر صاحب سے ہوئی ان تینوں حضرات کی یہی وہ ملاقات تھی جو جامعہ کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ مارچ ۱۹۲۶ء میں مجیب صاحب ہندوستان واپس تشریف لے گئے۔ اس مہینے میں جامعہ پہنچے اور ۱۹۲۷ء کے آخر تک جامعہ میں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک پریس کا کام کیا، اور پھر اگست ۱۹۲۹ء سے اب تک جامعہ ہی میں ہیں۔ جامعہ میں پہلے سیاسیات اور تاریخ کے پروفیسر اور خازن کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور آج کل بجائے شیخ الجامعہ کام کر رہے ہیں۔



عجب
چوزے ہیں
ناک میں دم کر دیا ہے
بی مرغی
کا
تینوں
کہیں چھپ گئے ہیں
ذرا
آپ تلاش تو کیجئے



(۲)

تھوڑی دیر بعد ایک ہرن چھلانگیں مارتا اِدھر نکلا ، انھیں دیکھتے ہی بولا، تم یہاں کیا کر رہے ہو کمبا ؟

کمبا :- میرا دل بہت غم گین ہے ۔ میں عقل مند اور بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں ، پر نہ جانے مجھ میں سوجھ بوجھ اور بُدھی بھی ہے ، یا نِرا بدّھو ہوں ۔

ہرن :- تم کیا کھاتے ہو ؟

کمبا :- امّی میرے لئے دونوں وقت کھانا پکا دیتی ہیں ، بس وہی کھاتا ہوں ۔

ہرن :- کبھی اپنی امّی کا شکریہ بھی ادا کرتے ہو ؟

کمبا :- نہیں تو ، اس کا تو کبھی دھیان ہی نہیں آیا ۔

ہرن :- تب تو تم سچ مچ بڑے بدھو ہو ۔ عقل مند لوگ تو ضرورت کے وقت مدد کرنے والوں اور ہمدردی و محبّت کا برتاؤ کرنے والوں کا ضرور شکریہ ادا کرتے ہیں ۔

یہ کہتا ہوا وہ چھلانگیں مار میدان کی طرف نکل گیا ۔ اک ذرا دیر بعد ایک چیتا اِدھر آتا دکھائی دیا ۔ کمبا پہ نظر پڑی اور اسے شبہ کی نظروں سے بہت گھور گھور کے دیکھنے لگا ۔

تم کیا کر رہے ہو

کمبا: میرا جی بہت اُداس ہے۔ میں عقل مند اور بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں۔ پر نہ جانے مجھ میں سوجھ بوجھ اور بُدھی کچھ ہے بھی یا نرا بدّھو ہوں۔

چیتا: تب تو تم بڑے بدھو ہو کیا تم اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ سب لڑکوں کی ایک دوسرے کے ساتھ جان پہچان اور دوستی ہونی چاہئے۔ سمجھ دار لوگ دوسروں سے مل جُل کر کام



چیتا: کیا بستی کے اور لڑکے تمھیں پسند کرتے ہیں؟

کمبا: بالکل نہیں۔ اور میں کب اس کی پروا کرتا ہوں! وہ مجھے ستاتے ہیں، دق کرتے ہیں۔ میرے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتے ہیں۔

کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چیتے نے اتنا کہا اور تڑپ کے جنگل میں گھس گیا۔

اسے تو فوراً ہی ایک ہاتھی اس کے پاس آموجود ہوا۔ خوب بھاری بھرکم۔ بھاری بھاری پیروں سے گھاس کو روندتا ہوا۔

کیوں جی تم یہاں کیا کر رہے ہو۔
کمبا:۔ میں بہت اُداس ہوں۔ عقل مند اور بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں پر نہ جانے مجھ میں سوجھ بوجھ اور بڑھی بھی کچھ ہے یا نِرا بُدھو ہوں۔
ہاتھی:۔ تم کیا کام کرتے ہو؟
کمبا: کچھ نہیں۔
ہاتھی:۔ پھر تو تم نِرے بُدھو ہو۔ عقل مند کوئی نہ کام ضرور کرتے ہیں۔

وہ ایک طرف کو گھوما بڑی نفرت کے ساتھ اپنی دُم مروڑی اور ایک طرف کو چل دیا۔

اب تو کمبا کا یہ حال کہ اب چیخ نکلی۔ اتنے میں بہت ہی نرم اور میٹھی میٹھی آواز کانوں میں آئی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو بھائی"
کمبا بولا:۔ میں بہت اُداس ہوں بہت ہی اُداس۔ بھلا میں تو عقل مند اور بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں اور جنگل کے جانور کہتے ہیں تم نِرے بدھو ہو"

خرگوش تھوڑی دیر چپ سادھے رہا۔ اُس نے کمبا کو خوب چھنچے دیا پھر پھُدک کر اس کے بالکل قریب آگیا اور بہت نرمی سے پوچھا "کن کن جانوروں نے تمھیں بے وقوف بتایا؟"

کس کس کو بتاؤں، شیر صاحب تو کہنے لگے کہ تم ہر وقت اپنے ہی بارے میں سوچتے رہتے ہو اس لئے بے وقوف ہو" ہرن نے کہا "امی تمھارا کھانا پکاتی ہیں اور تم اُن کا شکریہ ادا نہیں کرتے" چیتے صاحب نے فرمایا "تم دوسرے لڑکوں کے ساتھ نہیں کھیلتے۔ اُن سے میل جول پیدا نہیں کرتے۔ اور ہاتھی دادا نے اس لئے احمق بتایا کہ میں کوئی کام نہیں کرتا"

ننھے خرگوش نے سر ہلایا۔

"اچھا اچھا، جبھی تم اتنے رد بانسو ہوگئے۔ بھئی باتیں تو ان سب نے سچی ہی کہی ہیں بالکل سچی۔ عقل مند لوگ ہر وقت اپنے ہی بارے میں نہیں سوچتے، اُن کے ساتھ کوئی بھلائی کرے تو اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں سمجھ دار لڑکے ساتھیوں کے ساتھ کھیلتے کودتے ہیں اور مِل جل کر رہتے ہیں دہاں پھر

بچوں کی کوششیں

بڑھیا کا انعام

م۔ خالد وہاب خاں۔ رضا کالج، رام پور

ایک گاؤں میں ماں اور بیٹا رہتے تھے، لڑکے کا نام مجید تھا۔ مجید منہ اندھیرے جنگل کو نکل جاتا، وہاں سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا، اور انھیں بیچ کر گھر کا خرچ چلاتا۔

ایک دن وہ لکڑیاں بیچ کر گھر جا رہا تھا، راستے میں ایک بڑھیا ملی، کپڑے تار تار، چہرے پر مردنی جیسے کئی دن کا فاقہ ہو۔ اس نے مجید کو دیکھ کر ہاتھ پھیلا دیا۔ مجید کو اس کی حالت پر ترس آیا اور اس روز کی آمدنی اُسے دے دی، گھر میں فاقہ ہوا۔

دوسرے روز بھی یہی ہوا۔ تیسرے روز مجید بہت نڈھال تھا جیسے تیسے لکڑیاں کاٹیں۔ انھیں بیچ کر گھر جا رہا تھا کہ پھر بڑھیا کا سامنا ہوا۔ اس نے آج بھی سارے دام بڑھیا کے حوالے کر دئے۔ جب ذرا دُور نکل گیا تو بڑھیا نے آواز دی:۔

"بیٹے ذرا بات سننا"

مجید قریب آیا تو بڑھیا کی شکل بدل چکی تھی، کہنے لگی:۔ "میں ایک پری ہوں، تم امتحان میں پورے اُترے۔ میں تم سے خوش ہوں، لو یہ اپنا انعام"۔

پری نے ایک بٹوا مجید کے ہاتھ پر رکھا اور بولی:۔ "خدا نے چاہا تو یہ روپیوں سے کبھی خالی نہ ہوگا"

بدحواسی

ظہیر الدین احمد

ایک شخص نے بازار سے ایک کہانی کی کتاب چہرے پہ ملنے کی کریم، اور ایک ڈبیا پالش کی خریدی، اس نے سوچا تھا گھر جا کر پہلے نہائے گا، پھر کہانی کی کتاب پڑھے گا، اتنے شام ہو جائے گی، اور جوتے پہ پالش لگا منہ دھو، چہرے پہ کریم مل، ٹہلنے نکل جائے گا۔

گھر لوٹا تو کمرے میں نہایا اور غسل خانے میں کتاب پڑھنے لگا۔ شام ہوئی تو جلدی سے کریم جوتے پہ اور چہرے

• کی پالش مُنہ پہ لگا، نکلا پھنے، ہم نے بھی اُسے دیکھا

لطیفے

استاد :- خدا نے ہمیں بہت سی نعمتیں دی ہیں۔ مثلاً دیکھنے کو دو آنکھیں، سونگھنے کو ناک، سننے کو کان۔

میلا رام :- ماسٹر صاحب دو کان (دکان) سُننے کے لئے تو نہیں ہوتی وہاں تو چیزیں بکتی ہیں۔

ماں :- بیٹا آج کل تم ٹیڑھے ٹیڑھے کیوں چلتے ہو۔

بچہ :- امّی جان ہی تو آپ نے کہا تھا " سیدھے کا مُنہ کُتا چاٹے "۔

استاد :- (جغرافیہ پڑھاتے وقت) بیسن کسے کہتے ہیں۔

لڑکا :- ماسٹر صاحب جس کی پھلکیاں پکاتے ہیں۔

مشتاق احمد نقوی

احمد :- اگر تم سے کسی کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔

محمود :- دوسری بھی پھوڑ دوں گا۔

احمد :- ایں ؟

محمود :- اور کیا، اندھے پہ لوگ رحم کھاتے ہیں۔ کانے کو ستاتے ہیں۔

فاروق علی خاں　دریاباد

بیمار :- ڈاکٹر صاحب میں نے ذرا جلی ہوئی روٹی کھائی تھی، تب سے پیٹ میں برابر درد ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر :- مریض کی آنکھیں دیکھنے لگتا ہے۔

مریض :- ڈاکٹر صاحب درد تو پیٹ میں ہے۔

ڈاکٹر :- آنکھ میں بھی کوئی خرابی ضرور ہے۔ ورنہ جلی روٹی کیوں کھاتے۔

ایک شریر لڑکا :- کیوں صاحب یہ کون سی مٹھائی ہے۔

حلوائی :- کھاجا۔

(لڑکا مٹھائی اٹھا کر کھا لیتا ہے اور چلنے لگتا ہے)

حلوائی :- اماں صاحب زادے دام تو دیتے جاؤ۔

لڑکا :- (بھولے پن سے) تم ہی نے تو کہا تھا "کھا جا" بس میں کھا گیا

(ظہیر الدین، کلکتہ)

اِدھر اُدھر سے

دیس کی آزادی کے بعد لندن کے انڈیا ہاؤس میں پہلی بار ہندوستانی بچوں کی دعوت کی گئی، ہندوستانی ہائی کمشنر نے خود بچوں کی آؤ بھگت کی۔ دعوت کے بعد انڈیا ہاؤس کے نئے سنیما گھر میں بچوں کو دو چھوٹے چھوٹے فلم بھی دکھائے گئے۔

یورپ کے ایک ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اونچی ایڑی کے جوتے بچیوں کے لئے خصوصاً بہت مضر ہیں۔ اگلے حصے پر غیر قدرتی بوجھ پڑنے سے چمڑا موٹا ہوجاتا ہے۔ اونچی ایڑی کی وجہ سے بچی کا پیر زمین پر ٹھیک نہیں پڑتا اور ٹخنے باہر کی طرف نکل آتے ہیں۔

ایک بڑے سائنس داں نے بتایا ہے کہ دنیا کی آبادی میں ہر تین سیکنڈ میں دو آدمی بڑھتے ہیں۔ اس طرح ہر سال میں دو کروڑ آدمی بڑھتے ہیں۔ اس وقت دنیا کی آبادی دو ارب تین کروڑ ہے۔

آسٹریلیا میں برطانیہ اور آسٹریلیا کے سائنس جاننے والے ایٹمی ایجاد کر رہے ہیں جو ایٹم بم کا جواب ہوگی۔

روسی آذر بائجان کے ایک پہاڑی گاؤں کیرہ کورہ میں محمد ہزاکوف ایک کاشتکار کی عمر ۱۴۰ سال ہے۔ بیوی بھی زندہ ہے اس کی عمر ۱۱۲ سال ہے۔ بڑی لڑکی سو برس سے زیادہ کی ہے اس بھرے کنبے میں بچے بڑے پوتے پرپوتے وغیرہ سب ملا کر ۱۱۲ ہیں۔

آدھی مُلاقات

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم

سلام مسنون۔ "پیام تعلیم" ہمارے یہاں بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ "پیام تعلیم" ہی اس وقت بچوں کے لئے بڑی عمدہ عمدہ چیزیں پیش کر رہا ہے خصوصاً اخگر مشتاق صاحب کی نظمیں تو بہت ہی دلچسپ ہوتی ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ ہر پرچے میں اُن کی کوئی نہ کوئی نظم ضرور ہوا کرے۔ میری دیگر یہاں کے پیامی حلقہ کی دلی خواہش ہے کہ اخگر مُشتاق صاحب کی نظموں کے ساتھ ساتھ ہم سب کو ہمارے محبوب شاعر سے بھی تصویر کے ساتھ مُلاقات کرائیے۔ اُمید ہے کہ ہماری اس خواہش سے اتفاق کرتے ہوئے ہمیں مشکور فرمائیں گے۔

ناچیز

نعیم الرحمٰن، لکھنؤ۔

گرامی قدر! تسلیم

ستمبر کا پرچہ ملا، دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس مرتبہ یہ رسالہ سب سے بازی لے گیا۔ واقعی یہ رسالہ پچھلے رسالوں سے بہت اچھا تھا، اور ہاں اس میں مضامین بھی تو پہلے سے بہت زیادہ تھے بھئی وہ دو تصویریں "ننھے میاں ذرا سنبھل کے" اور "دوستی اور پیار اسی کو کہتے ہیں" اس میں تو بچے ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ ماشاء اللہ آپ کی پیہم کوششوں سے رسالہ دن بدن اچھا ہوتا جا رہا ہے اور دلچسپی بھی کافی بڑھ رہی ہے، حسّان صاحب اس میں دو تین باتوں کی ابھی اور کمی ہے۔ ایک تو اس میں "دماغی ورزشیں"، "انعامی مقابلے" اور "جامعہ کی خبریں" ضرور ہونی چاہئیں۔ اِن چیزوں کا اور اضافہ ہو جائے گا تو پھر اس میں اور بھی لُطف آئے گا۔ آپ کا رسالہ کافی عروج پر پہنچ جائے گا۔

نیاز آگیں

صغیر احمد شمسی، بریلی

ایڈیٹر صاحب، آداب عرض ہے

اب آپ کا رسالہ ماشاء اللہ روز بروز اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ مگر رسالہ کے اندر ایک کسر رہ گئی کہ اب کے حسبِ سابق لڑکیوں کے لئے کوئی صفحہ نہیں دیا گیا اُمید ہے کہ آیندہ آپ اس کسر کو بھی پوری کر دیں گے یہ بھی تحریر فرمایئے کہ میں اگر کوئی مضمون بھیجوں تو شائع ہو جائے گا۔ فقط

عارفہ صدیقہ۔ بھوپال۔ خریداری نمبر ۱

مضمون تو بھیجو یہ کسر پوری کر دی جائے گی۔

جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم

میں آپ کے رسالہ "پیام تعلیم" کا مستقل خریدار ہوں، میرا خریداری نمبر ۲۰۲ ہے۔ پیام تعلیم کی ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے یہ رسالہ بہت پسند ہے، چونکہ بچوں کے دلچسپیوں کا ہر سامان اس رسالے میں موجود ہے، لیکن اس رسالے میں صرف ایک چیز کی کمی رہ گئی ہے، وہ کشیدہ کاری ہے۔ پیام تعلیم کے اگلے شمارہ سے ضرور ایک صفحہ کشیدہ کاری کے لئے مخصوص رکھیں

شمس الہدیٰ پیامی

جماعت نہم

جناب حسین حسان صاحب، تسلیم

پیام تعلیم بہت ہی دلچسپ رسالہ ہے اور اور مجھے دو بہترین رسالے وصول ہو چکے ہیں۔ میں انشاء اللہ ایک سال تک "پیام تعلیم" خوب دل لگا کر پڑھا کروں گا۔ خدا حافظ

سید عبدالقادر شمیم

کٹل منڈی (دکن)

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم

میں آپ کے پیام تعلیم کا نیا خریدار ہوں۔ آپ کے پرچے میں چند چیزوں کی کمی ہے۔ اُمید ہے کہ جناب ان کمی کی طرف توجہ فرما کر آئندہ اشاعت سے اُس کی اصلاح کردیں گے۔

پرچہ کے سرورق ٹائٹل پیج پر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی تصویر ہونی ضروری ہے اور جامعہ کے طالب علم اور اساتذہ کی بھی تصویریں تعلیم و تربیت درس و کھیل و کود کے سلسلے میں ہر ماہ میں شائع کرنے کا انتظام رہنا چاہیے، اس کو ضروری سمجھنا چاہیے۔

شاکر القدوس

(سرگودھا)

جناب ایڈیٹر صاحب کو سلام علیکم

۲۷ ستمبر کو پیام تعلیم ملا۔ بچوں کے لیے باعثِ مسرت ہوا مارے خوشی کے بلیوں اچھلنے لگے۔ میں نے بھی نہایت غور سے پڑھا بہت پسند آیا نزہت صاحبہ کی نظم "سویرا" اور مہیشور دیال صاحب کا "سورج مکھی" اور محترم رؤف صاحب کا "لندن کا خط" سب سے بڑھیا تھے۔ "آدھی ملاقات" والا صفحہ دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی، اور اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمارا پیام تعلیم اسی طرح دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین

خادم

عبدالوہاب، انصاری

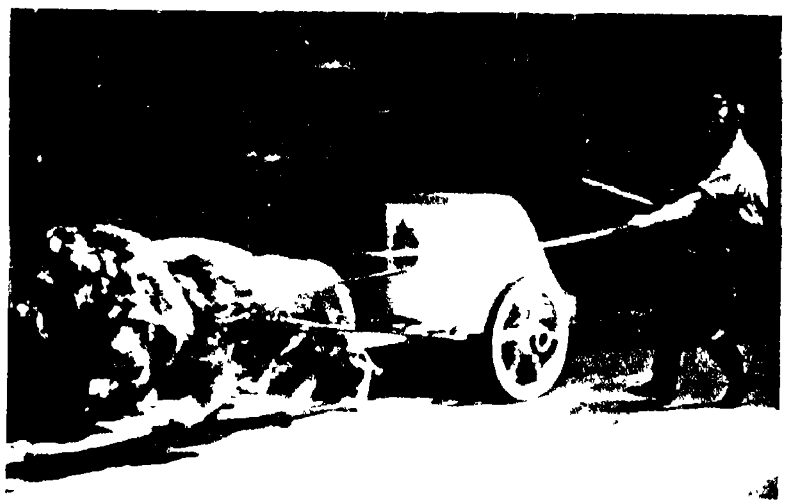
رنگ بھرو

ارے

یہ

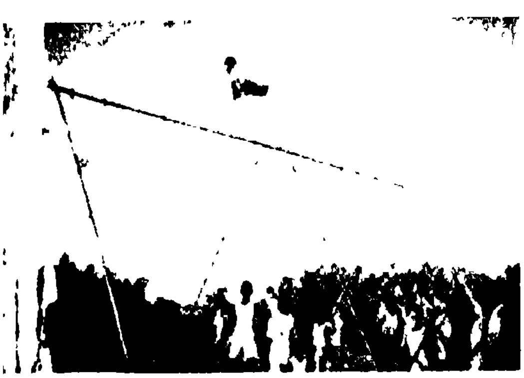
کیا ہو رہا ہے!





اسکاؤٹ میلے (رام لیلا گراؤنڈ) میں بچوں
برادری کی دوکان





اوپر —— اور اوپر!
شیر احمد —— تیسری جماعت کا ایک بچہ